جلد:۸ شمارہ:۳
جولائی تا ستمبر 2017ء

سہ ماہی

سماجی/دینی تحقیقی مجلّہ

مسلسل شمارہ
37

نورِ معرفت

ادار یہ

کتاب شناسی

شیعوں کے اوصاف

اسوۂ حسنہ اور ہماری زندگی

پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ کا تحقیقی مطالعہ

کربلا کے واقعہ میں شمر بن ذی الجوشن کا کردار

اسلامی فرقوں کے درمیان مکالمے کے اصول وضوابط

مفردات قرآن کو سمجھنے کے بنیادی اصول اور تفسیر میں ان کا کردار

نور الہدیٰ مرکز تحقیقات
(اسلام آباد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کلام الامام، امام الکلام

معرفت خدا

لَا یَشْغَلُهُ شَأْنٌ وَ لَا یُغَیِّرُهُ زَمَانٌ وَ لَا یَحْوِیهِ مَکَانٌ وَ لَا یَصِفُهُ لِسَانٌ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ عَدَدُ قَطْرِ الْمَاءِ وَ لَا نُجُومِ السَّمَاءِ وَ لَا سَوَافِی الرِّیحِ فِی الْهَوَاءِ وَ لَا دَبِیبُ النَّمْلِ عَلَی الصَّفَا وَ لَا مَقِیلُ الذَّرِّ فِی اللَّیْلَةِ الظَّلْمَاءِ یَعْلَمُ مَسَاقِطَ الْأَوْرَاقِ وَ خَفِیَّ طَرْفِ الْأَحْدَاقِ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ غَیْرَ مَعْدُولٍ بِهِ وَ لَا مَشْکُوکٍ فِیهِ وَ لَا مَکْفُورِ دِینُهُ وَ لَا مَجْحُودٍ تَکْوِینُهُ شَهَادَةً مَنْ صَدَقَتْ نِیَّتُهُ وَ صَفَتْ دِخْلَتُهُ وَ خَلَصَ یَقِینُهُ وَ ثَقُلَتْ مَوَازِینُهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ الْمُجْتَبَیَ مِنْ خَلَائِقِهِ وَ الْمُعْتَامُ لِشَرْحِ حَقَائِقِهِ وَ الْمُخْتَصُّ بِعَقَائِلِ کَرَامَاتِهِ وَ الْمُصْطَفَی لِکَرَائِمِ رِسَالَاتِهِ وَ الْمُوَضَّحَةُ بِهِ أَشْرَاطُ الْهُدَی وَ الْمَجْلُوُّ بِهِ غَرَائِبُ الْعَمَی.

امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

خداوند عالم کو ایک حالت دوسری حالت سے سدّراہ نہیں ہوتی نہ زمانہ اس میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، نہ کوئی جگہ اسے گھیرتی ہے اور نہ زبان اس کا وصف کر سکتی ہے اس سے پانی کے قطروں اور آسمان کے ستاروں اور ہوا کے جھکڑوں کا شمار، چکنے پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز اور اندھیری رات میں چھوٹی چیونٹیوں کے قیام کرنے کی کوئی جگہ پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ پتوں کے گرنے کی جگہوں اور آنکھ چوری چھپے اشاروں کو جانتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں نہ اس کا کوئی ہمسر ہے نہ اس کی ہستی میں کوئی شبہ، نہ اس کے دین سے سرتابی ہو سکتی ہے اور نہ اس کی آفرنیش سے انکار، اس شخص کی سی گواہی جس کی نیت سچی، باطن پاکیزہ، یقین (شبہوں سے) پاک اور (اس کے نیک اعمال) کا پلہ بھاری ہو اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے عبد اور رسول ہیں اور مخلوقات میں منتخب بیان شریعت کے لیے برگزیدہ گراں بہا بزرگیوں سے مخصوص، اور عمدہ پیغاموں (کے پہنچانے) کے لیے منتخب ہیں۔ آپ کے ذریعے سے ہدایت کے نشانات روشن کئے گئے اور گمراہی کی تیرگیوں کو پھانٹا گیا۔

(نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۷۶ سے اقتباس)

Declaration No: 7334

ISSN 2221-1659

جلد: ۸
شمارہ: ۳
جولائی تا ستمبر
2017ء
بمطابق
شوال
تا
ذوالحجہ
۱۴۳۸ھ

سہ ماہی
علمی و تحقیقی مجلّہ

نورِ معرفت

مدیر اعلی
سید حسنین عباس گردیزی

مدیر
سید رمیز الحسن موسوی

مجلس ادارت

- ڈاکٹر شیخ محمد حسنین
- ڈاکٹر سید راشد عباس
- ڈاکٹر علی رضا طاہر
- ڈاکٹر کرم حسین ودھو
- ڈاکٹر روشن علی
- ڈاکٹر سکینہ حسین

مجلس مشاورت

- مولانا ڈاکٹر ساجد علی سبحانی
- مولانا علی مرتضیٰ زیدی
- مولانا عقیل حیدر زیدی
- مولانا ثمر علی نقوی
- ڈاکٹر سید نثار علی ہمدانی
- ڈاکٹر محمد ریاض

رجسٹریشن

پاکستان، انڈیا: **500** روپے مڈل ایسٹ: **70** ڈالرز یورپ، امریکہ، کینیڈا: **150** ڈالرز

کمپوزنگ/ڈیزائننگ

بابر عباس

پرنٹر

پکٹوریل پریس، آبپارہ، اسلام آباد

نوٹ: ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

"نَمت" ایک نظر میں

"نور الہدیٰ مرکز تحقیقات" (NMT) کا نصب العین (Vision) "مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلامی تہذیب کی حاکمیّت ہے۔" لہٰذا "اسلامی تہذیب کی حاکمیّت کے قیام کے لئے اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج اور پاکستانی قوم میں دینی آگہی کا فروغ"، "نَمت" کا مشن (Mission) ہے۔ "نمت" کی فعالیت محض تعلیمی اور تحقیقی میدان میں محدود ہے اور یہ ادارہ اپنے اہداف کے حصول کے لئے اتحادِ امّت، بین المسالک ہماہنگی، تعمیری تنقید، درکِ متقابل اور تضاربِ آراء کا قائل ہے اور ہر اُس تحقیقی کاوش کو اپنے دامنِ نشرواشاعت میں جگہ دینے کا عہد کیے ہے جو اِس کے مشن سے ہماہنگ ہو۔

"نمت" کے تحقیقی منہج میں اسلامی تعلیمات کے اخذ و استخراج کے لئے قرآن کریم اور سنّت نبوی، اساسی منابع ہیں۔ لیکن یہ سنّت نبوی کے اُس طریق پر اعتماد کرتا ہے جو ائمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کا طریق ہے۔ نیز ان منابع سے اسلامی تعلیمات کے اخذ و استخراج میں "نمت" اُس روش کا علمبردار ہے جو عقلی برہان، منطقی قیاس اور اجتہادی تتبّع اور تفحّص سے عبارت ہے۔

اب تک یہ ادارہ مختلف موضوعات پر 13 کتابیں اور سہ ماہی مجلّہ "نور معرفت" کے 36 شمارے پیش کر چکا ہے۔ تاہم اسے اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لئے دانشوروں، علماء اور اہلِ قلم کے قلمی اور فکری تعاون کے ساتھ، علم دوست احباب کا مالی تعاون بھی درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کرم فرماؤں کو ادارے کے لئے بہتر سے بہتر تحقیقات اور وسائل فراہم کرنے کے توفیق عطا فرمائے! (آمین!)

ڈائریکٹر "نمت"

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	۵
۲	اسلامی فرقوں کے درمیان مکالمے کے اصول وضوابط	سکندر علی بہشتی	۹
۳	پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ کا تحقیقی مطالعہ (نہج البلاغہ کے آئینے میں)	ڈاکٹر جواد حیدر ہاشمی	۲۶
۴	شیعوں کے اوصاف (اہل بیت طہارؑ کی نگاہ میں)	سید رمیز الحسن موسوی	۶۴
۵	مفردات قرآن کو سمجھنے کے بنیادی اصول اور تفسیر میں ان کا کردار	امیر رضا اشرفی	۱۰۰
۶	کربلا کے واقعہ میں شمر بن ذی الجوشن کا کردار	ڈاکٹر عباس حیدر زیدی	۱۲۶
۷	اسوہ حسنہ اور ہماری زندگی	پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل	۱۴۰
۸	''الغدیر فی الکتاب و السنۃ و الادب''	سید رمیز الحسن موسوی	۱۶۳

اداریہ

نور معرفت کا ۳۷ واں شمارہ میلاد النبی ﷺ کے ایام میں تدوین وترتیب کے مراحل سے گذر رہا ہے اور ان دنوں پوری دنیائے اسلام میں ہر خطے کے عاشقانِ رسول اپنے نبی ﷺ سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کر رہے ہیں۔ درحقیقت ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ازل تا ابد جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وجود میں لانے سے بہت پہلے عرشِ بریں پر اپنے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا ذکر کر دیا تھا۔ جنت کے پتے پتے پر آپ ﷺ کا اسم گرامی جلوہ گر رہا۔ فرشتے اس نام سے آگاہ تھے۔ آج اگر اُمتِ مسلمہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے واقعات کو تصوّر و تخیل میں لا کر آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں محافل کا اِنعقاد کرتی ہے تو یہ اُسی نوری سلسلے کی ایک کڑی ہے جو ازل سے جاری ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی منانا اس میں ضیافت کرنا، صدقہ وخیرات کرنا، روشنیوں کا اِہتمام کرنا اور دل کھول کر خرچ کرنا، آپ ﷺ کی معرفت کا پہلا زینہ ہے اور یہ عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول اور اُس کی رضا کا باعث ہے۔ جب اُمتی حضور ﷺ کی ولادت پر خوش ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اُن سے خوش ہوگا۔

درحقیقت جشنِ میلاد النبی ﷺ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعات کی تاریخی خوشی میں مسرت و شادمانی کا اظہار ہے اور یہ ایسا مبارک عمل ہے جس سے پوری کائنات مسرور وشادمان ہوتی ہے۔ حتیٰ حضور سرورِ کائنات ﷺ خود بھی اپنے یومِ ولادت کی تعظیم فرماتے اور اِس کائنات میں اپنے ظہور وجود پر سپاس گزار ہوتے ہوئے پیر کے دن روزہ رکھتے۔ آپ ﷺ کا اپنے یوم ولادت کی تعظیم و تکریم فرماتے ہوئے تحدیثِ نعمت کا شکر بجالانا حکم خداوندی تھا کیوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ہی کے وجودِ مسعود کے تصدق و توسل سے ہر وجود کو سعادت ملی ہے۔

میلاد النبی ﷺ کی مبارک محافل مسلمانوں کو حضور نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام جیسے اہم فریضے کی رغبت دلاتی ہیں اور قلب و نظر میں ذوق و شوق کی فضاء ہموار کرتی ہیں۔ صلوۃ وسلام بذات خود شریعت میں بے پناہ برکات کا باعث ہے۔ اس لیے اُمت مسلمہ کی اکثریت کے نزدیک میلاد النبی ﷺ کا اِنعقاد مستحسن عمل ہے۔ علاوہ ازیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرتِ طیبہ کی اہمیت اُجاگر کرنے اور جذبۂ محبتِ رسول ﷺ کے فروغ کے لیے

محفلِ میلاد کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ اِسی لیے جشنِ میلاد النبی ﷺ میں فضائل، شمائل، خصائل اور معجزاتِ سید المرسلین ﷺ کا تذکرہ اور اُسوۂ حسنہ کا بیان ہوتا ہے۔

لیکن میلاد النبی ﷺ جیسے مبارک عمل کے نام پر بعض غیر سنجیدہ اعمال کے بہانے الٰہی اور دینی بصیرت سے عاری کچھ لوگ اس کے خلاف قیام کرنا اپنا شرعی فریضہ سمجھتے ہیں اور اپنی سطحی ادلہ کے ذریعے مسلمانوں میں تفرقے کے بیج بوتے ہیں۔ جس سے جہاں عشق رسول ﷺ سے لبریز عاشقان رسول کی یکجہتی متاثر ہوتی ہے، وہاں اسلام دشمن طاقتوں کو بھی مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عالمی استعمار اور صیہونی سازشیں بھی اس تفرقہ انداز طبقے کی پشت پناہی کرتی ہیں اور یہ لوگ سب کچھ واضح ہو جانے کے بعد بھی اسرائیلی و امریکی عزائم کی تکمیل کر رہے ہیں اور تکفیریت کے ہتھیار سے اُمت مسلمہ کے جسد واحد کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

مکتب اہل بیتؑ کے موٴرخین کے نزدیک ماہ ربیع الاول کی ۱۷ تاریخ کو پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت کے علاوہ آپؐ کے علوم و معارف کے وارث اور سلسلہ امامت و ولایت کے چھٹے تاجدار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا دن بھی ہے۔ جبکہ اہل سنت محققین کے نزدیک آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن ۱۲ ربیع الاول ہے۔ لہٰذا اسی مناسبت سے ۱۲ سے ۱۷ ربیع الاول تک کو اسلامی انقلاب کے رہنماؤں نے مسلمانوں کے درمیان ہفتۂ وحدت قرار دے کر رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے بہانے اُمت مسلمہ کے درمیان وحدت و یکجہتی کی بنیاد رکھی ہے۔ لہٰذا ولادت رسول ﷺ اور ہفتہ وحدت کی مناسبت سے ہر سال عالمی وحدت اسلامی کانفرنس منعقد کی جاتی ہے جس سے پورے عالم اسلام کے مسلمان علماء اور زعماء خطاب کرتے ہیں اور اُمت کو درپیش مسائل و مشکلات کا جائزہ لیتے ہیں۔

امسال بھی اس عظیم الشان کانفرنس کے اختتام پر رہبر انقلاب آیت اللہ سید علی خامنہ ای مدظلہ نے خطاب کرتے ہوئے اُمت مسلمہ کو درپیش مسائل و مشکلات کے بارے میں بہت عمدہ نکات بیان کیے ہیں اور امریکی و اسرائیلی حکمرانوں کے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ انگیز اقدامات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا ہے: ”بعض امریکی سیاستدانوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مغربی ایشیا کے خطے میں جنگیں چھیڑی جائیں اور جھڑپیں کروائی جائیں تاکہ اسرائیل محفوظ رہے اور عالم اسلام کے زخمی پیکر میں ترقی کرنے کی تاب و توان نہ رہے“۔

اُنہوں نے پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے یوم ولادت پر اُمت مسلمہ اور دنیا کے تمام حریت پسندوں کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ: ”پیغمبر اکرم ﷺ تمام بنی نوع انسان کے لئے خدا کی رحمت بن کر آئے تھے اور

آپ کی سچی پیروی تمام دنیا کی قوموں کو استعماری طاقتوں کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر ہر قسم کے طبقاتی اختلافات، ظالمانہ سرمایہ دارنہ نظام اور دیگر تمام رنج و مصیبت اور گرفتاریوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور ان کے پیروکاروں کو تاکید کی ہے کہ کامیابی صرف استقامت کے ذریعے ہی حاصل کی جاسکتی ہے اور اگر آج بھی پیغمبر اکرم ﷺ کی راہ پر استقامت کا مظاہرہ کیا جائے تو دنیا کی ظالم طاقتوں کی بڑی سے بڑی سازش کو ناکام بنایا جاسکتا ہے۔ " آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے مزید کہا کہ "تکفیری گروہوں کے قیام کا اصل مقصد شیعہ سنی جنگ کرانا ہے، لیکن دشمن کا یہ مقصد کبھی پورا نہیں ہوگا۔ کیونکہ خدا نے ہمارے دشمنوں کو احمق پیدا کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دشمنان اسلام کا مقصد، یعنی مذہبی جنگ کرانا، پورا نہیں ہوا اور آئندہ بھی پورا نہیں ہوگا۔" رہبر انقلاب اسلامی نے اسلام دشمنوں کی جانب سے بیت المقدس کو صیہونی حکومت کا دارالحکومت بنانے کے دعوے کو ان کی کمزوری اور ناتوانی کا نتیجہ قرار دیا اور کہا کہ "بلاشبہ عالم اسلام اس سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا، صیہونیوں کو اس کام کی بھاری قیمت چکانا پڑے گی اور اس میں شک نہیں کہ پیارا فلسطین آخر کار آزاد ہو کے رہے گا۔

آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے اُمت مسلمہ کے اتحاد اور صیہونیت اور دیگر اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلے میں استقامت کو، دنیائے اسلام کی مشکلات کا علاج اور طاقت و عزت و سربلندی تک رسائی کا راستہ قرار دیتے ہوئے مزید کہا: "فلسطین کا مسئلہ اُمت مسلمہ کے سیاسی مسائل میں سر فہرست ہے اور فلسطینی عوام کی آزادی اور نجات کے لیے کوشش اور مجاہدت کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔" عالمی وحدت کانفرنس اور اس میں علمائے اسلام کی موجودگی درحقیقت امریکی صدر کی اسرائیلی دارالحکومت کی تبدیلی کے بارے میں دیئے گئے بیان کا محکم جواب ہے۔ اس کانفرنس کا سب سے بڑا پیغام یہی ہے کہ مسلمان ایک حقیقی قیادت کے سائے میں اتحاد و یکجہتی کے ہتھیار سے دشمن کی ہر چال کو ناکام بنا سکتے ہیں۔

حالیہ مہینوں کی ایک اور بڑی خبر سوریہ و عراق میں اسلامی انقلاب اور شیعی مرجعیت کی قیادت میں داعش جیسی وحشی قوت کے خلاف مجاہدین اسلام کی کامیابی اور داعش کی شکست کے بعد ہونے والے انکشافات ہیں کہ جو عالمی کفر کے مقابلے میں اسلام ناب محمدیؐ کی فتح الفتوح کہلانے کی حقدار ہے۔ لیکن افسوس کہ پاکستانی میڈیا نے اُمت مسلمہ کی اس عظیم فتح کو کوئی اہمیت نہیں دی اور نہ اس فتح کے عظیم الشان نتائج سے پاکستانی عوام کو آگاہ کیا ہے۔ البتہ سوریہ و عراق میں تکفیریت کی تاریخی شکست کے بعد اس سامراجی گروہ کا رُخ افغانستان اور پاکستان کی جانب موڑ دیا گیا ہے اور امریکی سامراج اب اس خطے میں نئی سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ اس لئے ہماری سیاسی اور

عسکری قیادت کے علاوہ علمی و فکری حلقوں کو بھی اس نئے طوفان کا مقابلہ کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ یہاں سیاسی اور عسکری قیادت نے جو کردار ادا کرنا ہے وہ اپنی جگہ پر واضح ہے، لیکن یہاں معاشرے کے علمائے کرام اور دانشوروں کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ پاکستان کے اسلامی معاشرے کو مثبت جہت دیں اور اسے حقیقی خطرات سے آگاہ کریں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کام دشمن شناسی ہے جو مسلکی، مذہبی اور لسانی وعلاقائی تعصّبات سے بلند ہو کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں دانشور اور اہل قلم حضرات کو اپنا اصلی فریضہ ادا کرنا چاہیے اور قلم وبیان کا درست استعمال کرکے معاشرے کو زمینی حقائق سے آگاہ کرنا چاہیے لیکن یہ کام وہی لوگ کرسکتے ہیں جو دین اسلام پر ایمان راسخ رکھتے ہیں اور اسلام کی سیاسی و عسکری اہمیت کے قائل ہیں۔ اس لئے موجودہ حالات میں مسلمان اہل قلم کی بہت ہی سنگین ذمہ داری بنتی ہے۔

نور معرفت کا یہ شمارہ بھی اسی سنگین ذمہ داری کے ساتھ چند فکر انگیز مضامین لے کر آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس شمارے میں بھی بعض محقق اہل علم کی وقیع نگارشات شامل کی گئی ہیں جو اپنے قارئین کے لئے سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں باہمی یکجہتی کا پیغام دے رہی ہیں۔ ان مقالات میں ''اسلامی فرقوں کے درمیان مکالمے کے اصول وضوابط'' کے عنوان سے اسلامی معاشرے کو باہمی گفتگو کے آداب سے آشنا کرایا گیا ہے۔ سیرت کے باب میں نہج البلاغہ جیسی اہم کتاب کی روشنی میں ''پیغمبر اکرمؐ کی سیرت طیبہ کا تحقیقی مطالعہ'' کے علاوہ ''اُسوہ حسنہ اور ہماری زندگی'' کے عنوان سے دو علمی مقالات پیش کئے گئے ہیں۔ اسی طرح اسلامی فرقوں کے باہمی تعارف کے طور پر اہل بیت اطہارؑ کی نگاہ میں اپنے پیروکاروں کی حقیقی پہچان کرانے کے لئے ''شیعوں کے اوصاف'' کے عنوان سے ایک تحریر دی گئی ہے۔ تفسیر قرآن کے باب میں ''مفردات قرآن کو سمجھنے کے بنیادی اصول'' کی علمی رہنمائی پر مبنی ایک دقیق مضمون بھی اس شمارے کی زینت بنا ہے۔ واقعہ کربلا کے منفی کرداروں کی شناخت کے لئے '' شمر بن ذی الجوشن'' کے بارے میں ایک معلوماتی تحریر اور پھر ''اسلام میں صلح کی اہمیت'' کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے فرامین کی روشنی میں ایک مقالہ بھی اس شمارے میں شامل ہے۔

نور معرفت کی ٹیم کی یہ علمی کاوش اُردو زبان طبقے میں دینی شعور اُجاگر کرنے میں اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئی ہے اس کا فیصلہ قارئین ہی کرسکتے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہم اپنے قارئین سے اُمید رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی قیمتی آراء سے ضروری آگاہ کریں گے۔

*****

اسلامی فرقوں کے درمیان مکالمے کے اصول وضوابط

سکندر علی بہشتی*
behashti22@gmail.com

کلیدی کلمات: مذاہب اسلامی، قرآن وسنت، اخوت وبھائی چارگی، اتحادامت، اصول مکالمہ

خلاصہ

اسلام ایک جامع و کامل دین ہونے کی حیثیت سے تمام انسانی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ ان انسانی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ انسانی معاشرت کے اصول و ضوابط کا تعین کرنا ہے۔ اسلام اس سلسلے میں بنیادی ترین اصول انسانوں کے درمیان گفت و شنید اور بات چیت کو سمجھتا ہے۔ البتہ بات چیت کے لئے اتفاق و اختلاف دونوں صورتوں میں چند اصول و ضوابط موجود ہیں۔ ان اصولوں کو مندرجہ ذیل عناوین سے تعبیر کیا گیا ہے: بھائی چارگی کا تصور، دوسرے مسالک کے بارے میں حسن ظن، مشترکہ مسائل پر توجہ، نظریاتی اختلافات پر وسعت قلبی، دوسروں کے عقائد اور نظریات کا احترام، اہل بیتؑ، صحابہ کرام اور بزرگان دین کے طرز معاشرت سے آگاہی۔ ہماری تحقیق کے مطابق معاشرے میں مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کی ایک بنیادی وجہ ایک دوسرے کے مسالک کو ان کے بنیادی منابع سے نہ سمجھنا ہے۔ لہٰذا مسلم معاشرے کے درمیان مذہبی عصبیت کی ایک بڑی وجہ مذہبی جہالت ہے۔ مقالہ ہذا میں ان مسائل اور ان کے حل کے اصولوں پر عرق ریزی سے تحقیق کی گئی ہے، جس کے مطابق اسلامی مسالک اور فرقوں کے نظریات کو ان کے معتبر مصادر سے سمجھنا، مشترکہ اسلامی عقائد ونظریات اور فقہی مسائل پر مشتمل کتابوں کی اشاعت، دینی علماء و طلباء کے درمیان سماجی و دینی تعلقات کو استوار کرنا، مدارس اور یونیورسٹیوں میں مشترکہ تعلیمی سرگرمیوں کا انعقاد، مشترکہ مسائل پر عالمگیر سوچ و فکر کے ساتھ مجلات و جرنلز کا اجراء اور مشترک و متفرق اسلامی مقدسات کی تعظیم کرنے سے ایک بامقصد مکالمہ اور گفتگو کا آغاز ممکن ہے۔

*۔ریسرچ اسکالر شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیرپور

مقدمہ

عالم اسلام اس وقت مختلف مشکلات اور مسائل کا شکار ہے۔ان مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ مسلمانوں کا آپس میں اتحاد اور بھائی چارگی کا ہے۔اس مسئلے کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ہی دنیا کے گوشہ وکنار میں اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کا درد رکھنے والے دانشور اور علماء ہمیشہ سے اپنی تئیں کوششیں کرتے آئے ہیں اورمشکلات کےراہ حل پیش کرتے رہے ہیں انہی افراد نے بعض ایسے مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپس میں گفت و شنید اور بھائی چارگی کی راہ میں رکاوٹ ہیں اور ان رکاوٹوں کو دور کئے بغیر اخوت وبرادری کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوششوں کے ساتھ چند اصولوں کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے باہمی گفت و شنید کے لیے قدم اٹھانا چاہئے تاکہ اتحاد کی راہ میں اٹھانے والے اقدامات موثر اور مفید ثابت ہوسکیں۔

اس مقالے میں ہم مسلمانوں میں ہم آہنگی کے لیے بعض ایسے اصول اور ضوابط کو پیش کریں گے جن کی رعایت سے اتحاد امت کا خواب حقیقت میں بدل سکتا ہے اور یہ اصول وقواعد اس اہم مقصد اور ہدف کے لیے وسیلہ اور مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتحاد امت کے حوالے سے بہت سے اصولوں کو بیان کیا گیا ہےاس سلسلے میں کافی کام ہوچکا ہے اس کے باوجود اتحاد امت کی واضح عملی شکل سامنے نہیں آئی ہے شاید اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ یہ اصول و ضوابط کا عارضی اور ناپائیدار ہونا ہے۔ اسی مشکل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے مقالہ ہذا میں اتحاد امت کے لئے عارضی اورثانوی اصولوں کے بجائےبنیادی اوراساسی اصول و ضوابط کا تعین کیا ہے۔

جب ہم صدر اسلام کا مشاہدہ کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ مسلمان قرآن اور رسول خداﷺ کی تعلیمات کے سامنے سرتسلیم خم ہوتے تھے اور آپس میں اس طرح پیار ومحبت سے زندگی بسر کرتے کہ" رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ(1) "کاعملی نمونہ نظر آتے اور اخوت وبھائی چارگی کا تصور ان میں مستحکم تھا جس کو رسول خداﷺ نے خود ہی عقد مواخات کے ذریعے مزید مضبوط کیا۔ لیکن آپﷺ کی رحلت کے بعد مسلمانوں میں فکری،سیاسی، نظریاتی اور فقہی اختلافات پیدا ہوئے

لیکن اس وقت کے مسلمانوں نے ان اختلافات کو ایک دوسرے کی تکفیر و تنفیر کا ذریعہ نہیں بنایا یہی وجہ ہے کہ امت اور عام مسلمان اپنے معاشرتی اور اجتماعی ارتباطات اور تعلقات میں امت واحدہ کا تصور پیش کرتے رہے اور اسلام کی حفاظت کے لئے سب نے مل کر دفاع کیا۔ رہبران دین، مسلمانوں کو آپس میں اختلاف سے بچنے اور مختلف قسم کے اختلافات میں سعۂ صدر اور برداشت کی تاکید کرتے تھے۔ تاکہ مسلمان چھوٹے اور فرعی مسائل میں الجھنے کی بجائے اسلام کے بنیادی مسائل پر توجہ دیں اور اسلام دشمن عناصر کے خلاف اپنی توانائیاں خرچ کریں جو اصل اسلام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وألْزمُوا السَوادَ الأعْظَم فإنّ يَد اللّهِ مَعَ الجماعة وإيّاكُم والفُرْقَة فإنّ الشاذّ من الناس للشّيطان كما أنّ الشاذّ من الغنم للذّئب۔

لہٰذا تم بھی اسی راستہ کو اختیار کرو اور اسی نظریہ کی جماعت کے ساتھ ہوجاؤ کہ اللہ کا ہاتھ اسی جماعت کے ساتھ ہے اور خبردار ! تفرقہ کی کوشش نہ کرنا کہ جو ایمانی جماعت سے کٹ جاتا ہے وہ اسی طرح شیطان کا شکار ہوجاتا ہے جس طرح گلہ سے الگ رہنے والی بھیڑ، بھیڑیے کی نذر ہوجاتی ہے(2)

جب سے مسلمانوں میں ان اختلافات کو مختلف علل واسباب کی بنا پر ابھارا گیا ، ان اختلافی مسائل کو علماء کے درمیان علمی اختلاف کی بجائے عوامی جذبات کو ابھارنے اور ایک دوسرے کے مقدسات کی توہین اور منفی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا گیا ، یہاں تک کہ بعض روایات اور تاریخی اختلاف کو بنیاد بنا کر بعض مسالک اور مکاتب اسلام کے ماننے والوں کو کافر،منافق اور بدعتی قرار دیا گیا،بعض ناعاقبت اندیش لکھاریوں نے صرف اپنے نظریات کو حق ثابت کرنے کے لئے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے دشمنی کی آگ اسلامی معاشرے میں بڑھکائی جس کے نتیجہ میں تکفیر و تنفیر کے رجحانات اسلامی معاشرے میں پھیل گئے۔ان تکفیر و تنفیر کے رجحانات کی وجہ سے جہاں اسلام کے آفاقیت کو نقصان پہنچا وہیں پر خود امت مسلمہ کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا گیا۔اس گھمبیر صورت حال میں اسلام اور مسلمانوں کے مخلص علماء و

محققین کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ کسی طرح اس آگ کو بجھادیاجائے جس سے امت مسلمہ دوچار ہے۔ لیکن یہ کام صرف جذباتی تقریروں،نعروں اورزبانی خرچ سے ممکن نہیں بلکہ اس کے لئے ہمیں ایک بار پھر اسلام کے رہنما اصولوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا اوررسول اللہ کی سیرت طیبہ کو نمونہ قرار دیتے ہوئے اور ائمہ مذاہب کی روش سےآشنائی حاصل کرنا ہوگی لہٰذا ان اصولوں کی پہچان اور عملی زندگی میں ان کی رعایت اور ان کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو کر ہی مسلمان ایک پر امن زندگی گزار سکتے ہیں۔

گفتگو کی اہمیت

مسلمانوں کے درمیان مثبت ارتباط کے اصول اور آپس میں مسالمت اور رواداری کی ضرورت کا احساس ہر دور کے علما،فقہا اور مصلحین نے کیا ہے۔ قرآن مجید نے گفت وشنید کے اصول بیان کئے ہیں۔ خدانے اپنے دشمنوں کے ساتھ یہاں تک کہ شیطان کے ساتھ گفت و شنید کو بیان کیا۔ ہمیں گفت وشنید کے اصول کو قرآن مجید کے اس طرز گفت و شنید سے اخذ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر قرآنی اصول گفت و شنید کو درک نہ کیا گیا اور مسلمانوں نے آپس میں یکجا ہوکر گفت وشنید سے مسائل کو حل نہ کیا تو یقینا امت مسلمہ کے درمیان تفرقہ و انتشار کو کم نہیں کیا جاسکے گا ۔ امت مسلمہ کوتفرقہ، اور انتشار سے نکالنے اور اس کو سر بلندی تک لے جانے کا بہترین وسیلہ گفت وشنید ہے۔

مکالمہ کے اصول

مختلف مسائل میں گفت و شنید اور مکالمہ کرنا ایک فطری عمل ہے جو ہمیں قرآن وسنت اور ائمہ مذاہب کی زندگی میں نظرآتا ہے۔مسلمانوں کے مسالک میں اختلاف آج کامسئلہ نہیں بلکہ یہ بھی دوسرے اختلافی مسائل کی مانند ایک طبیعی عمل ہے جو ابتدائے اسلام سے چلا آرہا ہے۔ اصحاب رسول،تابعین اور ائمہ مذاہب کے درمیان فکری،عقیدتی،فقہی اور یہاں تک کہ سیاسی مسائل میں اختلاف موجود تھے ان مسائل میں آپس میں مناظرے، بحث یہاں تک کہ تنقید بھی ہوتی تھی اس کے باوجود یہ اختلافات ان کےآپس میں معاشرت اور برادری میں رکاوٹ نہیں تھے۔

بلکہ آپس میں مل کر بیٹھتے تھے اورروا داری اور محبت کا ماحول تھا۔ ان اختلافات کو علمی و فکر اختلافات تک محدود رکھا گیا، اس کو عملی زندگی میں آپس میں عناد و دشمنی اور نفرت کا باعث بننا نہیں دیا گیا یہی وجہ ہے کہ علماء و فقاء اور ماہرین کلام میں اختلافات کے باوجود ان کے درمیان معاشرت، اجتماع امت اور اتحاد و اتفاق جیسے موضوعات زندہ اور کامیاب رہے۔ اگر آج بھی ایک مثبت اور مفید گفت و شنید کا آغاز مسلمان فرقوں کے علماء، دانشوروں اور محققین کے درمیان کریں تو ایک مرتبہ پھر اختلاف علمی کے باوجود معاشرتی اور سماجی زندگی میں امت مسلمہ کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا ہوسکتا ہے۔ البتہ اس گفت و شنید کے لئے چند نکات اور اصولوں پر توجہضروری ہے۔ ہمارے نزدیک وہ اصول و ضوابط مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔اخوت وبھائی چارگی

مسلمانوں کے درمیان اخوت کا رشتہ صرف ظاہری ہی نہیں جو زبان کی حد تک محدود رہ جائے بلکہ اس اصل کی قبولیت پر تمام احکام، حقوق اور فرائض منحصر ہیں۔ اگر اخوت اور برادری کی فکر مسلمانوں میں زندہ ہو اور سب ایک دوسرے کو دینی بھائی سمجھیں تو اس کے نتیجے میں وہ اپنے دینی بھائیوں کے اخلاقی اور حقوقی ذمہ داریوں کو بھی اپنانے کے لئے آمادہ ہوجائیں گے اگر ایسا ہوا تو ایک اسلام کا پسندیدہ دینی معاشرہ وجود میں آجائے گا۔ قرآن اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

ترجمہ:"مومنین تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا تم لوگ اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(3)"

اس آیت کی تفسیر میں رسول اکرمؐ نے فرمایا:

مَثَلُ المومنين فی تَوَادِّهم وتراحُمهم وتعاطُفهم: مثلُ الجسد، إذا اشتكى منه عضو: تَدَاعَى له سائرُ الجسد بالسَّهَرِ والحُمّى الْمُسْلِمُونَ إِخْوَةٌ تَتَكَافَى دِمَاؤُهُمْ ۔ یعنی: "مومنین ایک دوسرے کے ساتھ محبت، رحم اور الفت میں ایک جسم کی مانند ہے اگر ایک عضو کو درد ہوجائے تو اس

کا پورا بدن درد کی وجہ سے بیدار رہتا ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان کے خون میں برابر ہیں۔"(4)

آج تک عالم اسلام میں اصل بھائی چارگی کو زندہ کرنے کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہوئی اور جو بھی کوششیں وحدت کے لیے ہوئی ہیں وہ بھی اس مقصد کے لئے کہ وحدت بیرونی دشمن کے مقابلے میں ایک سیاسی حربہ ہے نہ کہ ایک اعلیٰ ہدف۔ یہاں تک کہ بعض کی نظر میں اتحاد بھی ایک طرح کی "دشمنی کے ساتھ تعاون "ہے یعنی بڑے اہداف تک رسائی کے لئےوقتی طور پر چھوٹی دشمنیوں سے چشم پوشی کرنا، اگر اعلیٰ ہدف حاصل ہونے کے بعد مرحلہ چھوٹے اختلافات کا ہے! جبکہ دنیائے اسلام کے ئے ایک بھی بیرونی دشمن نہ بھی ہو تو بھی مسلمانوں کو بھائی بھائی بن کے رہنا چاہیے اوراس بھائی چارگی کوزندہ کرنے کے لیے کوشش کرنا چاہیے کیونکہ اخوت فقط بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں ہی نہیں بلکہ ذاتی طور پر بھی مطلوب ہے اور ہر مسلمان اس کا ذمہ دارہے۔ بہت سے تجربات نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ بعض اوقات بیرونی دشمن ہمارے ساتھ وہ سلوک نہیں کرتے جو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ کرتا ہے۔اس کے علاوہ جب تک بھائی چارگی کی روح مسلمانوں میں زندہ نہ ہو جائے ان میں اتحاد بھی ممکن نہیں۔(5)

مسلمانوں میں بھائی چارگی کی روح کو بیدار اور آپس میں امت واحدہ کے تصور کو اجاگر کرنے کے بعد ہی ایک ایسا مستحکم اور قوی اسلامی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جس کی بنیادیں اسلام کی تعلیمات پر استوار ہوں گی۔لہٰذا سب سے پہلے روح اخوت کو زندہ کرنے اور پھر آپس میں گفت و شنید کی ضرورت ہے، کیونکہ اس نظریے کے ساتھ جو گفت و شنید ہوگی وہ مفید ہوگی۔

۲۔ دوسرے مسالک کے بارے میں حسن ظن

ایک اور اصل جس کی طرف مکالمہ سے پہلے توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ ہے مسلمان مسالک کا ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن۔ صرف اپنے آپ کو حق اور اپنی سوچ کو مثبت سمجھنا اور دوسروں کے بارے میں منفی سوچ رکھنا ہی مکالمہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔جب تک مسلم مسالک ایک دوسرے کے بارے میں مثبت سوچ اور فکر کے حامل نہیں ہوں گے اس وقت

تک گفت و شنید کا کوئی عملی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانی کے نتیجے میں بد اعتمادی اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے بر عکس حسن ظن کی صورت میں محبت اور اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے ۔ جس سے نتیجے میں گفت و شنید کے لئے ایک بامقصد اور خوشگوار ماحول مہیا ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نےانسان کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حسن ظن اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اثم۔

ترجمہ: "اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بعض بدگمانیاں یقیناً گناہ ہیں۔(6)"

۳۔ مشترکات پر توجہ

مسلمان کے تقریبا نوے فی صد بنیادی اصول وفروع مشترک ہیں جن کی وجہ سے ان کو امت واحدہ کہا گیا ہے اور یہی مشترک اصول ہی اسلامی تہذیب اور تمدن کی تشکیل کے بنیادی عناصر ہیں اور اسلام کے آفاقی سوچ کے حامل شخصیات نے ان اصولوں کو معاشرے میں اجرا کرنے کی کوششیں کی ہیں اگر علماء اسلام ان دس فی صد اختلافی مسائل سے پہلے نوے فی صد مشترکہ نکات کی طرف توجہ دیں اور معاشرے میں ان مشترکہ تعلیمات کو فروغ دینے کے لیے جدوجہد کریں اور اپنے مسلک اور مکتب کے لوگوں میں ان چیزوں کی اہمیت کو اجاگر کریں تو مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق وجود میں آسکتا ہے۔ اسی پس منظر میں قرآن کریم نے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ بازی سے منع فرمایا ہے اور آپس میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ (7)

ترجمہ: "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو، اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔"

مسلمانوں میں بہت سے فکری، عقیدتی، سیاسی اور اجتماعی مسائل مشترکہ ہیں جن کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ مسلمانوں کے حقیقی مسائل کا حل بھی انہیں مشترک اسلامی تعلیمات میں موجود ہے لیکن ان کو چھوڑ کر امت کو ایسے لا حاصل کاموں میں مصروف رکھا گیا ہے جس سے امت کا عظیم سرمایہ ضائع ہورہا ہے۔ اور اُمت اپنے تعمیری اور مثبت اہداف سے دور ہوتی گئی ہے۔

۴۔ اختلاف کو قدرتی امر سمجھنا

مسلمان ایک ہی امت ہیں اور سب اکثر بنیادی اصول وفروع میں متحد ہیں۔ اختلافات کا سلسلہ اسلام کی تکمیل کے اعلان کے بعد آہستہ آہستہ مختلف علل و اسباب کی وجہ سے وجود میں آیا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے بعد، اصحاب رسول، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مذاہب کے درمیان فکری، عقیدتی، فقہی، کلامی مسائل میں اختلاف مسلمانوں کی تاریخ کی ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ اور یہ اختلاف اسلام کو سمجھنے اور ان کے حصول کے طریقہ کار اور مصادر کے تعدد اور دیگر سیاسی اسباب کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے اور تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہی مختلف مکاتب نے اس کی تشریح کردی ہے اور باقاعدہ ان کے اصول ضوابط وضع کیے گئے ہیں۔ لیکن دینی فہم میں اختلاف کبھی بھی آپس میں مکالمہ نہ کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنا، بلکہ وہ اپنے نظریاتی اختلافات کو نہات ہی دوستانہ ماحول میں گفت و شنید کرتے ہوئے ایک دوسرے کے نظریات کو رد کرتے تھے اور یہ سیرت قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی سے ماخوذ تھی۔ قرآن نے سابقہ انبیا کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مخالفین انبیا کی باتوں اور انبیا کے جوابات کو ذکر کیا ہے بلکہ مخالفین کے کفر آمیز کلمات، مناظروں اور مجادلات کو ذکر کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی ہمیں دشمنان دین کے ساتھ مکالمے میں ناکامی کے بعد اور آخری مرحلہ میں ہی جنگ وقتال نظر آتی ہے۔ اسی طرح اصحاب رسول کے باہمی اختلاف کے باوجود جب کسی شرعی اور دینی مسئلہ میں مشکل پیش آتی یا اسلام کو کوئی خطرہ محسوس ہوتا تو وہ ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۵۔وحدت کی روش

مسلمانوں میں دوریاں پیدا ہونے کی ایک اہم وجہ صدر اسلام کی اہم شخصیات کی روش اور ان کے طرز معاشرت سے آگاہ نہ ہونا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان ہستیوں کے طرز عمل اور زندگی سے آشنائی حاصل کریں۔کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان اکابرین کے درمیان فکر ی و نظریاتی اختلافات کے باوجود بغض و عناد نظر نہیں آتا ہے۔ یہاں تک کہ اسلام میں کلامی فرقوں کے وجود میں آنے کے بعد بھی ان فرقوں کے اکابرین اور ائمہ کے درمیان تضاد اور بغض و عناد نہیں تھا اور نہ ہی یہ لوگ ایک دوسرے کی مذہبی تکفیر کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ائمہ مذاہب کے آپس میں ایک دوسرے سے تعلقات اور احترام کے بہت سی انمول مثالیں ملتی ہیں۔ امام صادق علیہ السلام کے امام ابو حنیفہ اور دیگر مختلف مذاہب کے علما کے ساتھ علمی مناظرے اور بحث جس میں توحید، نبوت اور اسلامی فلسفہ احکام کے بارے میں گفت و شنید ہوتی تھی یہ سب محققین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

منصو ر دوانقی نے حضرت ابوحنیفہ کو آمادہ کیا کہ وہ حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام سے بحث ومباحثہ کریں تاکہ حضرت ابوحنیفہ کی کامیابی کی صورت میں حضرت امام جعفرصادق علیہ السلام کی تحقیرہو۔ جس کو مورخین نے یوں نقل کیا ہے۔

"منصور نے مجھ سے کہا کہ لوگ جعفر بن محمد کی طرف حیرت انگیز حد تک متوجہ ہیں اور لوگوں کا سیلاب ان کی طرف بہا چلاجارہا ہے۔تم پہلے چند مشکل مسئلے تیار کرکے ان کا حل جعفر بن محمد سے دریافت کرو۔جب وہ تمہارے پیش کئے ہوئے مسائل کے جواب نہیں دے سکیں گے،تو لوگوں کی نظروں میں گر جائیں گے۔لہٰذا میں نے چالیس بہت پیچیدہ اور مشکل مسئلے تیار کئے۔اس کے بعد حیرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اورحضرت ابوحنیفہ کی منصور کی موجودگی میں ملاقات ہوئی۔منصور کے دربار میں اپنے داخلے کے بارے میں خودحضرت ابوحنیفہ کہتے ہیں: جب میں دربار میں داخل ہوا، تو میں نے حضرت جعفر بن محمد باقر علیہ السلام کو دیکھا جن کی شخصیت کی ہیبت وعظمت حتیٰ خود

منصور پر بھی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کیا اس کے بعد منصور نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: اپنے سولات ابوعبداللہ کے سامنے پیش کرو۔ میں جو مسائل لایا تھا یکے بعد دیگرے انہیں آپ سے پوچھنے لگا۔ آپ ان کے جواب میں فرماتے تھے: اس مسئلے میں تمہارا عقیدہ یہ ہے اور اہل مدینہ اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں اور ہماری رائے یہ ہے۔ آپ کی رائے بعض مسائل میں ہمارے نقطہ نظر سے، بعض میں اہل مدینہ کے عقیدے اور بعض میں ہم دونوں سے مختلف ہوا کرتی تھی۔ اس طرح میں نے آپ کی خدمت میں چالیس مسئلے پیش کئے اور آپؑ نے ان کا جواب دیا۔ مناظرے کے اختتام کے بعد بے اختیار حضرت ابوحنیفہ نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے آخری کلمات یوں ادا کیے: ان اعلم الناس، اعلمهم باختلاف الناس۔ عالم ترین انسان وہ ہے جو مسائل میں لوگوں کے اختلاف رائے سے بھی واقف ہو۔"(8)

امام مالک نے امام صادق علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے کہ:

ما رات عین ولا سمعت اذن ولا خطر علی قلب بشر افضل من جعفر ابن محمد الصادق فضلا وعلما وعبادۃ وورعا.

یعنی: "علم، عبادت اور پرہیزگاری میں جعفر ابن محمدؑ سے بہتر نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اُن جیسی ہستی کا خیال آیا ہے۔"(9)

اسی طرح ایک اور جگہ امام مالک نے حضرت جعفر بن محمدؑ کے بارے میں فرمایا ہے:

كُنْتُ أَدْخُلُ عَلَى الصَّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ ع فَيُقَدِّمُ لِي مِخَدَّةً وَ يَعْرِفُ لِي قَدْراً وَ يَقُولُ يَا مَالِكُ إِنِّي أُحِبُّكَ فَكُنْتُ أُسَرُّ بِذَلِكَ وَ أَحْمَدُ اللهَ عَلَيْهِ وَ كَانَ ع لَا يَخْلُو مِنْ إِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ إِمَّا صَائِماً وَ إِمَّا قَائِماً وَ إِمَّا ذَاكِراً وَ كَانَ مِنْ عُظَمَاءِ الْعُبَّادِ وَ أَكَابِرِ الزُّهَّادِ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ كَانَ كَثِيرَ الْحَدِيثِ طَيِّبَ الْمُجَالَسَةِ كَثِيرَ الْفَوَائِدِ۔

یعنی: "میں کچھ عرصے تک جعفر بن محمد کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ اہل مزاح تھے اور ہر وقت آپ کے لبوں پر ایک ہلکی مسکراہٹ ہوا کرتی تھی۔ جب ان کے سامنے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوتا تھا تو آپ کا رنگ متغیر اور پھر زردی مائل ہوجاتا تھا۔جس زمانے میں میری آپ کے یہاں آمدورفت تھی، میں نے کبھی آپ کو ان تین حالتوں کے سوا نہیں دیکھا یا تو آپ نماز کی حالت میں ہوتے تھے یاروزے کے عالم میں، یاتلاوت قرآن میں مشغول۔ آپ کبھی بھی بغیر وضو کے رسول اللہ سے حدیث روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ کوئی فضول بات نہیں کرتے تھے،آپ ان زاہد علما میں سے تھے جن کے پورے وجود پر خوف خدا چھا یا ہوا ہو۔ میں جب کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا،آپ اپنی مسند نکال کر میرے نیچے رکھ دیا کرتے۔"(10)

روایت ہے کہ عراق کے محدث جلیل اور کوفہ کے واعظ شرین گفتار سفیان ثوری ایک مرتبہ حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام صادق علیہ السلام خاموش بیٹھے رہے، کوئی بات نہیں کی۔ثوری نے کہا "میں اس وقت تک نہیں ہٹوں گا جب تک آپ مجھ سے کلام نہ فرمائیں "یہ سن کر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اے سفیان کثرت قیل وقال اچھی بات نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر تمہیں کوئی نعمت دیں تو اس کے دوام وبقا کو محبوب رکھو۔اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر وسپاس بجا لاو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے۔لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ اگر تم شکر گزار رہو گے تو میں تم پر انعامات زیادہ کروں گا۔ اگر تم سے کوئی لغزش ہوجائے تو زیادہ استغفار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے :فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا۔ اے سفیان اگر تمہارا سلطان یاحکومت وقت سے پالا پڑ جائے تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھا کرو کہ کشادگی کی کنجی اور جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔سفیان نے دل میں نقش ہوجانے والے یہ الفاظ سنے،ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔(11)

یہاں اس بات کی طرف توجہ رکھنا چاہئے کہ ان شخصیات کے آپس میں عقیدتی، فقہی اختلافات تھے اور سیاسی روش بھی جدا تھی لیکن اس کے ہمیں ان باوجود آپس میں مختلف مسائل پر گفتگو اور ایک دوسرے سے مل بیٹھنا اور باہمی احترام نظر آتا ہے اور یہی وہ طریقہ کار ہے جو آج کے

علماء کے لیے نمونہ عمل ہے کہ دوستانہ ماحول میں ایک دوسرے سے علمی گفت و شنید کریں اور ایک دوسرے کے علمی ذخائر سے استفادہ کریں۔

٦۔دوسروں کے عقائد و نظریات کا احترام

ایک بامقصد مکالمے کے آغاز کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے نظریات کا احترام کیا جائے۔ کچھ شخصیات اور مسائل ہر مکتب فکر کے لئے نہایت ہی مقدس ہوتے ہیں، اگر اس مقدس نظریے کی ابتدا سے ہی بے احترامی کی جائے تو مکالمے کا عمل آگے نہیں بڑے گا۔اسی پس منظر میں قرآن نے دعوت اور گفت و شنید میں بالترتیب تین مراحل کو بیان کیا ہے:

"ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔(12)

ترجمہ: "اے رسول (حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف دعوت دیں اور ان سے بہتر انداز میں بحث کریں،یقینا آپ کا رب بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیاہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔"

اس آیت میں باہمی گفت وشنید کے بعض اصول و ضوابط کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ **اول** یہ ہے کہ مسلمانوں کی دعوت کامقصد فی سبیل اللہ ہو۔ **دوم**: گفت و شنید میں مخاطب کی فکری اور ذہنی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھا جائے۔**سوم**:گفت و شنید میں منطقی طریقہ کار کو اپنایا جائے۔ **چہارم**: یہ طریقہ حکمت، موعظہ حسنہ اور مجادلہ احسن کے مطابق ہو۔ یعنی کسی سے مجادلہ ہو تو اس میں بہترین روش کی پیروی کی جائے۔مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسروں کے بارے میں غلط بیانی اور بدزبانی آپس کی دشمنی کا ذریعہ ہے اسی لیے قرآن نے اس غلط عمل سے سختی سے منع کیا ہے:

لَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ(13)

ترجمہ: "گالی مت دو ان کو جن کو یہ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں مبادا وہ عداوت اور نادانی میں اللہ کو برا کہنے لگیں، اس طرح ہم نے ہر قوم کے لیے ان کے اپنے کردار کو دیدہ زیب بنایا ہے پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پس وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ نے اپنے دور خلافت میں اپنے نظریاتی مخالفین کے ساتھ اختلافات کے باوجود اپنے ماننے والوں کو اپنے مخالفین کے بارے میں بدزبانی کرنے سے واضح الفاظ میں منع فرمایا ہے۔

"اِنِّیۡ أَکۡرَہُ لَکُمۡ أَنۡ تَکُونُوا سَبَّابِینَ وَ لَکِنَّکُمۡ لَوۡ وَصَفۡتُمۡ أَعۡمَالَهُمۡ وَ ذَکَرۡتُمۡ حَالَهُمۡ کَانَ أَصۡوَبَ فِی الۡقَوۡلِ وَ أَبۡلَغَ فِی الۡعُذۡرِ وَ قُلۡتُمۡ مَکَانَ سَبِّکُمۡ إِیَّاهُمُ اللَّهُمَّ احۡقِنۡ دِمَاءَنَا وَ دِمَاءَهُمۡ وَ أَصۡلِحۡ ذَاتَ بَیۡنِنَا وَ بَیۡنِهِمۡ وَ اهۡدِهِمۡ مِنۡ ضَلَالَتِهِمۡ حَتَّی یَعۡرِفَ الۡحَقَّ مَنۡ جَهِلَهُ وَ یَرۡعَوِیَ عَنِ الۡغَیِّ وَ الۡعُدۡوَانِ مَنۡ لَهِجَ بِهِ۔

یعنی: "میں تمہارے لیے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم گالیاں دینے والے ہوجاؤ۔ بہترین بات یہ ہے کہ تم ان کے اعمال اور حالات کا تذکرہ کرو تاکہ بات بھی صحیح رہے اور حجت بھی تمام ہوجائے اور پھر گالیاں دینے کے بجائے یہ دعا کرو کہ خدایا! ہم سب کے خون کو محفوظ کر دے اور ہمارے معاملات کی اصلاح کردے اور انہیں گمراہی سے ہدایت کے راستہ پر لگا دے تاکہ ناواقف لوگ حق سے باخبر ہوجائیں اور حرف باطل کہنے والے اپنی گمراہی اور سرکشی سے باز آجائیں۔"(14)

۷۔اسلامی معاشرے کی تشکیل

البتہ اتحاد کے سلسلے میں ہونےوالی کوششوں کے کامیاب نہ ہونے کا بنیادی سبب بعض افراد، گروہوں اور پارٹیوں کی طرف سے اتحاد اور وحدت کے نام پر ذاتی اور گروہی مفادات کا حصول ہے، جو اپنے مفادات کے حصول کے لیے وحدت کا نعرہ لگاتے ہیں۔ لیکن اپنا مقصد حاصل ہونے کے بعد بھول جاتے ہیں اس وجہ سے معاشرہ، گفت و شنید اور مکالمہ کے حوالے سے ہونے والے کاموں کو مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان گفت و شنید کا مقصد ایک

بلند ہدف کی خاطر ہونا چاہیے اور وہ مقصد اخوت اور بھائی چارے پر مبنی اسلامی معاشرے کی تشکیل ہے، جہاں اسلام کا تحفظ ہو اور مسلمان امن وسکون سے اسلامی اصولوں کی روشنی میں زندگی بسر کر سکیں۔ کیونکہ تمام مسلمان قرآن کو بحیثیت دستور اور قانون، تمام انبیا کو رہبران الٰہی خصوصاً رسول اکرمؐ کو بحیثیت آخری نبی اور رہبر کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا امت اسلامی کا یکجا اور متحد رہنا لازم ہے تاکہ اہداف پیغمبرؐ عملی شکل اختیار کر سکیں جس سے اسلام کا غلبہ اور عدل وانصاف پر مبنی الٰہی حکومت تشکیل پاسکے جس کے لیے امت کو اجتماعی جدوجہد کرنا چاہئے۔ "هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سب ادیان پر غالب و سربلند کردے خواہ مشرک کتنا ہی ناپسند کریں۔۔(15)

ان اہداف کا حصول پوری امت کی آپس میں یکدلی، محبت اور وحدت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ ہمدلی ومحبت ہی ہے جو مسلمانوں کو حقیقی اسلام کے قبول کرنے اور دین حق کو اپنی زندگی میں اپنانے کی راہ ہموار کرتی ہے اور مسلمانوں کو دنیا میں عزت وسربلندی کے ساتھ دشمنان بشریت کے مقابلے میں مقاومت اور مبارزہ کرنے کی قدرت عطا کر سکتی ہے۔

۸۔ایک دوسرے کے صحیح نظریات سے آگاہی

امت کے درمیان مکالمے اور گفتگو کے لیے ایک اہم رورت ہر مسلک کی بنیاد ی اور معتبر مصادر کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس وقت مسلمانوں میں گفت و شنید کی راہ میں رکاوٹ وہ نظریات اور افکار ہیں جو ایسے افراد کی طرف سے تقریروں اور تحریروں میں پیش کی جاتے ہیں جو اسلام کی حقیقت سے آگاہ نہیں اور وہ بعض اوقات اسلامی نظریات کی غلط تشریح کرکے یا بعض اختلافی مسائل کو بنیاد بنا کر مسلمانوں میں نفرت اور دشمنی کی بیج بوتے ہیں اگر ہم ان ہی چیزوں کو اسی مسلک اور مذہب کے محققین، فقہائے عظام اور معتبر کتابوں میں تلاش کریں تو حقیقت بالکل اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ اس کے لیے کسی نظریے یا فکر کے حوالے سے کسی خطیب، ذاکر اور ضعیف روایت اور کمزور

دلیل سے استدلال کرنا کسی بھی صورت میں درست نہیں بلکہ دوسرے مسلک کے نظریات کی ترجمان اور معتبر شخصیات اور کتابیں ہی اس مسلک یا مکتب کی ترجمانی کرتی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی مسالک کو ایک دوسرے کو پہچاننے کا صحیح ذریعہ یہ ہے کہ ہر مکتب اسلامی ایک دوسرے کے فقہی اور مکتبی نظریات کو ہر فرقے کے نامور اور جید علما سے حاصل کریں۔ کہ جبکہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ ہمشہ مختلف مکاتب ایک دورسرے کے نظریات کو غیر معتبر لوگوں سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سرزمین پاکستان میں ہمیشہ سنی سنائی باتوں اور اہل ممبر کی تقریوں سے ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یاد رہنا چاہئے کہ دور حاضر میں ممبر و محراب کمرشل مقاصد کے ذرائع بن چکے ہیں۔ اب محراب و منبر میں اکثریت انتہائی غیر متعبر افراد کا قبضہ ہے۔ زیادہ تر لوگ مسلکی نظریات کو ان ہی لوگوں سے لینے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے غلط فہمیاں اسلامی مسالک کے درمیان بہت زیادہ پیدا ہوجاتی ہیں۔ اس کے واحد حل یہی ہے کہ مسالک کے متعبر اور مستند علماء اور مفتیان دین سے مسلکی نظریات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے تو پھر مختلف مکاتب کے درمیان فصل کے بجائے وصل پیدا ہوسکتا ہے۔ یہی ایک کارآمد طریقہ ہے کہ مسالک اسلامی کے درمیان انسیت اور قربت پیدا ہوجائے اور مزید گفت و شنید کے دروازے کھل سکیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت اور اہل تشیع علماء آپس میں بحث اور گفت و شنید کریں تو ایک دوسرے کے درمیان موجود مسائل حل ہوسکتے ہیں اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ عقائد، تاریخ، فقہی، سیاسی مسائل پر مشتمل مشترکہ لٹریچر تیار کیا جائے تاکہ غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔ "شیعہ اور سنی محققین دونوں مذہب کی متفقہ احادیث پر مشتمل کتابوں کی تدوین کریں اور ان کی اشاعت کا انتظام کیا جائے۔ آنحضور اور آپ کے اہل بیت ہدیٰ اور اصحاب ہدیٰ کی وساطت سے نقل ہونے والی حدیثوں کا موازنہ کیاجائے تو تین قسم کی حدیثیں سامنے آتی ہیں) الف (جن کے مضامین مختلف ہیں) ب (جن کا مضامین متفق علیہ ہیں لیکن الفاظ مختلف ہیں) ج (جن کے مضامین اور الفاظ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اگر طرفین کے جید علماء کی مشترکہ کمیٹی دوسری اور تیسری قسم کی احادیث کی تدوین کریں اور شیعہ سنی مذاہب کے درمیان

سنت نبوی کا اندازہ لگائیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تفرقہ بازوں اور بیرونی ایجنٹوں کے چہرے سیاہ ہوجائیں اور شیعہ وسنی عوام کو معلوم ہوجائیں کہ وہ ایک دوسرے سے کس قدر نزدیک ہیں۔ ایک کتاب اہل سنت اور شیعوں کے مشترکہ اعتقادات کے بارے میں اور ایک کتاب فقہ کے اہم مسائل اور کلی اصولوں کے بارے میں تدوین کیا جائے، جس کا مفید اثر ہوگا۔اس کا خلاصہ مدارس دینیہ کے مختلف تعلیمی مراحل کے تعلیمی نصاب میں داخل کیا جائے، اسی طرح سے سرکاری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں طالب علموں کو ان کی تعلیم دی جائے تاکہ مذکورہ اتحاد نعربازی اور زبانی خرچ نہ ہو بلکہ اتحاد بنیادی اور اساسی امور کو عملی جامہ پہنایاجائے۔"(16)

خلاصہ یہ کہ اگر امت کے علما اور دانشور ان اصولوں کی روشنی میں قدم اٹھائیں اور امت کے درمیان اتحاد کے لیے اخلاص اور بصیرت کے ساتھ کوشش کریں تو یقینا اس عمل میں کامیابی یقینی ہے لیکن ان اصولوں کو نظر انداز کرکے کی جانے والی کوششیں اگرچہ وقتی طور پر کارآمد ہوسکتی ہے لیکن دیرپا اور پائیدار نہیں ہوسکتی۔

*****

حوالہ جات

1۔الفتح۔29

2۔ نہج البلاغہ، سید رضی،ترجمہ از سید ذیشان حیدر جوادی) انصاریان پبلیکیشنز، قم (خطبہ127

3۔الحجرات10 بلاغ القرآن، شیخ محسن علی نجفی، اسلام آباد

4۔ مسلم، ؛کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم و تعاضدہم، ج4، ص1999، رقم حدیث2586 ۔
بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس و البہائم، ج8، ص10، رقم حدیث6011 ۔

5۔ محمد اسفندیاری، ہمۂ ما برادریم، تہران ، ناشر: نشر نگاہ معاصر، ۱۹۹۳ش، ص، ۱۸۔

6 ۔القرآن(49/12

7۔القرآن(3/103

8 ۔ اسد حیدر،الامام الصادق والمذاہب الاربعہ۔ ج۱ ص۳۳۳ الطبعۃ ۱۴۲۵ ناشر دارالکتب الاسلامی

9۔ نقل کلامہ القاضی عیاض فی الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ 42 / 2 :طبع دار الفکر۔ ونقل قریباً من ذلک ابن حجر العسقلانی فی تہذیب التنذیب70 / 2 :، دار الفکر بیروت

10۔ ابن بابویہ، محمد بن علی، الخصال،2 جلد، جامعہ مدرسین - قم، چاپ :اول،1362 ش.

11۔ محمد ،ابوزہرہ ،حضرت امام جعفر صادق، ص۸۷

12۔القرآن،۱۶:۱۲۵

13۔القرآن(6/108

14۔ نہج البلاغہ۔خطبہ ۲۰۶، انصاریان پبلیکیشنز، قم

15۔القرآن(61/8

16۔ محسنی، آصف ،تقریب مذاہب موانع اور راہ حل، رسالت حوزہ۔شمارہ۔۹ ص۸۔موسسہ امام رضا نجف اشرف۔۱۴۳۷ھ

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا تحقیقی مطالعہ
(نہج البلاغہ کے آئینے میں)

ڈاکٹر جواد حیدر ہاشمی*
drjawadhaider@yahoo.com

کلیدی کلمات: پیغمبر اکرم ﷺ، حضرت علی، سیرت، بعثت، ختم نبوت، اسوۂ حسنہ، تبلیغ

خلاصہ

زمانہ رسالت کے بعد کے انسانوں کے لئے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت سے آشنائی کے صرف دو ہی راستے ہیں: قرآن اور اہلبیتؑ و صحابہ کرامؓ کے فرامین۔ اہل بیت اطہار کی اہم ترین شخصیت حضرت علیؑ ہیں جو اپنی ولادت سے لے کر وصال نبی ﷺ تک ہر ہر لمحہ اور زندگی کے ہر اہم موڑ پر پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ نے آنحضرت ﷺ پر پہلی بار وحی نازل ہوتے ہوئے بھی دیکھا اور وصال کے موقع پر اور اس کے بعد غسل و کفن اور لحد میں اتارنے کے موقع تک، غرض یہ کہ زندگی کے ہر موڑ پر حضور اکرم ﷺ کی قرابت اور رفاقت کا شرف آپ کو حاصل رہا۔ آپ کی تربیت اور پرورش حضور اکرم ﷺ نے فرمائی، کیونکہ بچپن ہی میں آنحضرت ﷺ نے آپ کو اپنے گھر منتقل فرمایا اور آپ کو اپنی خاص شفقت اور توجہ سے نوازا۔ لہٰذا حضرت علیؑ وہ ذات ہے جو ہمیں کما حقہ پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا صحیح تعارف کرا سکتی ہے۔ اس مقالے میں حضرت علیؑ کی زبان سے جاری فرامین کے ذریعے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے بعض پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ امام علیؑ نے نہج البلاغہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کے پاکیزہ نسب سے لے کر آپؐ کے اخلاق حسنہ اور حسن معاشرت کا بہترین نقشہ کھینچا ہے۔ کہیں آپؐ کے فضائل و مناقب بیان کئے ہیں تو کہیں آپؐ کی بعثت کے اہداف و مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح کہیں جہالت و گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو ہدایت و نور علم سے منور کرنے کے سلسلے میں آپؐ کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ کیا ہے۔

*۔ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

مقدمہ

زمانہ رسالت کے بعد آنے والے انسانوں کے پاس حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت سے آشنائی کے صرف دو ہی راستے ہیں۔ ا۔ قرآن ۲۔ اہلبیتؑ اور صحابہ کرامؓ کے فرامین۔

سب سے پہلے تو ہم قرآن کریم کی ان آیتوں کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کی سیرت اور آپ کی شخصیت سے آشنائی حاصل کر سکتے ہیں جن میں آپ ﷺ کا تذکرہ آیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ یقیناً آپ ﷺ سے آشنائی کا سب سے بہترین اور سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ ہے۔

اس کے بعد اہلبیتؑ اور صحابہ کرامؓ کے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرمودہ ارشادات ہمارا دوسرا اور آخری مرجع ہے کہ جس کے ذریعے ہم آپ ﷺ کی ذات گرامی سے آشنائی حاصل کر سکتے ہیں۔ تاریخ بھی انہی کے ذریعے ہم تک پہنچی، چنانچہ اب تک تاریخ اور سیرت کی جتنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے ان سب کا مرجع یہی دو تھے۔

قرآن کریم کے بعد دوسرے ذریعے سے لیے گئے معلومات کی صداقت کا معیار یقیناً ان کے نقل کرنے والوں کے میزانِ صداقت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اہلبیتؑ اور صحابہ کرامؓ کے تمام افراد نقل اور بیان کے اعتبار سے ایک ہی پیمانے پر پورا نہیں اترتے ہوں گے۔ اُن میں یقیناً فطری طور پر کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا۔ تو اس بناء پر بہت سارے دلائل کی بنیاد پر کہ جن کا ذکر متعلقہ کتابوں میں موجود ہے یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم کے بعد حضور اکرم ﷺ کی سیرت سے آشنائی کا سب سے قابل اعتماد ذریعہ حضرت علیؑ کی ذات گرامی ہے، چونکہ آپ کو سب سے زیادہ حضور کی رفاقت اور قربت کا شرف حاصل رہا ہے۔ جب ہم حضرت علیؑ کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا میں حضرت علیؑ ہی وہ واحد ذات ہے جو اپنی ولادت سے لے کر وصال نبی ﷺ تک ہر ہر لمحہ اور زندگی کے ہر اہم موڑ پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے ہیں، یہاں تک کہ آپ نے آنحضرت ﷺ پر پہلی بار وحی نازل ہوتے ہوئے بھی دیکھا اور وصال کے موقع پر اور اس کے بعد غسل و کفن اور لحد میں اتارنے کے موقع تک، غرض یہ کہ زندگی کے ہر موڑ پر حضور اکرم ﷺ کی قرابت اور رفاقت کا شرف آپ کو حاصل رہا۔ آپ کی تربیت اور پرورش حضور اکرم ﷺ نے

فرمائی، کیونکہ بچپن ہی میں آنحضرت ﷺ نے آپ کو اپنے گھر منتقل فرمایا اور آپ کو اپنی خاص شفقت اور توجہ سے نوازا۔ لہٰذا حضرت علیؑ ہی وہ ذات ہے جو ہمیں کما حقہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا صحیح تعارف کرا سکتی ہے۔

حضرت علیؑ خطبہ قاصعہ کے نام سے مشہور اپنے خطبے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی خاص نسبت اور قرابت کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

وَ قَدْ عَلِمْتُمْ مَوْضِعِي مِنْ رَسُولِ اللهِ (ص) بِالْقَرَابَةِ الْقَرِيبَةِ وَ الْمَنْزِلَةِ الْخَصِيصَةِ وَضَعَنِي فِي حِجْرِهِ وَ أَنَا وَلَدٌ يَضُمُّنِي إِلَى صَدْرِهِ وَ يَكْنُفُنِي فِي فِرَاشِهِ وَ يُمِسُّنِي جَسَدَهُ وَ يُشِمُّنِي عَرْفَهُ وَ كَانَ يَمْضَغُ الشَّيْءَ ثُمَّ يُلْقِمُنِيهِ وَ مَا وَجَدَ لِي كَذْبَةً فِي قَوْلٍ وَ لَا خَطْلَةً فِي فِعْلٍ وَ لَقَدْ قَرَنَ اللهُ بِهِ ص مِنْ لَدُنْ أَنْ كَانَ فَطِيماً أَعْظَمَ مَلَكٍ مِنْ مَلَائِكَتِهِ يَسْلُكُ بِهِ طَرِيقَ الْمَكَارِمِ وَ مَحَاسِنَ أَخْلَاقِ الْعَالَمِ لَيْلَهُ وَ نَهَارَهُ وَ لَقَدْ كُنْتُ أَتَّبِعُهُ اتِّبَاعَ الْفَصِيلِ أَثَرَ أُمِّهِ يَرْفَعُ لِي فِي كُلِّ يَوْمٍ مِنْ أَخْلَاقِهِ عَلَماً وَ يَأْمُرُنِي بِالِاقْتِدَاءِ بِهِ وَ لَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُ فِي كُلِّ سَنَةٍ بِحِرَاءَ فَأَرَاهُ وَ لَا يَرَاهُ غَيْرِي وَ لَمْ يَجْمَعْ بَيْتٌ وَاحِدٌ يَوْمَئِذٍ فِي الْإِسْلَامِ غَيْرَ رَسُولِ اللهِ ص وَ خَدِيجَةَ وَ أَنَا ثَالِثُهُمَا أَرَى نُورَ الْوَحْيِ وَ الرِّسَالَةِ وَ أَشُمُّ رِيحَ النُّبُوَّةِ۔ (1)

یعنی: "تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام اُن کے نزدیک کیا تھا میں بچہ ہی تھا کہ رسول ﷺ نے مجھے گود میں لے لیا تھا۔ اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے۔ بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے۔ اپنے جسم مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اُس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ انہوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا، اور میں اُن کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال (کوہِ) حرا میں کچھ عرصہ قیام

فرماتے تھے اور وہاں میرے علاوہ کوئی انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور (ام المؤمنین) خدیجہؓ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا البتہ تیسرا اُن میں میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔"

شجرۂ نبوت کی پاکی اور اُس کی خصوصیات

یقیناً حضور اکرم ﷺ کا نسب سب سے پاکیزہ نسب ہے، اور آپؐ کی خلقت پاکیزہ ترین ہے۔ حضرت امام علیؑ کئی مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی پاک خلقت اور پاکیزہ نسب کا بہترین ادب اور احترام کے پیرائے میں تذکرہ فرماتے ہیں۔ ایک مقام پر امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

كُلَّمَا نَسَخَ اللهُ الْخَلْقَ فِرْقَتَيْنِ جَعَلَهُ فِي خَيْرِهِمَا لَمْ يُسْهِمْ فِيهِ عَاهِرٌ وَلَا ضَرَبَ فِيهِ فَاجِرٌ؛ (2)

یعنی: "شروع سے انسانی نسل میں جہاں جہاں پر سے شاخیں الگ ہوئیں ہر منزل میں وہ شاخ جس میں اللہ نے آپؐ کو قرار دیا تھا دوسری شاخوں سے بہتر ہی تھی۔ آپؐ کے نسب میں کسی بد کردار کا ساجھا اور کسی فاسق کی شرکت نہیں۔"

ایک اور مقام پر امامؑ فرماتے ہیں: اخْتَارَهُ مِنْ شَجَرَةِ الْأَنْبِيَاءِ وَ مِشْكَاةِ الضِّيَاءِ وَ ذُؤَابَةِ الْعَلْيَاءِ وَ سُرَّةِ الْبَطْحَاءِ وَ مَصَابِيحِ الظُّلْمَةِ وَ يَنَابِيعِ الْحِكْمَةِ؛ (3) یعنی: "اللہ نے انہیں انبیاء کے شجرہ، روشنی کے مرکز (آل ابراہیم)، بلندی کی جبین (قریش)، بطحا کی ناف (مکہ) اور اندھیرے کے چراغوں اور حکمت کے سرچشموں سے منتخب کیا۔"

ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ کی پاک اور بابرکت ولادت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِلَى أَنْ بَعَثَ اللهُ سُبْحَانَهُ مُحَمَّداً رَسُولَ اللهِ ص لِإِنْجَازِ عِدَتِهِ وَ إِتْمَامِ نُبُوَّتِهِ مَأْخُوذاً عَلَى النَّبِيِّينَ مِيثَاقُهُ مَشْهُورَةً سِمَاتُهُ كَرِيماً مِيلَادُهُ؛ (4)

یعنی: "یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایفائے عہد و اتمام نبوت کے لئے محمد ﷺ کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا۔ جن کے علامات (ظہور) مشہور، محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔"

ایک اور خطبے میں امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کے شجرے کو بہترین شجرہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
ابْتَعَثَهُ بِالنُّورِ الْمُضِیءِ وَ الْبُرْهَانِ الْجَلِیِّ وَ الْمِنْهَاجِ الْبَادِی وَ الْكِتَابِ الْهَادِی أُسْرَتُهُ خَیْرُ أُسْرَةٍ وَ شَجَرَتُهُ خَیْرُ شَجَرَةٍ أَغْصَانُهَا مُعْتَدِلَةٌ وَ ثِمَارُهَا مُتَهَدِّلَةٌ مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ وَ هِجْرَتُهُ بِطَیْبَةَ؛ (5)
یعنی: اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو چمکتے ہوئے نور، روشن دلیل، کھلی ہوئی راہ شریعت اور ہدایت دینے والی کتاب کے ساتھ بھیجا، ان کا قوم و قبیلہ بہترین قوم و قبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے کہ جس کی شاخیں سیدھی اور پھل جھکے ہوئے ہیں۔ ان کا مولد مکہ اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے۔
ایک اور مقام پر امیر المومنینؑ، حضور اکرم ﷺ کے پاک نسب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں: حَتَّی أَفْضَتْ كَرَامَةُ اللهِ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَی إِلَی مُحَمَّدٍ ص فَأَخْرَجَهُ مِنْ أَفْضَلِ الْمَعَادِنِ مَنْبِتاً وَ أَعَزِّ الْأَرُومَاتِ مَغْرِساً مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِی صَدَعَ مِنْهَا أَنْبِیَاءَهُ وَ انْتَجَبَ مِنْهَا أُمَنَاءَهُ؛ (6)
یعنی: یہ الٰہی شرف (رسالت) محمد ﷺ تک پہنچا جنہیں ایسے معدنوں سے کہ جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین اور ایسی اصلوں سے کہ جو نشو ونما کے لحاظ سے بہت باوقار تھیں، پیدا کیا۔ اس شجر سے کہ جس سے انبیاء پیدا کئے اور جس سے امین منتخب فرمائے۔

حضور اکرم ﷺ کائنات کی افضل ترین ہستی

حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور کائنات کی افضل ترین ہستی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پورے عالمین میں سے صرف آپؐ کو ختم رسالت کے عظیم مرتبے کے لئے انتخاب فرمایا، اور آپؐ کے ذریعے اپنے دین اور اپنی نعمتوں کو مکمل اور اس پر اپنی رضایت کا اعلان فرمایا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کائنات میں آپ ﷺ سے افضل ہستی کوئی اور ہو۔ حضرت امام علیؑ نے اپنے خطبات میں متعدد مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی افضلیت اور برتری کو مختلف تعبیروں کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔
ایک مقام پر امام علیؑ فرماتے ہیں: وَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ وَ نَجِیبُهُ وَ صَفْوَتُهُ لَا یُوَازَی فَضْلُهُ وَ لَا یُجْبَرُ فَقْدُهُ؛ (7)
یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد و رسول اور منتخب و برگزیدہ ہیں، نہ ان کے فضل و کمال کی برابری اور نہ ان کے اٹھ جانے کی تلافی ہو سکتی ہے۔

یعنی ان کے فضل و کمال کی کوئی شخص برابری نہیں کر سکتا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ سب سے افضل ہیں۔
دوسرے مقام پر فرمایا: وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ وَ سَيِّدُ عِبَادِهِ؛ (8) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول اور بندوں کے سید و سردار ہیں۔
ایک اور جگہ فرمایا: أَرْسَلَهُ بِالضِّيَاءِ وَ قَدَّمَهُ فِي الِاصْطِفَاءِ؛ اللہ نے انہیں روشنی کے ساتھ بھیجا اور انتخاب کی منزل میں سب سے آگے رکھا۔
ایک اور مقام پر آپؐ کو تمام پرہیزگاروں کا امام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فَهُوَ إِمَامُ مَنِ اتَّقَى وَ بَصِيرَةُ مَنِ اهْتَدَى سِرَاجٌ لَمَعَ ضَوْؤُهُ وَ شِهَابٌ سَطَعَ نُورُهُ وَ زَنْدٌ بَرَقَ لَمْعُهُ؛ (9)
یعنی: وہ پرہیزگاروں کے امام، ہدایت حاصل کرنے والوں کے لیے (سرچشمہ) بصیرت ہیں۔ وہ ایسا چراغ ہیں کہ جس کی روشنی لو دیتی ہے، اور ایسا روشن ستارہ جس کا نور ضیاپاش، اور ایسا چقماق، جس کی ضو شعلہ فشاں ہے۔۔۔
آپؐ نہ صرف پرہیزگار ہیں بلکہ پرہیزگاروں کے امام ہیں۔ دنیا میں جتنے انبیاء اور اوصیاء کرام تشریف لائے ہیں وہ سب یقیناً پرہیزگاری کے نہایت اعلی مراتب پر تھے، لیکن امام علیؑ کے اس فرمان کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ ان تمام پرہیزگاروں کے بھی امام ہیں۔
امام علیؑ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ثُمَّ اخْتَارَ سُبْحَانَهُ لِمُحَمَّدٍ ص لِقَاءَهُ وَ رَضِيَ لَهُ مَا عِنْدَهُ وَ أَكْرَمَهُ عَنْ دَارِ الدُّنْيَا وَ رَغِبَ بِهِ عَنْ مَقَامِ الْبَلْوَى فَقَبَضَهُ إِلَيْهِ كَرِيماً ص؛ (10)
یعنی: اللہ سبحانہ نے محمد ﷺ کو اپنے لقاء قرب کے لیے چنا، اپنے خاص انعامات آپؐ کے لیے پسند فرمائے اور دار دنیا کی بود و باش سے آپ کو بلند تر سمجھا اور زحمتوں سے گھری ہوئی جگہ سے آپؐ کے رخ کو موڑا اور دنیا سے باعزت آپؐ کو اٹھالیا۔
اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے اوپر اپنی خاص نعمتیں نازل فرمائی ہیں، اُن میں سے سب سے اہم ترین نعمت یہ ہے کہ اللہ نے آپؐ کو مقام نبوت اور رسالت کے لئے انتخاب فرمایا اور آپؐ کو تمام انبیاء کا خاتم قرار دیا۔ اور یہ اتنا عظیم مقام و منزلت ہے کہ کوئی بھی اس میں آپؐ کی برابری نہیں کر سکتا۔ امام علیؑ

ایک اور خطبے میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: أَرْسَلَهُ بِالضِّيَاءِ وَ قَدَّمَهُ فِي الِاصْطِفَاءِ؛ (11) اللہ نے انہیں روشنی کے ساتھ بھیجا اور انتخاب کی منزل میں سب سے آگے رکھا۔

امام علیؑ اپنے ایک خطبے میں آنحضرت ﷺ کو زندگی کے ہر اسٹیج پر ہر اعتبار سے افضل قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: حَتَّى بَعَثَ اللهُ مُحَمَّداً ص شَهِيداً وَ بَشِيراً وَ نَذِيراً خَيْرَ الْبَرِيَّةِ طِفْلًا وَ أَنْجَبَهَا كَهْلًا وَ أَطْهَرَ الْمُطَهَّرِينَ شِيمَةً وَ أَجْوَدَ الْمُسْتَمْطَرِينَ دِيمَةً؛ (12)

یعنی: اللہ نے محمد ﷺ کو اس حال میں بھیجا کہ وہ گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تھے جو بچپنے میں بھی بہترین خلائق اور سن رسیدہ ہونے پر بھی شرف کائنات تھے اور پاک لوگوں میں خو خصلت (اخلاق) کے اعتبار سے پاکیزہ تر (سب سے زیادہ پاکیزہ) اور جود و سخا میں ابر صفت برسائے جانے والوں میں سب سے زائد لگاتار برسنے والے تھے۔

اس فرمان میں حضرت علیؑ نے حضور اکرم ﷺ کو زندگی کے تمام مراحل میں افضل ترین مخلوق قرار دیا ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ ﷺ مقام نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی افضل ترین اور ہر اعتبار سے پاکیزہ ترین انسان تھے۔ اب مولاؑ کے اس فرمان سے بعض لوگوں کے اس اعتراض اور شبہے کی مکمل نفی ہو جاتی ہے جس میں وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کو اعلان رسالت سے پہلے باقی عام لوگوں کی مانند قرار دیتے ہیں اور اُن سے مختلف غلطیوں اور گناہوں کے سرزد ہونے کو جائز سمجھتے ہیں، بلکہ حقیقت وہی ہے کہ جس کا اظہار حضرت علیؑ نے اپنے اس خطبے میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ بچپنے سے لے کر سن رسیدہ ہونے تک زندگی کے ہر مرحلے پر بہترین خلائق اور شرف کائنات تھے اور اخلاق کے اعتبار سے بھی سب سے زیادہ پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے۔ آپ ﷺ کی حقیقی شان یہی ہے۔

ایک اور مقام پر آنحضرت ﷺ کی افضیلت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مُسْتَقَرُّهُ خَيْرُ مُسْتَقَرٍّ وَ مَنْبِتُهُ أَشْرَفُ مَنْبِتٍ؛ (13) یعنی: بزرگی اور شرافت کے معدنوں اور پاکیزگی کی جگہوں میں ان کا مقام بہترین مقام اور مرزیوم بہترین مرزیوم (ان کی محل پرورش اور ان کا خاندان بہترین ہے) ہے۔

حضرت علیؑ کے اقوال کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات کائنات کی افضل ترین ذات ہے اور ان کا خاندان بہترین خاندان ہے، ان کا اخلاق سب سے اچھا اور پاکیزہ ہے اور زندگی کے ہر مرحلے پر آپ ﷺ ان صفات سے متصف تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا ہدف اور مقصد

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر آنحضرت ﷺ کی بعثت کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ ایک مقام پر آپ ﷺ کی بعثت کو انسانیت پر احسان قرار دیتے ہوئے فلسفہ بعثت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنينَ إِذْ بَعَثَ فيهِمْ رَسُولاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آياتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتابَ وَ الْحِكْمَةَ وَإِنْ كانُوا مِنْ قَبْلُ لَفي ضَلالٍ مُبين۔ (14)

ایمان والوں پر اللہ نے بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

ایک اور آیت میں عدل کے قیام کو بعثت کا فلسفہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَقَدْ أَرْسَلْنا رُسُلَنا بِالْبَيِّناتِ وَ أَنْزَلْنا مَعَهُمُ الْكِتابَ وَ الْميزانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْط۔ (15)

یعنی: بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں۔

ایک اور آیت میں توحید اور یکتا پرستی کو بعثت کا ہدف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ بَعَثْنا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللهُ وَ مِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلالَةُ فَسيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كانَ عاقِبَةُ الْمُكَذِّبينَ۔ (16)

اور بتحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو، پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض کے ساتھ ضلالت پیوست ہو گئی، لہٰذا تم لوگ زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا تھا۔

ایک اور مقام پر آیات الٰہی کے بیان کو بعثت کا ہدف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ أَنْزَلْنا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ما نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ (17)

یعنی : اور (اے رسول) آپ پر بھی ہم نے ذکر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ باتیں کھول کر بتادیں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں اور شاید وہ (ان میں) غور کریں۔

ان آیات کریمہ کے اندر نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے جو اہداف بیان ہوئے ہیں وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنانا، کتاب و حکمت کی تعلیم دینا، عدل قائم کرنا، اللہ تعالیٰ کی بندگی کرانا اور طاغوت سے اجتناب کروانا شامل ہے۔ جب امیر المؤمنین امام علیؑ کے اقوال میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے فلسفے کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان میں بھی یہی اہداف اور فلسفے دوسرے الفاظ اور تعبیروں کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے فلسفہ کو اپنے ایک خطبے کے اندر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ اَلْمُجْتَبَىٰ مِنْ خَلَائِقِهِ وَ اَلْمُعْتَامُ لِشَرْحِ حَقَائِقِهِ وَ اَلْمُخْتَصُّ بِعَقَائِلِ كَرَامَاتِهِ وَ اَلْمُصْطَفَى لِكَرَائِمِ رِسَالَاتِهِ وَ اَلْمُوَضَّحَةُ بِهِ أَشْرَاطُ اَلْهُدَىٰ وَ اَلْمَجْلُوُّ بِهِ غَرَائِبُ اَلْعَمَىٰ؛ (18)

یعنی : میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ہیں اور مخلوقات میں منتخب، بیان شریعت کے لیے برگزیدہ، گراں بہا بزرگیوں سے مخصوص، اور عمدہ پیغاموں (کے پہنچانے) کے لئے منتخب ہیں۔ آپ کے ذریعہ سے ہدایت کے نشانات روشن کئے گئے اور گمراہیوں کی تیرگیوں کو چھانٹا گیا۔

اس خطبے میں امام علیؑ نے اللہ تعالی کی شریعت اور اُس کے الٰہی پیغام کو بندوں تک پہنچانے کو بعثت نبوی کا اصلی ہدف قرار دیا ہے۔ اور نیز ضمناً یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں کو گمراہی سے نجات دلا کر راہِ ہدایت پر لگانا بھی بعثت نبوی کے اہداف میں شامل ہے۔

ایک اور خطبے میں امیر المومنین احکام الٰہی کے نفاذ، اتمام حجت اور عذابِ الٰہی سے لوگوں کے ڈرانے کو بعثت نبوی کا ہدف قرار دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً ص عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ لِإِنْفَاذِ أَمْرِهِ وَ إِنْهَاءِ عُذْرِهِ وَ تَقْدِيمِ نُذُرِهِ؛ (19)

یعنی : اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد و رسول ہیں۔ جنہیں احکام کے نفاذ اور حجت کے اتمام اور عبرتناک واقعات پیش کرنے سے پہلے متنبہ کر دینے کے لئے بھیجا۔

یہ بات واضح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دین کے تمام احکام امت تک پہنچا دیئے ہیں لہٰذا گویا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں پر حجت تمام ہو چکی ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ حجت الوداع کے موقع پر اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ وَ اللهِ مَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا وَ قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ وَ مَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا وَ قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْه؛ (20)

یعنی: اے لوگو! اللہ کی قسم کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جو تمہیں جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرتا ہو مگر یہ کہ اس کے بجالانے کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے، اسی طرح کوئی کام ایسا نہیں ہے کہ جو تمہیں جہنم کے قریب اور جنت سے دور کرتا ہو مگر یہ کہ اس سے باز رہنے کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔

ایک اور مقام پر امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالدِّينِ الْمَشْهُورِ وَ الْعَلَمِ الْمَأْثُورِ وَ الْكِتَابِ الْمَسْطُورِ وَ النُّورِ السَّاطِعِ وَ الضِّيَاءِ اللَّامِعِ وَ الْأَمْرِ الصَّادِعِ إِزَاحَةً لِلشُّبُهَاتِ وَ احْتِجَاجاً بِالْبَيِّنَاتِ وَ تَحْذِيراً بِالْآيَاتِ وَ تَخْوِيفاً بِالْمَثُلَاتِ؛ (21)

یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ہیں جنہیں شہرت یافتہ دین، منقول شدہ نشان، لکھی ہوئی کتاب، ضوفشاں نور، چمکتی ہوئی روشنی اور فیصلہ کن امر کے ساتھ بھیجا تاکہ شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جائے، اور دلائل (کے زور) سے حجت تمام کی جائے، آیتوں کے ذریعے ڈرایا جائے اور عقوبتوں سے خوفزدہ کیا جائے۔

اس خطبے میں امیر المومنینؑ نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے چار اہداف بیان فرمائے ہیں۔ پہلا شکوک و شبہات کا ازالہ، یعنی لوگوں کے اذہان میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یا اُس کے مظاہر کے بارے میں جو شکوک و شبہات ہیں اُن کا ازالہ کرنا حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے اہداف میں شامل ہے۔ دوسرا دلائل کے ذریعے حجت تمام کرنا، یعنی روشن دلیلوں اور براہین کے ذریعے لوگوں کو ہدایت حاصل کرنے کے تمام راستوں کی نشاندہی فرمانا تاکہ جو ہدایت حاصل کرنا چاہیں وہ ہدایت حاصل کرلیں اور

جو راہِ ہدایت سے دور بھاگ جائیں اُن کے لیے بھی حجت تمام ہو جائے، اور عُذر کا کوئی راستہ باقی نہ رہ جائے۔ تیسرا آیتوں کے ذریعے ڈرانا اور چوتھا عقوبتوں سے خوفزدہ کرنا، یعنی سابقہ انبیاء کرامؑ کی نافرمان قوموں کے اوپر نازل ہونے والے عذابِ الٰہی کا تذکرہ کرکے انہیں اللہ کی نافرمانی کے بُرے نتائج سے ڈرانا بھی آنحضرت ﷺ کی بعثت کے اہداف میں شامل ہے۔

جہالت اور گمراہی سے لوگوں کو نجات دلا کر راہ ہدایت پر گامزن کرنے والی ذات

لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں اور گمراہی سے نکالنے کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی زحمتوں اور محنتوں کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک عصر بعثت یا اس سے ذرا پہلے کے حالات کا علم نہ ہو جائے۔ اس لیے پہلے ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے کے حالات کا ذرا جائزہ لیا جائے تاکہ عالم انسانیت کے اوپر بعثت کے بعد آپؐ کے احسانات کا اندازہ لگایا جاسکے۔ نہج البلاغہ میں ہی متعدد مقامات پر امیر المومنینؑ نے اس زمانے کی ناگفتہ بہ حالات کا بار بار تذکرہ فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو یاد دلایا جائے کہ وہ کن جاہلانہ عادات اور رسومات میں مبتلا تھے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں اس اندھیرے سے نکال کر راہ ہدایت پر لگالیا۔

عصر بعثت کے موقع پر عرب کے تاریک حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں:

ثُمَّ إِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ بَعَثَ مُحَمَّداً ص بِالْحَقِ حِينَ دَنَا مِنَ الدُّنْيَا الِانْقِطَاعُ وَ أَقْبَلَ مِنَ الْآخِرَةِ الِاطِّلَاعُ وَ أَظْلَمَتْ بَهْجَتُهَا بَعْدَ إِشْرَاقٍ وَ قَامَتْ بِأَهْلِهَا عَلَى سَاقٍ وَ خَشُنَ مِنْهَا مِهَادٌ وَ أَزِفَ مِنْهَا قِيَادٌ فِي انْقِطَاعٍ مِنْ مُدَّتِهَا وَ اقْتِرَابٍ مِنْ أَشْرَاطِهَا وَ تَصَرُّمٍ مِنْ أَهْلِهَا وَ انْفِصَامٍ مِنْ حَلْقَتِهَا وَ انْتِشَارٍ مِنْ سَبَبِهَا وَ عَفَاءٍ مِنْ أَعْلَامِهَا وَ تَكَشُّفٍ مِنْ عَوْرَاتِهَا وَ قِصَرٍ مِنْ طُولِهَا جَعَلَهُ اللهُ بَلَاغاً لِرِسَالَتِهِ وَ كَرَامَةً لِأُمَّتِهِ وَ رَبِيعاً لِأَهْلِ زَمَانِهِ وَ رِفْعَةً لِأَعْوَانِهِ وَ شَرَفاً لِأَنْصَارِهِ؛ (22)

یعنی: اللہ سبحانہ نے محمد ﷺ کو اُس وقت حق کے ساتھ مبعوث کیا جبکہ فنا نے دنیا کے قریب ڈیرے ڈال دیئے اور آخر سر پر منڈلانے لگی۔ اس کی رونقوں کا اجالا اندھیرے سے بدلنے لگا۔ اور اپنے رہنے والوں کے لئے مصیبت بن کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا فرش درشت اور ناہموار ہو گیا اور فنا کے ہاتھوں میں باگ ڈور دینے کے لئے آمادہ ہو گئی یہ اس وقت کہ جب اس کی مدت اختتام

پذیر اور (فنا کی) علامتیں قریب آ گئیں۔ اس کے بسنے والے تباہ اور اس کے حلقے کی کڑیاں الگ ہونے لگیں۔ اُس کے بندھن پراکندہ اور نشانات بوسیدہ ہو گئے اُس کے عیب کھلنے اور پھیلے ہوئے دامن سمٹنے لگے۔ اللہ نے ان کو پیغام رسانی اور امت کی سرفرازی کا ذریعہ، اہل عالم کے لئے بہار اور یار وانصار کی رفعت و عزت کا سبب قرار دیا۔

ایک اور خطبے میں اسلام سے پہلے عربوں کی بُری حالت زار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّداً ص نَذِيراً لِلْعَالَمِينَ وَ أَمِيناً عَلَى التَّنْزِيلِ وَ أَنْتُمْ مَعْشَرَ الْعَرَبِ عَلَى شَرِّ دِينٍ وَ فِي شَرِّ دَارٍ مُنِيخُونَ بَيْنَ حِجَارَةٍ خُشْنٍ وَ حَيَّاتٍ صُمٍّ تَشْرَبُونَ الْكَدِرَ وَ تَأْكُلُونَ الْجَشِبَ وَ تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَ تَقْطَعُونَ أَرْحَامَكُمُ الْأَصْنَامُ فِيكُمْ مَنْصُوبَةٌ وَ الْآثَامُ بِكُمْ مَعْصُوبَةٌ؛ (23)

یعنی: اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام جہانوں کو (ان کی بداعمالیوں سے) متنبہ کرنے والا اور اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا۔ اے گروہِ عرب اُس وقت تم بدترین دین پر اور بدترین گھروں اور کھردرے پتھروں میں رہتے تھے اور زہریلے سانپوں کے ساتھ تم بود و باش رکھتے تھے۔ بت تمہارے درمیان گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چمٹے ہوئے تھے۔ امامؑ کے اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ قبل از بعثت عرب کے لوگ صرف دینی اور فکری انحراف کا شکار نہیں تھے بلکہ ثقافتی اور تمدنی لحاظ سے بھی انتہائی پستی کا شکار تھے۔

امام علیؑ اپنے بعض خطبوں میں بعثت سے پہلے عربوں کی جاہلانہ اور مشرکانہ دینی و فکری حالت زار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ النَّاسُ فِي فِتَنٍ انْجَذَمَ فِيهَا حَبْلُ الدِّينِ وَ تَزَعْزَعَتْ سَوَارِي الْيَقِينِ وَ اخْتَلَفَ النَّجْرُ وَ تَشَتَّتَ الْأَمْرُ وَ ضَاقَ الْمَخْرَجُ وَ عَمِيَ الْمَصْدَرُ فَالْهُدَى خَامِلٌ وَ الْعَمَى شَامِلٌ عُصِيَ الرَّحْمَنُ وَ نُصِرَ الشَّيْطَانُ وَ خُذِلَ الْإِيمَانُ؛ (24)

یعنی: لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے، جہاں دین کے بندھن شکستہ، یقین کے ستون متزلزل، اصول مختلف اور حالات پراگندہ تھے۔ نکلنے کی راہیں تنگ و تاریک تھیں۔ ہدایت گمنام اور ضلالت

ہمہ گیر تھی۔ (کھلے خزانوں) اللہ کی مخالفت ہوتی تھی اور شیطان کو مدد دی جارہی تھی، ایمان بے سہارا تھا۔

پھر ایک اور خطبے میں فرماتے ہیں:

إِلَى أَنْ بَعَثَ اللهُ سُبْحَانَهُ مُحَمَّداً رَسُولَ اللهِ ص لِإِنْجَازِ عِدَتِهِ وَإِتْمَامِ نُبُوَّتِهِ مَأْخُوذاً عَلَى النَّبِيِّينَ مِيثَاقُهُ مَشْهُورَةً سِمَاتُهُ كَرِيماً مِيلَادُهُ وَ أَهْلُ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ مِلَلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَ أَهْوَاءٌ مُنْتَشِرَةٌ وَ طَرَائِقُ مُتَشَتِّتَةٌ بَيْنَ مُشَبِّهٍ لِلّٰهِ بِخَلْقِهِ أَوْ مُلْحِدٍ فِي اسْمِهِ أَوْ مُشِيرٍ إِلَى غَيْرِهِ فَهَدَاهُمْ بِهِ مِنَ الضَّلَالَةِ وَ أَنْقَذَهُمْ بِمَكَانِهِ مِنَ الْجَهَالَةِ؛ (25)

یعنی: یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایفائے عہد اور اتمامِ نبوت کے لیے محمد ﷺ کو مبعوث کیا جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا، جن کے علامات (ظہور) مشہور، محل ولادت مبارک و مسعود تھا۔ اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جدا جدا، خواہشیں متفرق و پراکندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔ یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے، کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے۔ کچھ اسے چھوڑ کر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ خداوند عالم نے آپ کی وجہ سے انہیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انہیں جہالت سے چھڑایا۔

امام علیؑ کے ان خطبوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعثت سے پہلے عربوں کی حالت ہر لحاظ سے خراب تھی۔ یعنی ایک طرف جہاں وہ دینی اور مذہبی اعتبار سے انحراف کا شکار تھے تو دوسری طرف اخلاقی اور فکری اعتبار سے بھی جہالت کی انتہائی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ دینی و مذہبی اعتبار سے وہ لوگ مشرک اور بت پرست تھے، اور سابقہ انبیاء کرامؑ کی تعلیمات کو انہوں نے یکسر بھلا دیا تھا اور مختلف قسم کی بدعتوں کا شکار تھے، کھلے عام اللہ کی مخالفت اور شیطان کی اطاعت کرتے تھے۔

جب ہمیں بعثت سے پہلے عرب کی انتہائی ناگفتہ بہ حالات کا علم ہوا تو اب یہاں حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے ذریعے سے اُس تاریک معاشرے میں آنے والے روشن انقلاب کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا کہ کیسے اللہ کے رسول ﷺ نے عرب کے اُس جاہل معاشرے کو اپنی تعلیمات کے ذریعے راہ ہدایت پر لگا لیا، اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی پُر نور روشنیوں سے اُن کے دلوں کو منور فرمایا، شرک و بت

پرستی سے نجات دلا کر ایک اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکانا سکھایا، مختلف بدعتوں سے چھٹکارا دلا کر صحیح اسلامی شعار کو زندہ کرنا سکھایا، غلط تہذیب و ثقافت کی پستیوں سے نکال کر اعلیٰ تہذیب و ثقافتی اقدار کا مالک بنا دیا، اور ضلالت و گمراہی سے نکال کر نجات کی منزل پر پہنچا دیا۔

امام علیؑ اپنے مختلف خطبوں میں اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے ذریعے لوگوں کو ہدایت اور نجات کی دولت سے سرفراز فرمایا۔

ایک خطبے میں امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّداً ص وَ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ الْعَرَبِ يَقْرَأُ كِتَاباً وَ لَا يَدَّعِي نُبُوَّةً فَسَاقَ النَّاسَ حَتَّى بَوَّأَهُمْ مَحَلَّتَهُمْ وَ بَلَّغَهُمْ مَنْجَاتَهُمْ فَاسْتَقَامَتْ قَنَاتُهُمْ وَ اطْمَأَنَّتْ صَفَاتُهُمْ؛ (26)

یعنی: اللہ نے محمد ﷺ کو اس وقت بھیجا کہ جب عربوں میں نہ کوئی کتاب (آسمانی) کا پڑھنے والا تھا نہ کوئی نبوت کا دعویدار۔ آپ نے ان لوگوں کو ان کے صحیح مقام پر اتارا، اور نجات کی منزل پر پہنچا دیا، یہاں تک کہ ان کے سارے خم جاتے رہے اور حالات محکم و استوار ہو گئے۔

ایک اور خطبے میں امیر المؤمنین فرماتے ہیں:

أَضَاءَتْ بِهِ الْبِلَادُ بَعْدَ الضَّلَالَةِ الْمُظْلِمَةِ وَ الْجَهَالَةِ الْغَالِبَةِ وَ الْجَفْوَةِ الْجَافِيَةِ وَ النَّاسُ يَسْتَحِلُّونَ الْحَرِيمَ وَ يَسْتَذِلُّونَ الْحَكِيمَ يَحْيَوْنَ عَلَى فَتْرَةٍ وَ يَمُوتُونَ عَلَى كَفْرَةٍ؛ (27)

یعنی: تاریک گمراہیوں اور بھرپور جہالتوں اور سخت و درشت (خصلتوں) کے بعد شہروں (کے شہر) ان کی وجہ سے روشن و منور ہو گئے جبکہ لوگ حلال کو حرام اور مرد زیرک و دانا کو ذلیل سمجھتے تھے۔ نبیوں سے خالی زمانہ میں جیتے تھے اور گمراہیوں کی حالت میں مر جاتے تھے۔

ابن میثم بحرانی یہاں "الجهالة الغالبة" کی شرح میں لکھتے ہیں: اراد الجهل بالطريق الى الله تعالىٰ، و بكيفيّة المعاش مما بيّنه هو و كشفه بشريعته۔ (28) یعنی: جہالت سے مراد اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستوں اور زندگی گزارنے کے طور طریقوں سے ناواقفیت ہے، کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ یعنی اس زمانے کے لوگ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستوں سے بھی بالکل ناواقف تھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے انہیں اس کی تعلیم دی۔

راہِ ہدایت ڈھونڈنے والوں کے لئے ہدایت کی روشنی عطا فرمانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حَتَّی أَوْرَی قَبَسَ الْقَابِسِ وَ أَضَاءَ الطَّرِیقَ لِلْخَابِطِ وَ هُدِیَتْ بِهِ الْقُلُوبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَ الْآثَامِ وَ أَقَامَ بِمُوضِحَاتِ الْأَعْلَامِ وَ نَیِّرَاتِ الْأَحْکَامِ؛ (29) یعنی: یہاں تک کہ انہوں نے روشنی ڈھونڈنے والے کے لئے شعلے بھڑکا دیئے (نورِ حق کو آشکار فرمایا)، اور اندھیرے میں بھٹکنے والے کے لئے راستہ روشن کر دیا۔ فتنوں فسادوں میں سرگرمیوں کے بعد دلوں نے آپؐ کی وجہ سے ہدایت پائی۔ انہوں نے راہ دکھانے والے نشانات قائم کئے (حق کا پرچم بلند کیا)، روشن و تابندہ احکام (نورانی احکام) جاری کئے۔

ایک اور خطبے میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حَتَّی أَوْرَی قَبَساً لِقَابِسٍ وَ أَنَارَ عَلَماً لِحَابِسٍ؛ (30) یہاں تک کہ آپؐ نے روشنی ڈھونڈنے والے کے لئے شعلے بھڑکائے اور (راستہ کھو کر) سواری کے روکنے والے کے لئے نشانات روشن کئے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: أَرْسَلَهُ بِالضِّیَاءِ وَ قَدَّمَهُ فِی الِاصْطِفَاءِ فَرَتَقَ بِهِ الْمَفَاتِقَ وَ سَاوَرَ بِهِ الْمُغَالِبَ وَ ذَلَّلَ بِهِ الصُّعُوبَةَ وَ سَهَّلَ بِهِ الْحُزُونَةَ حَتَّی سَرَّحَ الضَّلَالَ عَنْ یَمِینٍ وَ شِمَالٍ؛ (31)

یعنی: اللہ نے انہیں روشنی کے ساتھ بھیجا اور انتخاب کی منزل میں سب سے آگے رکھا تو ان کے ذریعہ سے تمام پراکندیوں اور پریشانیوں کو دور کیا اور غلبہ پانے والوں پر تسلط جما لیا۔ مشکلوں کو سہل اور دشواریوں کو آسان بنایا یہاں تک کہ دائیں بائیں (افراط و تفریط) کی سمتوں سے گمراہی کو دور ہٹایا۔

حضور اکرم ﷺ کے ذریعے سے زمانہ جاہلیت کے مختلف فتنوں اور دشمنیوں کے خاتمے اور لوگوں کی ذلت کو عزت میں بدلنے کا تذکرہ کرتے ہوئے امام علیؑ فرماتے ہیں: دَفَنَ اللهُ بِهِ الضَّغَائِنَ وَ أَطْفَأَ بِهِ الثَّوَائِرَ أَلَّفَ بِهِ إِخْوَاناً وَ فَرَّقَ بِهِ أَقْرَاناً أَعَزَّ بِهِ الذِّلَّةَ وَ أَذَلَّ بِهِ الْعِزَّةَ؛ (32) یعنی: خدا نے ان کی وجہ سے فتنے دبا دیئے، اور (عداوتوں کے) شعلے بجھا دیئے۔ بھائیوں میں الفت پیدا کی اور جو کفر میں اکٹھے تھے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ (اسلام کی) پستی اور ذلت کو عزت بخشی، اور (کفر کی) عزت و بلندی کو ذلیل کر دیا۔

امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کو ایسا طبیب قرار دیتے ہیں جو خود مریضوں کے علاج معالجے کے لئے اُن کی تلاش میں رہتا ہو۔ آپ فرماتے ہیں: طَبِیبٌ دَوَّارٌ بِطِبِّهِ قَدْ أَحْکَمَ مَرَاهِمَهُ وَ أَحْمَی مَوَاسِمَهُ یَضَعُ ذَلِكَ

حَيْثُ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ مِنْ قُلُوبٍ عُمْيٍ وَ آذَانٍ صُمٍّ وَ أَلْسِنَةٍ بُكْمٍ مُتَتَبِّعٌ بِدَوَائِهِ مَوَاضِعَ الْغَفْلَةِ وَ مَوَاطِنَ الْحَيْرَةِ؛ وہ ایک طبیب تھے جو اپنی حکمت و طب کو لئے ہوئے چکر لگا رہا ہو، اس نے اپنے مرہم ٹھیک ٹھاک کر لئے ہوں اور داغنے کے آلات تپا لئے ہوں۔ وہ اندھے دلوں، بہرے کانوں، گونگی زبانوں (کے علاج معالج) میں جہاں ضرورت ہوتی ہے، ان چیزوں کو استعمال میں لاتا ہو، اور دوا ایسے غفلت زدہ اور حیرانی و پریشانی کے مارے ہوؤں کی کھوج میں لگا رہتا ہو۔

زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی سب سے بڑی بیماری شرک و بت پرستی اور ہدایت سے دوری تھی۔ تو مولاؑ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ اُن لوگوں کے ایمان اور عقائد کی درستگی کے لئے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن مجید کی آیتوں کو اُن کے سامنے سنا کے انہیں ضلالت اور گمراہی سے نجات دلا کر ہدایت کے راستے پر گامزن کرنے کی فکر اور تگ و دو میں لگے رہتے تھے۔

معاشرے میں رائج غلط بدعتوں کے خاتمے اور اللہ کے احکام کو روشن کرنے کے حوالے سے آپ ﷺ کے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے امام علیؑ فرماتے ہیں:

أَرْسَلَهُ بِحُجَّةٍ كَافِيَةٍ وَ مَوْعِظَةٍ شَافِيَةٍ وَ دَعْوَةٍ مُتَلَافِيَةٍ أَظْهَرَ بِهِ الشَّرَائِعَ الْمَجْهُولَةَ وَ قَمَعَ بِهِ الْبِدَعَ الْمَدْخُولَةَ وَ بَيَّنَ بِهِ الْأَحْكَامَ الْمَفْصُولَةَ ؛(33)

یعنی :اللہ نے آپ ﷺ کو مکمل دلیل، شفا بخش نصیحت اور (پہلی جہالتوں کی) تلافی کرنے والا پیغام دے کر بھیجا اور ان کے ذریعے سے (شریعت کی) نامعلوم راہیں آشکار کیں اور غلط سلط بدعتوں کا قلع قمع کیا اور (قرآن و سنت میں) بیان کئے ہوئے احکام واضح کئے۔

امام علیؑ ایک اور مقام پر حضور اکرم ﷺ کو حق اور ہدایت کو روشن کرکے ایمان کی روشنی عطا کرنے والی ذات قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَرْسَلَهُ بِوُجُوبِ الْحُجَجِ وَ ظُهُورِ الْفَلَجِ وَ إِيضَاحِ الْمَنْهَجِ فَبَلَّغَ الرِّسَالَةَ صَادِعاً بِهَا وَ حَمَلَ عَلَى الْمَحَجَّةِ دَالًّا عَلَيْهَا وَ أَقَامَ أَعْلَامَ الِاهْتِدَاءِ وَ مَنَارَ الضِّيَاءِ وَ جَعَلَ أَمْرَاسَ الْإِسْلَامِ مَتِينَةً وَ عُرَى الْإِيمَانِ وَثِيقَةً؛ (34)یعنی :اللہ نے انہیں ناقابل انکار دلیلوں، واضح کامرانیوں اور راہ (شریعت) کی رہنمائیوں کے ساتھ بھیجا۔ چنانچہ آپ نے (حق کو باطل سے) چھانٹ کر اس کا

پیغام پہنچایا، راہ حق دکھا کر اس پر لوگوں کو لگایا۔ ہدایت کے نشان اور روشنی کے مینار قائم کئے۔ اسلام کی رسیوں اور ایمان کے بندھنوں کو مستحکم کیا۔

دوسرے مقام پر ہدایت کے بالکل مٹ جانے کے بعد حق اور ہدایت آشکار کرکے لوگوں کو راہِ اعتدال پر چلانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ وَ أَعْلَامُ الْهُدَى دَارِسَةٌ وَ مَنَاهِجُ الدِّينِ طَامِسَةٌ فَصَدَعَ بِالْحَقِّ وَ نَصَحَ لِلْخَلْقِ وَ هَدَى إِلَى الرُّشْدِ وَ أَمَرَ بِالْقَصْدِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّمَ؛ (35)

یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ جنہیں اس وقت رسول بنا کر بھیجا کہ جب ہدایت کے نشان مٹ چکے تھے اور دین کی راہیں اجڑ چکی تھیں۔ آپ نے حق کو آشکار کیا۔ خلق خدا کی نصیحت کی، ہدایت کی جانب رہنمائی فرمائی اور افراط و تفریط کی سمتوں سے بچ کر درمیانی راہ پر چلنے کا حکم دیا۔

امام علیؑ کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے جب بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد کے عرب کے حالات کا آپس میں مقایسہ کرتے ہیں تو حیرت کی انتہا نہیں رہ جاتی کہ جو عرب چند سال پہلے جہالت اور گمراہی کی اتھاہ دلدل میں گرفتار تھے وہ حضور اکرم ﷺ کی کوششوں سے انتہائی مختصر عرصے میں اُس سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ مکہ جو کہ شرک اور بت پرستی کا مرکز تھا اب توحید اور خدا پرستی کا مرکز بن جاتا ہے۔ جو لوگ تہذیب و ثقافت سے عاری تھے وہ اب دوسری اقوام کے لئے نمونہ عمل بن جاتے ہیں۔ دنیا میں کہیں ڈھونڈنے سے بھی اتنے بڑے انقلاب کی مثال نہیں ملتی، تو یہ سب یقیناً سرورِ کائنات ﷺ کی محنتوں اور زحمتوں کا نتیجہ تھا۔

تبلیغ رسالت میں پیش آنے والی مشکلات کے مقابلے میں صبر واستقامت

تبلیغ دین ایک ایسا اہم اور مشکل کام ہے کہ جس کی راہ میں ہزاروں مشکلات پیش آتی ہیں، لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، انسان جس قدر زیادہ تبلیغ دین میں مصروف ہو جائے اسی قدر زیادہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں صرف ہدف اور مقصد پر یقین رکھنے والے لوگ ہی اس راہ کی مشکلات کو برداشت کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ اسی لیے جب

تاریخ انسانی پر نظر دوڑاتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ تبلیغ دین کی راہ میں سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا انبیاء کرامؑ کو کرنا پڑتا تھا لیکن وہ اپنے الٰہی اہداف کے حصول اور انسانیت کو راہ حق پر لانے کے لیے ان تمام تکلیفوں اور مشکلات کے مقابلے میں بڑی کشادہ دلی سے صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انبیاء میں سے بھی سب سے زیادہ مشکلات اور دشمنوں کی مخالفت کا سامنا خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کو کرنا پڑا تھا۔

جیسا کہ خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ما أوذی نبی مثل ما أوذیت۔ (36) (تبلیغ اسلام کی راہ میں) جتنی تکلیفیں مجھے پہنچائی گئی ہیں کسی اور نبی کو نہیں پہنچائی گئیں۔ کیونکہ آپ جس معاشرے میں رہتے تھے اُس معاشرے کے سب لوگ اعلان رسالت سے پہلے آپؐ کا احترام کرتے تھے لیکن اعلان رسالت کے فوراً بعد وہ سب آپ کے جانی دشمن بن گئے حتی کہ آپ کے اپنے قوم و قبیلہ اور خاندان کے بھی بہت سارے افراد آپ کے مخالف بن گئے جن میں سر فہرست آپؐ کے اپنے چچا ابولہب تھے۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے اللہ کی راہ میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے تبلیغ اسلام کے فریضے کو انجام دیا اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر مشکل کے مقابلے میں بڑے حوصلے سے صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا، اور یوں کوئی بڑی سی بڑی مشکل بھی آپؐ کی راہ کی رکاوٹ نہ بن سکی۔ چونکہ اللہ رب العزت کا آپ کو حکم تھا کہ: فَاسْتَقِمْ كَما أُمِرْتَ وَ مَنْ تابَ مَعَكَ وَ لا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِما تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (37) جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپؐ اور وہ لوگ بھی جو آپؐ کے ساتھ (اللہ کی طرف) پلٹ آئے ہیں ثابت قدم رہیں اور حد سے تجاوز بھی نہ کریں، اللہ تمہارے اعمال کو یقیناً خوب دیکھنے والا ہے۔

حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں کئی مقامات پر مشکلات کے مقابلے میں حضور اکرم ﷺ کے صبر و استقامت کو کھلے لفظوں میں بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ یہ دین اتنی آسانی کے ساتھ لوگوں تک نہیں پہنچا بلکہ اس کو پہنچانے کے لیے رسول اکرم ﷺ نے کتنی زحمتیں برداشت فرمائی ہیں۔ امام علیؑ فرماتے ہیں:

وَ نَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ خَاضَ إِلَى رِضْوَانِ اللهِ كُلَّ غَمْرَةٍ وَ تَجَرَّعَ فِيهِ كُلَّ غُصَّةٍ وَ قَدْ تَلَوَّنَ لَهُ الْأَدْنَوْنَ وَ تَأَلَّبَ عَلَيْهِ الْأَقْصَوْنَ وَ خَلَعَتْ إِلَيْهِ الْعَرَبُ أَعِنَّتَهَا وَ ضَرَبَتْ إِلَى مُحَارَبَتِهِ بُطُونَ رَوَاحِلِهَا حَتَّى أَنْزَلَتْ بِسَاحَتِهِ عَدَاوَتَهَا مِنْ أَبْعَدِ الدَّارِ وَ أَسْحَقِ الْمَزَارِ؛ (38)

یعنی: ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ﷺ ہیں، جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے ہر سختی میں پھاند پڑے اور جنہوں نے اس کے لیے غم و غصہ کے گھونٹ پیئے۔ جن کے قریبوں نے بھی مختلف رنگ بدلے اور دور والوں نے بھی ان کی دشمنی پر ایکا کر لیا۔ اور عرب والے بھی ان کے خلاف بگٹٹ چڑھ دوڑے اور دور دراز جگہوں اور دور افتادہ سرحدوں سے سواریوں کے پیٹ پر ایڑ لگاتے ہوئے آپ سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے اور عداوتوں کے (پشتارے) آپ کے صحن میں لا اتارے۔

ابن ابی الحدید معتزلی اس فرمان کی وضاحت کرتے ہوئے نہج البلاغہ کی اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

و من قرأ کتب السیرة علم ما لاقی رسول الله ص فی ذات الله سبحانه من المشقة و استهزاء قریش به فی أول الدعوة و رمیهم إیاه بالحجارة حتی أدموا عقبیه و صیاح الصبیان به و فرث الکرش علی رأسه و فتل الثوب فی عنقه و حصره و حصر أهله فی شعب بنی هاشم سنین عدة محرمة معاملتهم و مبایعتهم و مناکحتهم و کلامهم حتی کادوا یموتون جوعا؛ (39)

یعنی: جس نے سیرت کی کوئی کتاب پڑھی ہو تو اسے معلوم ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بعثت کے آغاز میں کفار قریش آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور آپؐ پر پتھر پھینکتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کے پاؤں مبارک خون سے تر ہو گئے۔ وہ اپنے بچوں کو آپؐ کا مذاق اڑانے کے لیے آپؐ کے پیچھے لگا دیتے تھے۔ آپؐ کے سر مبارک پر اونٹ کی غلاظت ڈال دیتے تھے۔ آپؐ کی گردن میں کپڑا ڈال کر کھینچتے تھے، انہوں نے آپؐ کو بمعہ اہل و عیال شعب ابوطالبؑ میں کئی سالوں تک محصور رکھا۔ اس دوران انہوں نے آپؐ کے ساتھ تمام معاملات، خرید و فروش اور ہر قسم کے تعلقات کا مکمل بائیکاٹ کیے رکھا تاکہ آپؐ بھوک سے اپنی جان کھو بیٹھیں۔

ایک اور موقع پر حضرت علیؑ تبلیغ اسلام کی راہ میں آنحضرت ﷺ کی ثابت قدمی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ دَعَا إِلَى طَاعَتِهِ وَ قَاهَرَ أَعْدَاءَهُ جِهَاداً عَنْ دِينِهِ لَا يَثْنِيهِ عَنْ ذَلِكَ اجْتِمَاعٌ عَلَى تَكْذِيبِهِ وَ الْتِمَاسٌ لِإِطْفَاءِ نُورِهِ ؛ (40)

یعنی : میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں، جنہوں نے اس کی اطاعت کی طرف لوگوں کو بلایا اور دین کی راہ میں جہاد کرکے اس کے دشمنوں پر غلبہ پایا۔ ان کے جھٹلانے پر لوگوں کا اکٹھا کر لینا اور ان کے نور کو بجھانے کے لیے کوشش و تلاش میں لگے رہنا ان کو اس (تبلیغ و جہاد کی) راہ سے نہ ہٹا سکا۔

ایک اور مقام پر لوگوں کو پیغمبرؐ پر درود بھیجنے کا طریقہ بیان فرماتے ہوئے تبلیغ رسالت کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کی ثابت قدمی اور مضبوط ارادے کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:

كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ قَائِماً بِأَمْرِكَ مُسْتَوْفِزاً فِي مَرْضَاتِكَ غَيْرَ نَاكِلٍ عَنْ قُدُمٍ وَ لَا وَاهٍ فِي عَزْمٍ ؛ (41)

یعنی : "جیسا ان پر ذمہ داری کا بوجھ عائد کیا گیا تھا، اس کو انہوں نے اٹھایا اور تیری خوشنودیوں کی طرف بڑھنے کے لئے مضبوطی سے جم کر کھڑے ہو گئے۔ نہ آگے بڑھنے سے منہ موڑا، نہ ارادے میں کمزوری کو راہ دی۔"

ایک اور جگہ راہِ الٰہی میں حضور اکرم ﷺ کے صبر و استقامت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَرْسَلَهُ دَاعِياً إِلَى الْحَقِّ وَ شَاهِداً عَلَى الْخَلْقِ فَبَلَّغَ رِسَالَاتِ رَبِّهِ غَيْرَ وَانٍ وَ لَا مُقَصِّرٍ وَ جَاهَدَ فِي اللهِ أَعْدَاءَهُ غَيْرَ وَاهِنٍ وَ لَا مُعْذِرٍ إِمَامُ مَنِ اتَّقَى وَ بَصَرُ مَنِ اهْتَدَى ؛ (42)

یعنی : اللہ نے آپؐ کو حق کی طرف بلانے والا اور مخلوق کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کو پہنچایا۔ نہ اس میں کچھ سستی کی نہ کوتاہی اور اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے جہاد کیا جس میں نہ کمزوری دکھائی، نہ حیلے بہانے کئے۔ وہ پرہیزگاروں کے امام اور ہدایت پانے والوں (کی آنکھوں) کے لئے بصارت ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تبلیغ دین کی راہ میں بہت ساری مشکلات برداشت فرمائی ہیں، مکّی زندگی میں کفار قریش نہ صرف آپؐ کے جانی دشمن بن گئے بلکہ وہ ہر اُس شخص کے بھی جانی دشمن بن جاتے تھے جو آپؐ پر ایمان لاتے تھے۔ وہ ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح آپؐ کو تبلیغ اسلام سے روکا جائے، اس کے لئے انہوں نے ہر طرح کے ذریعے اور ہتھکنڈے اپنائے، کبھی ڈرا دھمکا

کر آپؐ کو تبلیغ اسلام سے روکنا چاہا، کبھی لالچ کے ذریعے آپ کو روکنا چاہا تو کبھی آپؐ پر الزامات اور تہمتوں کی بارش کی گئی تاکہ لوگ آپؐ سے دور رہیں، جب اس پر بھی اُن کا بس نہ چلا تو آپ کو راتوں رات قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد سے آپ نے مکہ ہی چھوڑ دیا اور مدینہ ہجرت فرما گئے، لیکن دشمنوں نے آپؐ کو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا بلکہ ہر سال کوئی نہ کوئی جنگ زبردستی آپؐ پر مسلط کرتے رہے تاکہ آپ تبلیغ دین کے فریضے کو نہ نبھا سکیں۔ لیکن حضور اکرم ﷺ چونکہ اللہ کے سچے نبی تھے لہٰذا دشمنوں کی ان تمام تر مخالفتوں اور سازشوں کے باوجود آپؐ مسلسل پیغامِ الٰہی کو امت تک پہنچانے میں مصروف رہے اور کسی موڑ پر نہ سستی دکھائی اور نہ ارادے میں کمزوری دکھائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کامیابی دلادی اور یوں آپؐ نے ۲۳ سال کے مختصر عرصے میں پورے جزیرۃ العرب میں اسلام کا پیغام عام فرمایا۔

حضرت علیؑ کے مذکورہ بالا اقوال میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آپؐ نے تبلیغ رسالت کی راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات کے مقابلے میں بہترین صبر و تحمل کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔

ہدف کی خاطر ایثار اور فداکاری

ایثار ایک ایسی خوبی ہے جو نیک دل لوگوں کا طرہ امتیاز ہے۔ دنیا میں کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس تحریک کے بلند اہداف کے حصول کی خاطر سب سے زیادہ فداکاری اور ایثار کا مظاہرہ خود اس تحریک کے بانی اور سربراہ کریں، اور دوسروں کو اہداف کی راہ میں قربانی دینے کی ترغیب دلانے سے پہلے وہ خود ایثار اور جاں نثاری کا مظاہرہ کرے تاکہ دوسرے اس کے نقش قدم پر چل کر ایثار کا مظاہرہ کریں۔ خطرات کے موقع پر ایثار اور فداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے عزیز و اقارب کو دوسروں سے پہلے خطرات کے سمندر میں صرف وہی لوگ بھیج سکتے ہیں کہ جن کو اپنے ہدف اور اپنی حقانیت پر مکمل یقین اور اعتقاد ہو۔ ورنہ دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر لوگ اپنے عزیزوں کو بچا کر دوسروں کو آگے بھیجتے ہیں تاکہ اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو دوسرے قربان ہوں لیکن وہ خود اور اس کے عزیز و اقارب محفوظ رہیں۔

حضور اکرم ﷺ بھی اپنے الٰہی اہداف کے حصول کے لئے مختلف مواقع پر ایثار اور فداکاری سے کام لیتے تھے۔ مختلف جنگوں میں حضور اکرم ﷺ کے ایثار کا تذکرہ کرتے ہوئے امام علیؑ فرماتے ہیں:

وَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ص إِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ وَ أَحْجَمَ النَّاسُ قَدَّمَ أَهْلَ بَيْتِهِ فَوَقَى بِهِمْ أَصْحَابَهُ حَرَّ السُّيُوفِ وَ الْأَسِنَّةِ فَقُتِلَ عُبَيْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ يَوْمَ بَدْرٍ وَ قُتِلَ حَمْزَةُ يَوْمَ أُحُدٍ وَ قُتِلَ جَعْفَرٌ يَوْمَ مُؤْتَةَ؛ (43)

یعنی: رسالتمآب ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے اور لوگوں کے قدم پیچھے ہٹنے لگتے تھے تو پیغمبر ﷺ اپنے اہلبیتؑ کو آگے بڑھا دیتے تھے اور یوں انہیں سینہ سپر بنا کر اصحاب کو نیزہ و شمشیر کی مار سے بچا لیتے تھے۔ چنانچہ عبیدہؓ ابن حارث بدر میں، حمزہؓ اُحد میں اور جعفرؓ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے۔

حضور اکرم ﷺ کی شجاعت اور بہادری

رسول اکرم ﷺ کی شجاعت اور بہادری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑی جانے والی ۲۸ جنگوں میں بذات خود شرکت فرماتے ہوئے میدان جنگ میں اسلامی فوج کی قیادت فرمائی۔ اور جنگ کے موقع پر جہاں جہاں میدان کارزار شدت اختیار کرتا تھا وہاں خود آنحضرتؐ سب سے آگے آگے ہوتے اور دشمنان اسلام کا مقابلہ فرماتے تھے۔

حضرت علیؑ شیر خدا جیسے شجاع اور بہادر انسان کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (سوائے جنگ تبوک کے) تقریباً تمام اسلامی جنگوں میں شرکت فرمائی اور ہر موقع پر لشکرِ اسلام کی فتح و کامرانی میں کلیدی کردار ادا فرمایا، آنحضرت ﷺ کی شجاعت و بہادری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كُنَّا إِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ اتَّقَيْنَا بِرَسُولِ اللهِ ص فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنَّا أَقْرَبَ إِلَى الْعَدُوِّ مِنْهُ؛ (44)

یعنی: جب جنگ اپنے عروج کو پہنچتی تھی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ حاصل کر لیتے تھے، اور اُس وقت ہم میں سے کوئی بھی ان سے زیادہ دشمن سے قریب تر نہ ہوتا تھا۔

امیر المؤمنینؑ کے اس جملے کی وضاحت کرتے ہوئے سید رضی نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

و معنى ذلك أنه إذا عظم الخوف من العدو و اشتد عضاض الحرب فزع المسلمون إلى قتال رسول الله ص بنفسه فينزل الله عليهم النصر به و يأمنون مما كانوا يخافونه بمكانه؛ (45)

یعنی : اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دشمن کا خطرہ بڑھ جاتا تھا اور جنگ سختی سے کاٹنے لگتی تھی تو مسلمان یہ سہارا ڈھونڈنے لگتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ خود بنفس نفیس جنگ کریں تو اللہ آنحضرت ﷺ کی وجہ سے ان کی نصرت فرمائے اور آپؐ کی موجودگی کے باعث خوف و خطر کے موقع سے محفوظ رہیں۔

رسول اکرم ﷺ، رحمت کے پیکر

حضور اکرم ﷺ جہاں شجاعت و بہادری پیکر تھے وہاں رحمت الٰہی کے مظہر بھی تھے۔ اللہ تعالی نے ہی آپ کو پورے عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وَ ما أَرْسَلْناكَ إِلاَّ رَحْمَةً لِلْعالَمِينَ۔ (46) اور (اے رسول) ہم نے آپ کو بس عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ علامہ طباطبائی حضور اکرم ﷺ کا عالمین کے لئے رحمت ہونے کی علت بیان کرتے ہوئے المیزان میں لکھتے ہیں: کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ ایک ایسا دین لوگوں کے لئے لے کر آئے ہیں کہ جس پر عمل کرنے سے لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی مل سکتی ہے، اس لئے آپؐ کو عالمین کے لئے رحمت قرار دیا گیا ہے۔ (47)

ایک اور مقام پر اللہ تعالی حضور اکرم ﷺ کی نرم مزاجی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَبِما رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ (48)

(اے رسول) یہ مہر الٰہی ہے کہ آپ ان کے لئے نرم مزاج واقع ہوئے اور اگر آپ تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس ان سے در گزر کریں اور ان کے لئے مغفرت طلب کریں۔

سورہ توبہ میں رسول اکرم ﷺ کی رحمت اور شفقت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ ما عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ۔ (49)

بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے، تمہیں تکلیف میں دیکھنا ان پر شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں ہے اور مومنین کے لئے نہایت شفیق، مہربان ہے۔

حضرت امام علیؑ بھی مختلف مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت کا بار بار تذکرہ فرماتے ہیں۔ ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں: وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً نَجِيبُ اللهِ وَ سَفِيرُوَحْيِهِ وَ رَسُولُ رَحْمَتِهِ؛ (50) یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے برگزیدہ، اس کی وحی کے ترجمان اور رحمت کے پیغمبر ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: أَمِينُ وَحْيِهِ وَ خَاتَمُ رُسُلِهِ وَ بَشِيرُ رَحْمَتِهِ وَ نَذِيرُ نِقْمَتِهِ؛ وہ اللہ کی وحی کے امانت دار، اُس کے رسولوں کے آخری فرد، اُس کی رحمت کا مژدہ سنانے والے اور اُس کے عذاب سے ڈرانے والے تھے۔

ایک اور خطبے میں امام علیؑ آنحضرت ﷺ کو دنیا کے لئے رحمت اور نعمت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: حَتَّى أَوْرَى قَبَساً لِقَابِسٍ وَ أَنَارَ عَلَماً لِحَابِسٍ فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ وَ شَهِيدُكَ يَوْمَ الدِّينِ وَبَعِيثُكَ نِعْمَةً وَ رَسُولُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً؛ (51)

یعنی: یہاں تک کہ آپؐ نے روشنی ڈھونڈنے والے کے لئے شعلے بھڑکائے اور (راستہ کھو کر) سواری کے روکنے والے کے لئے نشانات روشن کئے۔ (اے اللہ!) وہ تیرے بھروسے کا امین اور قیامت کے دن تیرا (ٹھہرایا ہوا) گواہ ہے۔ وہ تیرا نبی مرسل اور رسول برحق ہے، جو (دنیا کے لئے) نعمت و رحمت ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جو آپؐ کی اسی صفت کی عکاسی کرتے ہیں، آپؐ نے اپنی زندگی میں نہ فقط کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی بلکہ ہمیشہ لوگوں کی مدد فرماتے رہے اور ان کے حق میں دعا فرماتے رہے۔ حضور ﷺ کی رحمت اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ان لوگوں کے حق میں بھی دعا فرماتے تھے جو آپ کو ستاتے تھے اور آپ کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے تھے، آپؐ ایک جگہ اُن کے حق میں یوں دعا فرماتے ہیں: اللهم اهد قومی فإنهم لا یعلمون۔ (52) اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ لوگ مجھے نہیں پہچانتے۔ تو یہ حضور اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت اور اپنی امت سے محبت کا نتیجہ تھا کہ آپؐ اپنے دشمنوں کے حق میں بھی بددعا فرمانے کی بجائے اُن کے حق میں ہدایت کی دعا فرماتے ہیں۔ ورنہ سابقہ انبیاء کرام ﷺ میں سے بہت سے ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے اپنی قوم کی ہٹ دھرمی اور اُن کی اذیتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ کر اُن کے

حق میں عذاب الٰہی کی دعائیں مانگیں تو اللہ نے اُن پر عذاب نازل فرمایا اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ لیکن یہاں تو حضور اکرم ﷺ کو جتنی بھی تکلیفیں پہنچائی گئیں پھر بھی آپ اُن کے حق میں مسلسل دعا ہی فرماتے رہے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے آپ کو بھی مشورہ دیا کہ آپ بھی سابقہ انبیاء کرامؑ کی طرح اپنے دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپ نے اُن کے مشورے کے جواب میں فرمایا کہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں زحمت بنا کر نہیں۔

قیل لرسول اللہ ادع اللہ علی المشرکین فقال إنما بعثت رحمۃ ولم أبعث عذابا؛ (53) رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ ان مشرکین کے حق میں بددعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا: میں رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں عذاب بنا کر نہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا زہد اور دنیا سے بے رغبتی

اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتقاد رکھنے والے نیک بندے ہمیشہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے اس کو دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ یہ ایک عارضی جگہ ہے جہاں سے اس نے ہمیشہ رہنے والی منزل آخرت کی طرف سفر کرنا ہے لہٰذا وہ اس دنیا سے اسی قدر ہی فائدہ اٹھاتے ہیں جس سے اس کی زندگی کی ضروریات پوری ہوسکے لہٰذا زیادہ تر وہ اپنی اخروی زندگی سنوارنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دنیا کی بے ثباتی کے بارے میں فرمایا ہے: یاقَوْمِ إِنَّما هٰذِهِ الْحَياةُ الدُّنْيا مَتاعٌ وَ إِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دارُ الْقَرارِ (54) اے میری قوم! یاد رکھو یہ دنیوی زندگی تو بس تھوڑی دیر کی لذت ہے، اور ہمیشہ رہنے کا گھر صرف آخرت کا گھر ہے۔

تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جیسی شخصیت جو تمام انبیاء اور اولیاء کے سید و سردار ہیں، وہ اس بے ثبات دنیا کے ساتھ اُنسیت پیدا کرے اور آخرت کی فکر میں نہ رہے۔ لہٰذا سید الانبیاء ﷺ کا زہد و تقوی اور دنیا سے بے رغبتی کا جو عالم تھا وہ ایسا تھا کہ جس کی مثال نہ آپ سے پہلے مل سکتی ہے اور نہ آپ کے بعد؛ بلکہ آپ کا یہ زہد و تقوی اور دنیا سے بے رغبتی دنیا کے تمام اولیاء اور نیک لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

خود آنحضرت ﷺ دنیا سے اپنی بے رغبتی کے بارے میں فرماتے ہیں: عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ ع قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ص مَالِي وَلِلدُّنْيَا إِنَّمَا مَثَلِي وَ مَثَلُهَا كَمَثَلِ الرَّاكِبِ رُفِعَتْ لَهُ شَجَرَةٌ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ فَقَالَ تَحْتَهَا

ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔ (55) یعنی: مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ دنیا کے ساتھ میری مثال اس سوار کی ہے جو گرم موسم میں کسی درخت کی چھاؤں میں ستانے کے لئے تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرتا ہے، پھر درخت کو چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہو جاتا ہے۔

امام علیؑ بھی حضور اکرم ﷺ کے زہد و تقوی اور دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں لوگوں کو آگاہ فرماتے رہتے تھے اور اُن کو آپ کی اس سیرت کی پیروی کرنے کی نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ ایک جگہ آنحضرت ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں فرماتے ہیں:

قَدْ حَقَّرَ الدُّنْيَا وَ صَغَّرَهَا وَ أَهْوَنَ بِهَا وَ هَوَّنَهَا وَ عَلِمَ أَنَّ اللهَ زَوَاهَا عَنْهُ اخْتِيَاراً وَ بَسَطَهَا لِغَيْرِهِ احْتِقَاراً فَأَعْرَضَ عَنِ الدُّنْيَا بِقَلْبِهِ وَ أَمَاتَ ذِكْرَهَا عَنْ نَفْسِهِ وَ أَحَبَّ أَنْ تَغِيبَ زِينَتُهَا عَنْ عَيْنِهِ لِكَيْلَا يَتَّخِذَ مِنْهَا رِيَاشاً أَوْ يَرْجُوَ فِيهَا مَقَاماً؛ (56)

یعنی: نبی اکرم ﷺ نے اس دنیا کو ذلیل و خوار سمجھا اور پست و حقیر جانا اور جانتے تھے کہ اللہ نے ان کی شان کو بالاتر سمجھتے ہوئے دنیا کا رخ ان سے موڑا ہے، اور گھٹیا سمجھتے ہوئے دوسروں کے لئے اس کا دامن پھیلا دیا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے دنیا سے دل ہٹا لیا اور اس کی یاد اپنے نفس سے مٹا ڈالی اور یہ چاہتے رہے کہ اس کی سج دھج ان کی نظروں سے اوجھل رہے کہ نہ اس سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں، اور نہ اس میں قیام کی آس لگائیں۔

حضرت علیؑ ایک اور مقام پر آنحضرت ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی اور آپ کی اس روش کو دوسروں کے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ کی پیروی کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَ لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ ص كَافٍ لَكَ فِي الْأُسْوَةِ وَ دَلِيلٌ لَكَ عَلَى ذَمِّ الدُّنْيَا وَ عَيْبِهَا ..... وَ كَذَلِكَ مَنْ أَبْغَضَ شَيْئاً أَبْغَضَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ وَ أَنْ يُذْكَرَ عِنْدَهُ وَ لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ ص مَا يَدُلُّكَ عَلَى مَسَاوِئِ الدُّنْيَا وَ عُيُوبِهَا إِذْ جَاعَ فِيهَا مَعَ خَاصَّتِهِ وَ زُوِيَتْ عَنْهُ زَخَارِفُهَا مَعَ عَظِيمِ زُلْفَتِهِ؛ (57)

یعنی: تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کا قول و عمل پیروی کے لئے کافی ہے، اور اُن کی ذات دنیا کے عیب و نقص اور اُس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت دکھانے کے لئے رہنما ہے۔ اس لئے کہ اس دنیا کے دامنوں کو اس سے سمیٹ لیا گیا اور دوسروں کے لئے اُس کی وسعتیں مہیا کر دی

گئیں اور اس (زال دنیا کی چھاتیوں سے) آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا۔۔۔ تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والے کے لئے نمونہ اور صبر کرنے والے کے لئے ڈھارس ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے جنہوں نے دنیا کو (صرف ضرورت بھر) چکھا اور اُسے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ شکم تہی میں بسر کرنے والے اور خالی پیٹ رہنے والے تھے ان کے سامنے دنیا کی پیشکش کی گئی تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور (جب) جان لیا کہ اللہ نے ایک چیز کو برا جانا اور اللہ نے ایک چیز کو حقیر سمجھا ہے تو آپ ﷺ نے بھی اُسے پست ہی قرار دیا۔۔۔ رسول ﷺ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے، اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے اور بے پالان کے گدھے پر سوار ہوتے تھے اور اپنے پیچھے کسی کو بٹھا بھی لیتے تھے۔۔۔ آپ ﷺ نے دنیا سے دل ہٹا لیا تھا اور اس کی یاد تک اپنے نفس سے مٹا ڈالی تھی اور یہ چاہتے تھے کہ اس کی سج دھج نگاہوں سے پوشیدہ رہے تاکہ نہ اُس سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں اور نہ اسے اپنی منزل خیال کریں اور نہ اس میں زیادہ قیام کی آس لگائیں۔ انہوں نے اس کا خیال نفس سے نکال دیا اور دل سے اسے ہٹا دیا تھا اور نگاہوں سے اسے اوجھل رکھا تھا۔ یونہی جو شخص کسی شے کو بُرا سمجھتا ہے تو نہ اُسے دیکھنا چاہتا ہے اور نہ اس کا ذکر سننا گوارا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ (کے عادات و خصائل) میں ایسی چیزیں ہیں کہ جو تمہیں دنیا کے عیوب و قبائح کا پتہ دیں گی جبکہ آپ ﷺ اس دنیا میں اپنے خاص افراد سمیت بھوکے رہا کرتے تھے اور باوجود انتہائی قربِ منزلت کے اس کی آرائشیں ان سے دور رکھی گئیں۔

حضور اکرم ﷺ کا اس طرح زہد و تقوی اور مالِ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے میں یقیناً معاشرے کے ہر طبقے کے لئے نمونہ عمل ہے خصوصاً وہ لوگ کہ جو اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہوتے ہیں اور ملک کی باگ ڈور ہاتھوں میں لے ہوتے ہیں، لیکن آخرت کو بھول کر اسی دنیا کی رنگینیوں میں اپنے آپ کو کھو دیتے ہیں، ان سب کے لئے آپ کا یہ طرزِ حیات قابلِ تقلید ہے کہ آپ ﷺ اسلامی اسٹیٹ کے سربراہ

اور تمام امور مملکت اور بیت المال کے مختارِ کُل ہونے کے باوجود زہد و تقوی اکی اعلیٰ ترین منزل پر فائز تھے اور دنیا سے بے رغبتی کا شیوہ اپناتے تھے۔

حضرت علیؑ مذکورہ بالا خطبے میں حضور اکرم ﷺ جیسے اُسوہ حسنہ کو اللہ رب العزت کی جانب سے انسانیت پر عظیم احسان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فَمَا أَعْظَمَ مِنَّةَ اللهِ عِنْدَنَا حِينَ أَنْعَمَ عَلَيْنَا بِهِ سَلَفاً نَتَّبِعُهُ وَ قَائِداً نَطَأُ عَقِبَه؛(58) یعنی: یہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں ایک پیشرو و پیشوا جیسی نعمت بخشی کہ جن کی ہم پیروی کرتے ہیں اور قدم بقدم چلتے ہیں۔ تو یقیناً انسان کو ہر ہر لحہ اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ جس نے انسانوں کے لئے اتنا عظیم اسوہ حسنہ عطا فرما کر انسانیت پر عظیم احسان فرمایا۔ تو پس جو کوئی حقیقی زہد و تقوی اور دنیا سے بے رغبتی کا شیوہ اپنانا چاہتا ہے اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بہترین عملی نمونہ موجود ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سنت اور آپؐ کا اخلاق و اسوہ حسنہ

سنت اصل میں تو ہر طریقے اور روش کو کہا جاتا ہے لیکن اسلامی اصطلاح میں اب یہ لفظ حضور اکرم ﷺ کی سنت اور اور آپ کے طور طریقے کے ساتھ خاص ہو گیا ہے۔ جیسے کہ ماہر لغت ابن اثیر سنت کی لغوی اور شرعی اصطلاحوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الاصل فیھا: الطریقۃُ و السیرۃُ، و اذا اُطلقت فی الشرع فانّھا یُراد بھا ما امر بہ النبی ﷺ، و نھی عنہ، و ندب الیہ قولاً و فعلاً ممّا لم ینطق بہ الکتاب العزیزُ، و لھذا یقال فی ادلّۃ الشرع: الکتابُ و السنۃ، ای القرآنُ و الحدیثُ۔ (59)

یعنی: سنت کا معنی طریقہ اور سیرت ہے۔ اور شرعی اعتبار سے ہر اس چیز کو سنت کہا جاتا ہے کہ جس کا حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا ہو یا روکا ہو، اور زبانی یا عملی طور پر جس کی ترغیب دلائی ہو، کہ جس کے بارے میں قرآن میں بھی کوئی حکم موجود نہ ہو۔ اسی وجہ سے کتاب و سنت یعنی قرآن و حدیث کو ادلہ شرعی کہا جاتا ہے۔

پس رسول اللہ ﷺ کا ہر قول اور عمل سنت ہے یعنی آپ نے اپنی زندگی میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہو یا جو کام انجام دیا ہو یا آپ کے سامنے جو کام انجام پایا ہو اور جس پر آپ نے سکوت اختیار فرمایا ہو وہ سب سنت کے دائرے میں آجاتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی سنت اور سیرت کے بارے میں امام علیؑ کے اقوال ذکر کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی سنت کے بارے میں قرآن کریم کا نظریہ معلوم کیا جائے کیونکہ اصل میں امام علیؑ کے اقوال کا مرجع یہی آیات کریمہ ہیں۔ تو قرآن نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تمام انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ لَقَدْ كانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كانَ يَرْجُوا اللهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ وَ ذَكَرَ اللهَ كَثِيراً (60)

بتحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔

قرآن نے حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کو بھی بہترین اخلاق قرار دیا ہے۔ وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ (61)

اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔

قرآن کریم کی بعض آیتیں ایسی ہیں جو حضور اکرم کی پیروی کو تمام اہل ایمان کے لئے واجب قرار دیتی ہیں، لہٰذا آنحضرت کی سنت کی پیروی نص قرآن کی روشنی میں واجب ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: وَ ما آتاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَ ما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَ اتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقاب (62)

رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رُک جاؤ اور اللہ کا خوف کرو، اللہ یقیناً شدید عذاب دینے والا ہے۔

سورہ نساء میں ارشاد ہے: يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلا۔ (63)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو جائے تو اس سلسلے میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بھلائی ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہوگا۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعوی کی سچائی کو حضور اکرم ﷺ کی اطاعت اور پیروی سے مشروط قرار دیا گیا ہے: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ اللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (64)

کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے در گزر فرمائے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تو ان آیات کریمہ کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ کی سنت اور سیرت اور آپ کے اخلاق حسنہ کی پیروی تمام اہل ایمان پر واجب ہے۔ کیونکہ آپؐ کی سنت اور سیرت سب سے اچھی تھی جو اپنی پیروی کرنے والے کو جنت تک لے جاتی ہے اور اُسے جہنم کے عذاب سے نجات دلاتی ہے۔

خود حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنی سنت اور سیرت کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں: إِنَّ أَفْضَلَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ص وَ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ۔ (65) یعنی: بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے، اور بہترین کلام اللہ کا کلام یعنی قرآن مجید ہے۔

جب حضور اکرم ﷺ کی سنت اور سیرت کے بارے میں امیر المؤمنین کے ارشادات کا جائزہ لیتے ہیں تو آپؑ بھی قرآن کے اسی اصول کے مطابق اسے بہترین قرار دیتے ہیں اور اُس کی پیروی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ امام علیؑ نے مختلف مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی سیرت کو بہترین سیرت قرار دیتے ہوئے لوگوں کو اُس کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ جیسے ایک مقام پر فرماتے ہیں: وَ اقْتَدُوا بِهَدْيِ نَبِيِّكُمْ فَإِنَّهُ أَفْضَلُ الْهَدْيِ وَ اسْتَنُّوا بِسُنَّتِهِ فَإِنَّهَا أَهْدَى السُّنَنِ؛ (66) نبی ﷺ کی سیرت کی پیروی کرو کہ وہ بہترین سیرت ہے۔ اور ان کی سنت پر چلو، کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے۔

امام علیؑ حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کو تمام لوگوں کے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وَ لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ ص كَافٍ لَكَ فِي الْأُسْوَةِ وَ دَلِيلٌ لَكَ عَلَى ذَمِّ الدُّنْيَا وَ عَيْبِهَا وَ كَثْرَةِ مَخَازِيهَا؛ (67) تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کا قول و عمل پیروی کے لئے کافی ہے اور ان کی ذات دنیا کے عیب و نقص اور اس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت دکھانے کے لئے رہنما ہے۔ اسی خطبے میں ذرا آگے مزید فرماتے ہیں: فَتَأَسَّ بِنَبِيِّكَ الْأَطْيَبِ الْأَطْهَرِ ص فَإِنَّ فِيهِ أُسْوَةً لِمَنْ تَأَسَّى وَ عَزَاءً لِمَنْ تَعَزَّى وَ أَحَبُّ الْعِبَادِ إِلَى اللهِ الْمُتَأَسِّي بِنَبِيِّهِ وَ الْمُقْتَصُّ لِأَثَرِهِ؛ (68) تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والے کے لئے نمونہ اور صبر کرنے والے کے لئے ڈھارس ہے۔ ان کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس خطبے میں امام علیؑ نے بالکل قرآنی

اصول کو اپنے لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی سنت تمام لوگوں کے لئے اسوہ حسنہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شخص وہی ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے نقش قدم پر چلتا ہو۔

مالک اشتر کے نام لکھے گئے تاریخی خط میں فرماتے ہیں: وَ ارْدُدْ إِلَى اللهِ وَ رَسُولِهِ مَا يُضْلِعُكَ مِنَ الْخُطُوبِ وَ يَشْتَبِهُ عَلَيْكَ مِنَ الْأُمُورِ فَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالَى لِقَوْمٍ أَحَبَّ إِرْشَادَهُمْ يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَ الرَّسُولِ فَالرَّدُّ إِلَى اللهِ الْأَخْذُ بِمُحْكَمِ كِتَابِهِ وَ الرَّدُّ إِلَى الرَّسُولِ الْأَخْذُ بِسُنَّتِهِ الْجَامِعَةِ غَيْرِ الْمُفَرِّقَةِ؛ (69)

یعنی: جب (فہم احکام کے سلسلے میں) ایسی مشکلیں تمہیں پیش آئیں کہ جن کا حل نہ ہو سکے اور ایسے معاملات کہ جو مشتبہ ہو جائیں تو ان میں اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو، کیونکہ خدا نے جن لوگوں کو ہدایت کرنا چاہی ہے ان کے لئے فرمایا ہے۔ "اے ایمان دارو! اللہ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر ہوں اور اگر تم میں کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔" تو اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی کتاب (قرآن مجید) کے محکمات پر عمل کیا جائے، اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اس متفق علیہ سنت پر عمل کیا جائے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس فرمان میں بھی امام علیؑ نے بالکل قرآن کے ارشاد کے مطابق مشکلات اور آپس کے اختلافات کے موقع پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، اور پھر رسول اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے اس سے مراد سنت رسول کی طرف رجوع قرار دیا ہے۔

ایک اور مقام پر سنت رسول ﷺ کی پاسداری کی وصیت کرتے ہوئے امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں: أَمَّا وَصِيَّتِي فَاللهَ لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَ مُحَمَّداً ص فَلَا تُضَيِّعُوا سُنَّتَهُ أَقِيمُوا هَذَيْنِ الْعَمُودَيْنِ وَ أَوْقِدُوا هَذَيْنِ الْمِصْبَاحَيْنِ؛ (70)

یعنی: میری وصیت یہ ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور محمد ﷺ کی سنت کو ضائع و برباد نہ کرو۔ ان دونوں ستونوں کو قائم برقرار رکھو اور ان دونوں چراغوں کو روشن کئے رہو۔

حضرت علیؑ نے حضور اکرم ﷺ کی سنت، سیرت اور اخلاق کی بالکل وہی تصویر کشی کی ہے جو قرآن نے کی ہے، درواقع آپ کے فرامین کا اصل مرجع قرآن کریم ہی تھا کہ جس کی آیتوں کے مقاصد کو آپ نے قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اس کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سنت کی اتباع واجب ہے۔ کیونکہ رسول کی سیرت ایک ایسی پاک و پاکیزہ سیرت ہے کہ جس میں زندگی کے ہر ہر مرحلے کے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔ حضور کوئی بھی حکم دینے سے قبل، پہلے خود عمل کرتے تھے پھر دوسروں کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور یہ ایک نفسیاتی اصول بھی ہے کہ انسان اگر کسی سے اپنی بات منوانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ پہلے اس بات پر خود عمل کرے پھر دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں امام جعفر صادقؑ بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: كُونُوا دُعَاةَ النَّاسِ بِغَيْرِ أَلْسِنَتِكُمْ لِيَرَوْا مِنْكُمُ الِاجْتِهَادَ وَ الصِّدْقَ وَ الْوَرَعَ؛(71) جس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے کردار اور عمل سے اپنی طرف بلاؤ نہ کہ صرف زبان سے، تاکہ جب وہ تمہاری کوشش، سچائی اور تقوی کو دیکھیں تو خود بخود تمہاری طرف آجائیں۔ یعنی تمہارے قول و عمل میں یکسانیت دیکھ کر وہ خود بھی عمل کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اور یقیناً اس کردار کا بہترین مصداق خود حضور اکرم ﷺ تھے۔

پیغامِ الٰہی کی تبلیغ میں امانت داری

حضور اکرم ﷺ مبعوث بہ رسالت ہونے سے پہلے بھی عرب کے معاشرے میں محمد امینؐ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ یعنی جس زمانے کو جاہلیت کا دور کہا جاتا ہے کہ جہاں کمزور کا مال چھیننے کو شجاعت سمجھا جاتا تھا، قافلوں کو لوٹا جاتا تھا اور امانتوں میں خیانت کی جاتی تھی، اُس معاشرے میں بھی حضور اکرم ﷺ کی امانتداری اتنی مشہور تھی کہ لوگ آپؐ کو "امین" کے لقب سے پکارتے تھے۔ تو امانتداری کی یہ صفت ایسی صفت ہے کہ جو ہمیشہ سے آپ کے اندر پائی جاتی تھی۔ تو جس صفت سے آپ ہمیشہ ہی متصف تھے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اعلان رسالت کے بعد آپ اس صفت سے متصف نہ ہوں، لہٰذا یقیناً آپ جہاں عام زندگی میں امانتداری کا خیال رکھتے تھے وہاں اللہ تعالی کے پیغام کو پہنچانے میں بطریق اولی امانتداری کا خیال رکھتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کی طرف خود اللہ رب العزت نے اپنی

کتاب میں بھی اعلان فرمایا ہے۔ قرآن کریم واضح الفاظ میں حضور اکرم ﷺ کو امین قرار دیتا ہے: إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ، ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ، مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ(72) کہ یقیناً یہ (قرآن) معزز فرستادہ کا قول ہے، جو قوت کا مالک ہے، صاحب عرش کے ہاں بلند مقام رکھتا ہے، وہاں ان کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ امین ہیں۔

قبل از بعثت حضور اکرم ﷺ کے جملہ اوصاف حمیدہ کا تذکرہ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس میں آپؐ کی امانتداری کا بھی ذکر ہے۔

كان النبی ع قبل المبعث موصوفا بعشرين خصلة من خصال الأنبياء لو انفرد واحد بأحدها لدل على جلاله فكيف من اجتمعت فيه كان نبيا أمينا صادقا حاذقا أصيلا نبيلا مكينا فصيحا عاقلا فاضلا عابدا زاهدا سخيا كميا قانعا متواضعا حليما رحيما غيورا صبورا موافقا مرافقا لم يخالط منجبا و لا كاهنا و لا عيافا۔ (73)

یعنی مبعوث برسالت ہونے سے پہلے ہی حضور اکرم ﷺ کے اندر انبیاء کرام کے اندر پائی جانے والی بیس قسم کی صفات پائی جاتی تھیں کہ اگر ان میں سے کوئی ایک صفت بھی کسی کے اندر پائی جائے تو اس کی عظمت اور بڑائی کے لئے وہی کافی ہے تو جس کے اندر یہ تمام صفات پائی جائیں وہ کیسا ہوگا۔ وہ صفات یہ ہیں: آپؐ نبی تھے، امین تھے، سچ بولنے والے (صادق)، ذہین، ولادت کی طہارت، شریف، مضبوط اور صاحبِ استقامت، فصیح و بلیغ، خیر خواہ، عقلمند، بافضیلت، عبادت گزار، زاہد، سخاوتمند، اسراف سے بچنے والے قناعت پسند، متواضع، بردبار، مہربان، باغیرت، صابر، موافق اور اچھے کردار کے مالک تھے کہ جس نے کبھی بھی ستارہ شناسوں، کاہنوں اور فال نکالنے والوں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں رکھا۔

امام علیؑ نے بھی کئی مقامات پر اللہ تعالی کے پیغام کو امت تک پہنچانے کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی امانتداری کو واضح لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں: وَ نَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ غَيْرُهُ وَ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِأَمْرِهِ صَادِعاً وَ بِذِكْرِهِ نَاطِقاً فَأَدَّى أَمِيناً وَ مَضَى رَشِيداً وَ خَلَّفَ فِينَا رَايَةَ الْحَقِّ مَنْ تَقَدَّمَهَا مَرَقَ وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا زَهَقَ وَ مَنْ لَزِمَهَا لَحِقَ ؛

یعنی : محمد ﷺ اس کے عبد اور رسول ہیں۔ جنہیں اللہ نے اپنا امر واضح کرکے سنانے اور اپنا ذکر زبان پر لانے کے لئے بھیجا۔ آپؐ نے امانتداری کے ساتھ اسے پہنچایا اور راہ راست پر برقرار رہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے اور ہم میں حق کا وہ پرچم چھوڑ گئے کہ جو اس سے آگے بڑھے گا وہ (دین سے) نکل جائے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ مٹ جائے گا اور جو اس سے چمٹا رہے گا وہ حق کے ساتھ رہے گا۔

دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں: أَمِينُ وَحْيِهِ وَ خَاتَمُ رُسُلِهِ ؛ (74) وہ اللہ کی وحی کے امانتدار اور اُس کے رسولوں کے آخری فرد تھے۔

ایک اور مقام پر تبلیغ پیغام الٰہی کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی امانتداری کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّداً ص نَذِيراً لِلْعَالَمِينَ وَ أَمِيناً عَلَى التَّنْزِيلِ؛ (75) اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام جہانوں کو (ان کی بداعمالیوں سے) متنبہ کرنے والا اور اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا۔

امام علی ایک اور جگہ حضور اکرم ﷺ کی امانتداری کی گواہی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ الصَّفِيُّ وَأَمِينُهُ الرَّضِيُّ؛ (76) میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے عبد اور برگزیدہ رسول اور پسندیدہ امین ہیں۔

درود کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ وَ خَازِنُ عِلْمِكَ الْمَخْزُونِ؛ (77) وہ تیرے امین، معتمد اور تیرے علم مخفی کے خزینہ دار تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی تبلیغ کی شہادت دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فَبَلَّغَ رِسَالَاتِ رَبِّهِ غَيْرَ وَانٍ وَ لَا مُقَصِّرٍ؛ (78) آپؐ نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کو پہنچایا۔ نہ اس میں کچھ سستی کی نہ کوتاہی۔

ایک اور مقام پر تبلیغ رسالت کی صحیح انجام دہی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ قَائِماً بِأَمْرِكَ مُسْتَوْفِزاً فِي مَرْضَاتِكَ غَيْرَ نَاكِلٍ عَنْ قُدُمٍ وَ لَا وَاهٍ فِي عَزْمٍ وَاعِياً لِوَحْيِكَ حَافِظاً لِعَهْدِكَ؛ (79) جیسا ان پر ذمہ داری کا بوجھ عائد کیا گیا تھا، اس کو انہوں نے اٹھایا اور تیری خوشنودیوں کی طرف بڑھنے کے لئے مضبوطی سے جم کر کھڑے ہو گئے، نہ آگے بڑھنے سے منہ موڑا، نہ ارادے میں کمزوری کو راہ دی۔ وہ تیری وحی کے حافظ اور تیرے پیمان کے محافظ تھے۔

تو امام علیؑ نے جگہ جگہ تبلیغ پیغام الٰہی کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی امانتداری کو کھلے لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

حضور اکرم ﷺ پر نبوت کا خاتمہ (ختم نبوت)

حضور اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، اور آپؐ کے ذریعہ اللہ کے اس دین کی تکمیل ہو گئی ہے جس کی تبلیغ کا آغاز حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا اور جس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرامؑ نے زحمتیں برداشت کی تھیں اور اب ان سب کی محنت اور کوششوں کے بعد یہ دین ایک پھلدار درخت کی شکل اختیار کر چکا تھا جس سے قیامت تک آنے والے بنی نوع انسان نے فائدہ اٹھانا ہے۔ لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے اس دین کو جب اوج کمال تک پہنچایا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اپنی نبوتوں کا خاتمہ فرمایا اس لئے اب آپؐ کے بعد کوئی نبی قیامت تک نہیں آئے گا۔ پس آپؐ کی شریعت پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کرنے والی ہے اور اب قیامت تک آپؐ کی لائی ہوئی ہدایات عالم انسانیت کے لئے مشعل راہ ہیں، لہٰذا آپ ﷺ خاتم المرسلین ہیں۔ قرآن کریم میں بھی اللہ رب العزت نے واضح الفاظ میں آپ ﷺ کی خاتمیت کا اعلان فرمایا ہے: ما كانَ مُحَمَّدٌ أَبا أَحَدٍ مِنْ رِجالِكُمْ وَ لكِنْ رَسُولَ اللهِ وَ خاتَمَ النَّبِيِّينَ وَ كانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيما۔ (80) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے بھی اپنی نبوت اور رسالت کی خاتمیت کا اعلان کئی موقعوں پر فرمایا ہے، مثلاً حدیث منزلت حضرت علیؑ سے خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: یا علی انت منّی بمنزلة هارون من موسیٰ الّا انّه لا نبیّ بعدی۔ (81)

جب ہم حضور اکرم ﷺ کے بارے میں حضرت علیؑ کے فرمودات پڑھتے ہیں تو کئی مواقع پر ہمیں حضور اکرم ﷺ کی خاتمیت کا تذکرہ بھی نظر آتا ہے۔ امیر المؤمنینؑ اپنے مختلف خطبوں میں اس نکتے کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: أَرْسَلَهُ عَلَى حِينِ فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ وَ تَنَازُعٍ مِنَ الْأَلْسُنِ فَقَفَّى بِهِ الرُّسُلَ وَ خَتَمَ بِهِ الْوَحْيَ؛ (82) اللہ نے آپؐ کو اُس وقت بھیجا جبکہ رسولوں کی بعثت کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور

لوگوں میں جتنے منہ تھے اتنی باتیں تھیں۔ چنانچہ آپؐ کو سب رسولوں سے آخر میں بھیجا، اور آپ کے ذریعہ سے وحی کا سلسلہ ختم کیا۔

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا: أَمِينُ وَحْيِهِ وَ خَاتَمُ رُسُلِهِ وَ بَشِيرُ رَحْمَتِهِ وَ نَذِيرُ نِقْمَتِهِ؛ (83)

یعنی: وہ اللہ کی وحی کے امانت دار اور اس کے رسولوں کے آخری فرد، اُس کی رحمت کا مژدہ سنانے والے اور اُس کے عذاب سے ڈرانے والے تھے۔

ایک دوسرے مقام پر قرآنی اصطلاح "خاتم النبیین" کو ہی استعمال فرمایا ہے: أَيُّهَا النَّاسُ خُذُوهَا عَنْ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ ص إِنَّهُ يَمُوتُ مَنْ مَاتَ مِنَّا وَ لَيْسَ بِمَيِّتٍ وَ يَبْلَى مَنْ بَلِيَ مِنَّا وَ لَيْسَ بِبَالٍ؛ (84)

یعنی: اے لوگو! خاتم النبیین ﷺ کے اس ارشاد کو سنو کہ (انہوں نے فرمایا) ہم میں سے جو مر جاتا ہے وہ مردہ نہیں ہے اور ہم میں سے (جو بظاہر مر کر) بوسیدہ ہو جاتا ہے، وہ حقیقت میں کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔

ایک اور مقام پر حضور اکرم ﷺ کے ختم نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَ نَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ؛ (85) (اے اللہ) اپنی پاکیزہ رحمتیں اور بڑھنے والی برکتیں قرار دے اپنے عبد اور رسول محمد ﷺ کے لئے جو پہلی (نبوتوں کے) ختم کرنے والے ہیں۔

پھر ایک اور مقام پر فرمایا: إِلَى أَنْ بَعَثَ اللهُ سُبْحَانَهُ مُحَمَّداً رَسُولَ اللهِ ص لِإِنْجَازِ عِدَتِهِ وَ إِتْمَامِ نُبُوَّتِهِ مَأْخُوذاً عَلَى النَّبِيِّينَ مِيثَاقُه؛ (86) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد اور اتمام نبوت کے لئے محمد ﷺ کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہد و پیمان لیا جا چکا تھا۔

دوسری جگہ حضور اکرم ﷺ کے ذریعہ اتمام حجت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: حَتَّى تَمَّتْ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ص حُجَّتُهُ وَ بَلَغَ الْمَقْطَعَ عُذْرُهُ وَ نُذُرُهُ؛ (87) یہاں تک کہ ہمارے نبی ﷺ کے ذریعہ وہ حجت (پوری طرح) تمام ہو گئی اور حجت پورا کرنا اور ڈرا دیا جانا اپنے نقطہ اختتام کو پہنچ گیا۔ دراصل یہ ختم نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے انبیاء کرام کے ذریعہ اب حجت تمام کرنے کا سلسلہ پایہ تکمیل تک پہنچایا لہٰذا اب کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے موقع پر آپ ﷺ کو غسل و کفن دیتے

وقت بھی ختم نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ لَقَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَ الْإِنْبَاءِ وَ أَخْبَارِ السَّمَاءِ؛ (88)

یعنی : یا رسول اللہ ﷺ ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپؐ کے رحلت فرمانے سے نبوت، خدائی احکام اور آسمانی خبروں کا سلسلہ قطع ہو گیا جو کسی اور (نبی) کے انتقال سے قطع نہیں ہوا تھا۔

لہٰذا حضور اکرم ﷺ پر نبوت اور رسالت کا خاتمہ ایسا مسلم اور اٹل عقیدہ ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جسے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اور حضور اکرم ﷺ نے اپنی احادیث میں بیان فرمایا ہے، اور امام علیؑ نے بھی اپنے مختلف خطبوں میں اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۰　2۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲۱۲　3۔ خطبہ ۱۰۶
4۔ خطبہ ۱　5۔ خطبہ ۱۵۹　6۔ خطبہ ۹۲
7۔ خطبہ ۱۴۹　8۔ خطبہ ۲۱۲　9۔ خطبہ ۹۲
10۔ خطبہ ۱　11۔ خطبہ ۲۱۱　12۔ خطبہ ۱۰۳
13۔ خطبہ ۹۴　14۔ آل عمران، آیت ۱۶۴　15۔ حدید، آیت ۲۵
16۔ نحل، آیت ۳۶　17۔ نحل، آیت ۴۴　18۔ خطبہ ۱۷۶
19۔ خطبہ ۸۱

20۔ اصول کافی، محمد بن یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۹ھ ق)، ج ۲، ص ۴۷، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵ھ ش؛ اعلام الدین، حسن بن ابی الحسن دیلمی (متوفی ۸۴۱ھ ق)، ص ۳۴۲، مؤسسہ آل البیتؑ، قم، ۱۴۰۸ھ ق؛ المحاسن، احمد بن محمد بن خالد برقی (متوفی ۲۷۴ھ ق)، جلد ۱، ص ۲۷۸، دار الکتب الاسلامیہ، قم، ۱۳۷۱ھ ق، عدۃ الداعی، ابن فہد حلی (متوفی ۸۴۱ھ ق)، ص ۸۳، دار الکتاب الاسلامی، ۱۴۰۷ھ ق۔

21۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۲　22۔ خطبہ ۱۹۶　23۔ خطبہ ۲۶
24۔ خطبہ ۲　25۔ خطبہ ۱　26۔ خطبہ ۳۳
27۔ خطبہ ۱۴۹　28۔ ابن میثم بحرانی، شرح نہج البلاغہ، ج ۳، ص ۲۲۲، دفتر نشر کتاب، ۱۴۰۴ھ ق۔
29۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۷۰　30۔ خطبہ ۱۰۴　31۔ خطبہ ۲۱۱
32۔ خطبہ ۹۴　33۔ خطبہ ۱۵۹　34۔ خطبہ ۱۸۳
35۔ خطبہ ۱۹۳　36۔ کشف الغمہ، علی بن عیسیٰ اربلی (متوفی ۶۹۳ھ ق)، ج ۲، ص ۵۷۳، مکتبۃ بنی ھاشمی، تبریز، ۱۳۸۱ھ ق ؛ مناقب آل ابی طالب، محمد بن شہر آشوب

مازندرانی (متوفی ۵۸۸ھ ق)، ج ۳، ص ۲۴۷، مؤسسہ انتشارات علامہ، قم، ۱۳۷۹ھ ق

37۔ ھود، آیت ۱۱۲　38۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۲

39۔ شرح نہج البلاغہ، عبد الحمید ابن ابی الحدید معتزلی (متوفی ۶۵۶ھ ق)، جلد ۱۰، ص ۱۶۵، کتابخانہ آیت اللہ مرعشی نجفی، قم، ۱۴۰۴ھ ق۔

40۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۸۸　41۔ خطبہ ۷۰　42۔ خطبہ ۱۱۴

43۔ نہج البلاغہ، مکتوب ۹　44۔ نہج البلاغہ، غریب کلام ۹　45۔ ایضاً

46۔ انبیاء، آیت ۱۰۷　47۔ المیزان، محمد حسین طباطبائی، جلد ۱۴، ص ۳۳۱، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، ۱۴۰۷ھ ق۔

48۔ آل عمران، آیت ۱۵۹　49۔ توبہ، آیت ۱۲۸　50۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۶

51۔ خطبہ ۱۰۴　52۔ مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۹۲۔　53۔

53۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۱، ص ۲۲۱؛ ارشاد القلوب، حسن بن ابی الحسن دیلمی (موفی ۸۴۱ھ ق)، ج ۱، ص ۱۳۴، انتشارات شریف رضی، ص ۱۴۱۲ھ ق۔

54۔ غافر، 39　55۔ اصول کافی، یعقوب کلینی، جلد ۲، ص ۱۳۴؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید معتزلی، جلد ۱۹، ص ۳۲۹؛ مجموعۃ ورام، ورام بن ابی فراس (متوفی ۶۰۵ھ ق)، جلد ۱، ص ۷۸، انتشارات مکتبۃ الفقیہ، قم، کشف الغمہ، علی بن عیسی اربلی، جلد ۱، ص ۹۔

56۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۷　57۔ خطبہ ۱۵۸　58۔ خطبہ ۱۵۸

59۔ النھایۃ فی غریب الحدیث، مجد الدین ابن اثیر، مادہ "سنن"، دار احیاء التراث، بیروت　60۔ احزاب، آیت ۲۱

61۔ القلم، آیت ۴　62۔ حشر، آیت ۷　63۔ نساء، آیت ۵۹

64۔ آل عمران، آیت ۳۱　65۔ الأمالی، شیخ مفید (متوفی ۴۱۳ھ ق)، ص ۱۸۸، کنگرہ شیخ مفید، قم، ۱۴۱۳ھ ق۔

66۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۸　67۔ خطبہ ۱۵۸　68۔ خطبہ ۱۵۸

69۔ نہج البلاغہ، مکتوب ۵۳　70۔ خطبہ ۱۴۷

71۔ بحار الانوار، علامہ باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ھ ق)، جلد ۶۷، ص ۳۰۹، مؤسسۃ الوفاء، بیروت، ۱۴۰۴ھ ق؛ مشکاۃ الانوار، ابو الحسن علی بن حسن طبرسی (متوفی ۶۰۰ھ ق)، ص ۴۶، کتابخانہ حیدریہ، نجف، ۱۳۸۵ھ ق۔

72۔ تکویر، ۱۹۔۲۱　73۔ مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۱، ص ۱۲۳　74۔ خطبہ ۱۷۱

75۔ خطبہ ۲۶　76۔ خطبہ ۱۸۳　77۔ خطبہ ۷۰

78۔ خطبہ ۱۱۴　79۔ خطبہ ۷۰　80۔ احزاب، ۴۰

81۔ اصول کافی، محمد بن یعقوب کلینی، جلد ۸، ص ۱۰۶؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید معتزلی، جلد ۵، ص ۲۴۷، شواہد التنزیل، حاکم حسکانی (متوفی ۴۹۰ھ ق)، جلد ۲، ص ۳۵، مؤسسہ چاپ و نشر، ۱۴۱۱ھ ق؛ اعلام الوری، فضل بن حسن طبرسی (متوفی ۵۴۸ھ ق)، ص ۱۶۷، دار الکتب الاسلامیہ، تہران؛ تحف العقول، حسن بن شعبہ حرانی، ص ۴۵۸، انتشارات جامعہ المدرسین، قم، ۱۴۰۴ھ ق۔

82۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۳۱　83۔ خطبہ ۱۷۱　84۔ خطبہ ۸۵

85۔ خطبہ ۷۰　86۔ خطبہ ۱　87۔ خطبہ ۸۹

88۔ خطبہ ۲۳۲

شیعوں کے اوصاف

(اہل بیت اطہارؑ کی نگاہ میں)

سید رمیز الحسن موسوی *
srhm2000@yahoo.com

کلیدی کلمات: شیعہ شناسی، شیعہ اثنا عشریہ، پیروی اہل بیتؑ، ائمہ اطہارؑ، اسلامی انقلاب، امام خمینیؒ

خلاصہ

امت مسلمہ کا ایک بہت بڑا فرقہ شیعیانِ اہل بیتؑ اطہار علیہم السلام ہیں۔ ایران میں امام خمینی کی رہبری میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد سے جہاں دشمنان اسلام کے لئے اس مسلم فرقہ کی شناخت ایک خاص اہمیت کی حامل ہے وہاں دیگر فرق و مذاہب کے پیروکاروں اور خود اِس فرقہ میں شامل افراد کے لئے بھی حقیقی شیعہ کا تعارف بہت ضروری ہے تاکہ اس فرقہ کے حوالے سے دوستوں و دشمنوں کے اذہان میں پائی جانے والی منفی ذہنیت کا سدّباب کیا جاسکے۔ وطنِ عزیز پاکستان میں بھی حقیقی تشیع کی شناخت ضروری ہے، کیونکہ تشیع کے اندر موجود غیر تربیت یافتہ اکثریت کی تربیت کے ساتھ دوسرے مکاتیب فکر تک اپنا صحیح پیغام پہچانا اور اپنی درست شناخت کرانا بھی اہم ہے۔ بعض لوگ شناخت نہ ہونے کی وجہ سے ہر محب اہل بیت کو شیعہ ہی سمجھتے ہیں اور اُس کے ہر کام کو تشیع کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ لیکن یہ بات اُس عالمی شیعی تحریک کے بالکل برعکس ہے جس نے اس وقت دنیا میں اسلام کا پرچم بلند کیا ہوا ہے اور جس کے آئینے میں ہی دین اسلام کو دیکھا جارہا ہے۔ اس مقالے میں ائمہؑ اہل بیتؑ کی زبان سے حقیقی شیعوں کے اوصاف ذکر کئے جارہے ہیں جن کی روشنی میں ہی حقیقی تشیع کی شناخت اور تشیع کے پرچم تلے چلنے والی موجودہ اسلامی تحریک کو سمجھنا آسان ہے۔

*۔مدیر مجلّہ سہ ماہی نور معرفت، نور الہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بارہ کہو، اسلام آباد

تمہید

عصر حاضر میں شیعہ شناسی کو ایک اہم موضوع کی حیثیت حاصل ہوچکی ہے۔ گذشتہ ۳۸ سالوں میں دنیا کی سیاست میں شیعہ اثنا عشریہ امامیہ، اسلام کے نمائندہ مکتب کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا ہے۔ چونکہ ایران میں اسلامی انقلاب اور اس کے نتیجے میں قائم ہونے والی اسلامی جمہوری حکومت کے اثرات پوری دنیا بالخصوص مسلمان ممالک پر مرتب ہوئے ہیں۔ اس انقلاب کی وجہ سے جہاں عالمی سامراج کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے، وہاں اسلامی ممالک میں بھی سیاسی و اجتماعی لحاظ سے فکری تحول برپا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے مختلف طبقات و مکاتیب فکر میں نشاۃ ثانیہ کا احساس و جذبہ پیدا ہوا ہے اور دشمنان اسلام کی پوری توجہ بھی مسلمانوں کے اس قدیم و اصیل مکتب فکر کی طرف مبذول ہوچکی ہے۔ اسی لئے شیعہ شناسی کے بارے میں پوری دنیا کے اسٹرائجیک مراکز میں کام ہورہا ہے۔

لہٰذا عصر حاضر میں شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کی شناخت نہ فقط دشمنان اسلام بالخصوص سامراجی طاقتوں کے لئے ضروری ہے کہ جن کی بقا کے لئے شیعہ عقائد و نظریات خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں اور شیعہ امامیہ نظریات کے عروج سے جن کا سامراجی مستقبل مخدوش ہوچکا ہے وہاں خود شیعہ اور پیروی اہل بیتؑ کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے بھی حقیقی شیعوں اور اصیل تشیع کی پہچان و معرفت لازمی ہے۔ کیونکہ امام مہدی علیہ السلام کے وجود اور اُن کے دین اسلام کے آخری الٰہی نمائندے کے طور پر ظہور کا عقیدہ، شیعہ مکتب کا بنیادی عقیدہ ہے۔ جس کے بعد پوری دنیا سے ظلم ستم کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور عدل و انصاف بمعنیٰ واقعی قائم کردیا جائے گا۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام بالخصوص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تعلیمات میں شیعوں کی تربیت کا پہلو بہت زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ کیونکہ حقیقی اسلام ناب محمدیؐ کی ترویج و ترقی میں اور انسانیت کی دنیوی و اُخروی سعادت و فلاح میں ائمہ طاہرینؑ کے پیروی کا کردار بہت اہم ہے۔ بانی اسلام حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے فرامین کے مطابق شیعیان واقعی ہی دنیا و آخرت میں فائز المرام ہیں اور امام علیؑ اور اُن کے گیارہ معصوم فرزندوں کی پیروی ہی سعادت کی ضامن بن سکتی ہے۔

عصر حاضر میں پوری دنیا میں مسلمانوں کی اجتماعی و سیاسی عزت و شوکت کا باعث یہی حقیقی تشیع ہے کہ جو ایران و لبنان سے لے کر عراق و شام اور افریقہ کے صحراؤں تک اسلام ناب محمدیؐ کا پرچم بلند کئے ہوئے ہے۔ اس پرچم اسلام کی سربلندی کے پیچھے یہی تربیت یافتہ تشیع ہے جو ائمہ طاہرینؑ کے حقیقی شیعہ ہیں اور جن کے کردار میں ظلم ستیزی و مظلوم سے ہمدردی نمایاں ہے، یہی ائمہ طاہرینؑ کی تربیت کا اثر ہے۔

پاکستان میں بھی حقیقی تشیع کی شناخت اور اس کے اسلام کی پیشرفت میں کردار کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہ شیعیان اہل بیتؑ ہی ہیں کہ جو اپنے صبر و تحمل، قوت برداشت اور اسلام کی گہری معرفت کے ساتھ دوسرے اسلامی مسالک کے ساتھ رواداری، ہم آہنگی اور مذہبی و دینی بھائی چارے کے ساتھ اسلامی اصولوں کی پاسداری کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں اور پوری انسانیت کی نجات و ہدایت کے لئے حقیقی دین کی معرفت کرا سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے بہت سخت مراحل سے گذرنا ضروری ہے۔ جن میں سے ایک اہم مرحلہ اپنے اندر موجود غیر تربیت یافتہ اور دینی شعور سے عاری اکثریت کی تربیت کا مرحلہ ہے اور پھر اپنے مخالف مکاتیب فکر تک اپنا صحیح پیغام پہچانے اور اپنی درست شناخت کرانے کا مرحلہ ہے۔ کیا پاکستان میں موجود شیعوں کی اکثریت اُسی شیعی معیار پر پوری اُترتی ہے کہ جس کی تاکید ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے کی ہے؟ اور جس پر شیعوں کے علمائے ربانی زور دیتے ہیں؟ یقیناً ایسا نہیں ہے بہت سے لوگ شیعہ گھرانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے شیعہ ہیں اور اہل بیت اطہار علیہم السلام سے محبت و عقیدت رکھنے کی وجہ سے یا چند مذہبی مراسم ادا کرنے کی وجہ سے بزعم خود اور دوسروں کی نظر میں شیعہ کہلاتے ہیں، لیکن ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے جو شیعیت کا اور اپنی پیروی کا معیار دیا ہے، اُس پر ہرگز پورے نہیں اُترتے اور یہی غیر تربیت یافتہ محبین اہل بیتؑ، دشمنان اسلام کا من پسند طبقہ ہے اور مسلمانوں میں تفرقے کے بیج بونے کے لئے زرخیز زمین کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دوسری جانب غیر شیعہ مسلمان بھی اہل بیت اطہارؑ کی تعلیمات اور دینی اہداف سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ہر محب اہل بیتؑ اور اُن ذوات مقدسہ سے عقیدت رکھنے والے شخص کو شیعہ ہی گردانتے ہیں اور اُن کے ہر قول و فعل کو شیعیان اہل بیتؑ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ لیکن یہ بات اُس عالمی شیعی تحریک کے بالکل برعکس ہے کہ جس نے اس وقت عالمی سطح پر اسلام کا پرچم بلند کیا ہوا ہے اور جس کے آئینے میں ہی

دین اسلام کو دیکھا جارہا ہے۔ لیکن اہل بیتؑ سے منسوب نادان اور بے تربیت محبین کے اعمال کو سامنے رکھ کر کچھ نامرئی قوتوں کی طرف سے اس پوری شیعی تحریک کو دانستہ یا ندانستہ طور پر نقصان پہنچایا جارہا ہے اور اہل بیتؑ کے پیروکاروں کے ساتھ ایسی باتیں منسوب کی جاتی ہیں کہ جن کے خلاف وہ خود صدیوں سے برسرپیکار ہیں۔ کسی ایسے گروہ کو قرآن اور توحید کا مخالف قرار دینا کہ جس کے وجود کا فلسفہ ہی قرآن اور توحید کی ترویج ہے!

اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے، لیکن اس کی بڑی وجہ مذہب اہل بیتؑ کی درست شناخت نہ ہونا ہے اور ایسے لوگوں کو شیعہ کے عنوان سے متعارف کرانا ہے جو شیعیت کی الف ب سے بھی آگاہ نہیں ہیں۔ لہٰذا اس وقت شیعیت کی شناخت و معرفت کے وہ معیارات ذکر کرنا بہت ہی ضروری ہیں کہ جن کی روشنی میں جاری عالمی اسلامی تحریک کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، وہ تحریک کہ جو امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور اور اسلام کی دائمی فتح تک جاری وساری رہے گی۔ یہی وہ نکتہ ہے کہ جس کو مد نظر رکھتے ہوئے دشمنان اسلام خصوصاً عالمی یہودیت و صیہونیت کی پشت پناہی سے پوری دنیا میں شیعیت کو نقصان پہچانے کی غیر معمولی کوششیں جاری ہیں۔ اس مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مقالے میں اہل بیت اطہار علیہم السلام کی زبان سے حقیقی شیعیان اہل بیتؑ کے اوصاف ذکر کئے جارہے ہیں جن کی روشنی میں اہل بیت اطہارؑ کے پیروکاروں کی شناخت ممکن ہے اور موجودہ اسلامی تحریک اور اسلامی بیداری کے اس جاری وساری عمل کو سمجھنا آسان ہے۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن کی روشنی میں خواہ تشیع کا دعوی کرنے والی اکثریت ہو یا شیعہ کے مد مقابل دینی مسالک ہوں، اُن کو حقیقی شیعیت کی شناخت کرنی چاہیے۔

حقیقی تشیع کی اہمیت

اس وقت وہ عالمی اسلامی تحریک کہ جو تشیع کے پرچم کے ساتھ پوری دنیا سے ظلم و ستم کا ختم کرکے عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہے اور امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی عالمی حکومت کے قیام کے لئے راستہ ہموار کرنے کی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے۔ عصر جدید میں اس عالمی تحریک کے بانی اور رہبر حضرت امام خمینیؒ کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو ان میں بھی اس عالمی اسلامی تحریک کا بنیادی عنصر یہی اصیل تشیع ہے، جس کے بارے میں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی روایات میں واضح علامات ذکر ہوئی ہیں اور ائمہ اطہارؑ

نے اپنے حقیقی شیعوں کے اوصاف بیان کرکے، اُنہیں اسلام ناب محمدیؐ کا پیروکار قرار دیا ہے۔ امام خمینیؒ نے بھی اپنی بہت سی تحریروں میں اسی اصیل تشیع کے احیاء پر زور دیا ہے اور محبین اہل بیتؑ کو اہل بیتؑ کا حقیقی معنوں میں شیعہ (پیروکار) بننے کی تاکید کی ہے۔ امام خمینیؒ اپنی کتاب "شرح چہل حدیث" کی تینتیسویں حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"مؤمن کا دل عرش و سلطنت الٰہی اور خدا کی منزل ہے اور اس دل کا مالک ذات خدا ہے۔ (اب اگر کسی نے غیر حق کی طرف توجہ کی تو گویا اس نے حق سے خیانت کی ہے اور خدا اور خدا کے مخصوص بندوں کی محبت کے علاوہ جو عین محبت خدا ہے، جس نے کسی اور سے محبت کی، مشرب عرفان میں وہ خائن ہے اور ولایت اہل بیت عصمت و طہارت اور خاندان رسالت عصمت و طہارت کی مودّت اور ان کے اعلیٰ مقام کی معرفت (یہ سب) حق کی امانت ہے۔ چنانچہ بہت سی تفسیروں میں لفظ امانت جو آیت(1) کے اندر آئی ہے اس کی تفسیر، ولایت امیر المؤمنینؑ سے کی گئی ہے اور اسی لئے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و سلطنت کا غصب کرنا امانت میں خیانت ہے اور حضرت علیؑ کی پیروی نہ کرنا (بھی) خیانت کا ایک مرتبہ ہے اور احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ جو حضرت علیؑ کی مکمّل پیروی کرے وہی شیعہ ہے ورنہ پیروی کے بغیر تشیّع کا دعویٰ کرنے والا شیعہ نہیں کہلائے گا۔"(2)

آگے چل کر امام خمینیؒ اہل بیتؑ کی پیروی کے بغیر دعویٰ تشیع کے خطرناک اُخروی نتائج کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بہت سے خیالات جھوٹی اشتہا کے مانند ہوتے ہیں۔ (مثلاً) محض اپنے دل میں حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پاک کی محبت محسوس کرکے ہم مغرور ہوجاتے ہیں اور گمان کرنے لگتے ہیں کہ پیروی کے بغیر بھی یہ دوستی باقی رہ سکتی ہے! آخر اس پر کیونکر اطمینان کیا جاسکتا ہے کہ اگر انسان مراقبت نہ کرے اور آثار مودّت کو ترک کردے تب بھی یہ مودت باقی رہ سکتی ہے؟ بہت ممکن ہے کہ سکرات کی سختیاں جو غیر مؤمنین و مخلصین کے لئے ہیں، ان کی دہشت و وحشت سے آدمی حضرت علیؑ کو بھول جائے۔ (جیسا کہ) حدیث میں ہے: "اہل

معصیت کا ایک گروہ جہنم میں معذّب ہوگا اور رسول خداﷺ کا نام بھول چکا ہوگا۔ پھر جب عذاب کی مدت گزر جائے گی اور وہ گناہوں سے پاک ہوجائے گا تو حضرت رسولﷺ کا اسم مبارک ان کو یاد آجائے گا اور وہ بلند آواز سے فریاد کریں گے: وا محمداہ ﷺ" تب جا کر مستحق رحمت ہوں گے"(3)(4)

"شرح چہل حدیث" میں امام خمینیؒ نے بہت سے مقامات پر ائمہ طاہرین علیہم السلام سے حقیقی و غیر حقیقی تشیع کے بارے میں روایات نقل کی ہیں، جن سے ہم نے اس مقالے میں استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح علامہ مجلسیؒ نے بھی بحار الانوار کی چند جلدوں کے بعض حصوں میں "شیعوں کی صفات" کے بارے میں ائمہ طاہرینؑ کی احادیث نقل کی ہیں جو ہر محب اہل بیتؑ کے لئے حجت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم نے اس مقالے میں بحار الانوار کے اس حصے سے بھی بہت سی روایات نقل کی ہیں۔

اہل بیت اطہارؑ کی زبان سے شیعوں کے اوصاف

ان اوصاف کو ہم انفرادی اور اجتماعی اوصاف میں تقسیم کرکے بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

شیعوں کے انفرادی اوصاف

اس حصے میں شیعوں کی بعض انفرادی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا جائے گا کہ جن کی وجہ سے اہل بیت اطہارؑ کے حقیقی شیعہ اور پیروکار کو پہچانا جاسکتا ہے اور شیعیت کا دعویٰ کرنے والے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ان اوصاف و خصوصیات سے مزین کرے اور اپنی پیروی اہل بیتؑ کو اس معیار پر پرکھے۔

ا۔ تشیع کا دعویٰ

صدر اسلام سے ہی تشیع کی پہچان کا معیار عمل اور پیروی اہل بیت رسولؐ تھا جیسا کہ اس روایت سے واضح ہوتا ہے:

وقال الإمام(ع): قال رجل لرسول اللّه(ص)... فقال رسول اللّه(ص): لا تقل إنّه من شيعتنا فإنّه كذب، إنّ شيعتنا من شيّعنا و تبعنا في أعمالنا و ليس هو الّذي ذكرته في هذا الرّجل من أعمالنا۔

امام فرماتے ہیں: ایک شخص نے رسول خداﷺ سے عرض کیا: ۔۔۔۔"رسول خداﷺ نے فرمایا: یہ مت کہو وہ ہمارے شیعوں میں سے ہے، یہ جھوٹ ہے، ہمارا شیعہ تو وہ ہے جو

ہمارے ساتھ چلے اور اعمال میں ہماری پیروی کرے اور جس شخص کے بارے میں تم نے کہا (ہمسائے کی حریم کی طرف دیکھنا) ہمارے اعمال میں سے نہیں ہے۔(5)

۲۔امانتداری

مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بِاسْنَادِهِ عَنْ ابِي حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ، قالَ: سَمِعْتُ سَيِّدَ الْعابِدِينَ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ ابِي طالِبٍ عليه السّلام. يَقُولُ لِشِيعَتِهِ: عَلَيْكُمْ بِاداءِ الأَمانَةِ، فَوَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّداً، صلّى اللّه عليه و آله بِالْحَقِّ نَبِيّاً، لَوْ اَنَّ قاتِلَ ابِي الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، عَلَيْهِمَا السَّلامُ، ائْتَمَنَنِي عَلَى السَّيْفِ الَّذِي قَتَلَهُ بِهِ، لَأَدَّيْتُهُ اِلَيْهِ۔(6)

محمد بن علی بن الحسین، ابوحمزۂ ثمالی سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اپنے شیعوں سے فرما رہے تھے: تمہارے اوپر واجب ہے امانتوں کا واپس کرنا۔ اس خدا کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اگر میرے باپ حسین ابن علی علیہما السلام کا قاتل جس تلوار سے اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے، میرے پاس بطور امانت رکھ دے تو میں اس کو واپس کردوں گا۔

۳۔ تقویٰ وپرہیزگاری

وسائل میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: لاتُنالُ وِلايَتُنا اِلاّ بِالْعَمَلِ وَالْوَرَعِ: یعنی؛ہماری ولایت تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔(7)

ایک دوسری روایت ہے:

عن ابی عبد الله قالَ: يا عِيسىٰ بْنَ عَبْدِ الله! لَيْسَ مِنّا وَلا كَرامَةُ مَنْ كانَ فِي مِصْرٍ فِيهِ مِأَةُ اَلْفٍ اَوْ يَزِيدُونَ وَكانَ فِي ذٰلِكَ الْمِصْرِ اَحَدٌ اَوْرَعَ مِنْهُ۔(8)

دوسری روایت میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”جس شہر میں ایک لاکھ آدمی رہتے ہوں اور اس میں ہمارا ایک شیعہ ہو جس سے کوئی اور زیادہ پرہیزگار ہو، وہ شخص ہمارا شیعہ نہیں ہے“ کافی شریف میں بھی اس مضمون کی روایت موجود ہے۔

اس روایت کے ذیل میں امام خمینیؒ ایک شبہے کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ بحسب روایات کمال تقویٰ کا معیار محرمات الٰہیہ سے اجتناب ہے۔ جو بھی محرمات سے پرہیز کرے گا وہ متّقی ترین آدمی شمار ہوگا۔ لہٰذا یہ بات آپ کی نظر میں نہ آئے اور شیطان آپ کو دھوکہ نہ دے، کیونکہ اس ملعون کی عادت ہے کہ انسان کو مأیوس کر کے شقاوت ابدی کے حوالے کردیتا ہے۔ اس طرح کہ وہ آپ کو سمجھائے گا: جہاں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگ ہوں بھلا کیونکر ممکن ہے انسان سب سے زیادہ متقی ہو؟ یہ شیطان لعین کی مکاری اور نفس امارہ کا وسوسہ ہے اور (شیطان کے شبہہ کا) جواب یہ ہے کہ: حسب روایات جو شخص محرمات الٰہیہ سے اجتناب کرے وہ اس روایت میں شامل ہے اور متّقی ترین افراد میں اس کا شمار ہے اور محرمات الٰہیہ سے اجتناب کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے، بلکہ تھوڑی سی ریاضت کے بعد تمام محرمات کو ترک کرسکتا ہے اور ظاہر ہے جو شخص اہل سعادت و نجات ہونا چاہتا ہے اور وہ ولایت اہل بیتؑ کے ذریعے عنایات الٰہی کا مستحق بننا چاہتا ہے، اس کو ترک معصیت کے لئے زحمت برداشت کرکے اتنی محنت اور ریاضت تو کرنی ہی ہوگی۔(9)

۱۔ زیرکی اور عقلمندی

عَن نَوَفِ بنِ عبدِاللّٰهِ البَکالیّ قال: قال لی علیّ علیه السلام: یا نَوَفُ خُلِقْنا مِن طِینَةٍ طَیِّبَةٍ و خُلِقَ شِیعتُنا مِن طِینَتِنا ... فقُلتُ: صِفْ لی شِیعَتَكَ یا أمیرَالمؤمنین، فَبَکی لِذِکْرِی شِیعَتَه و قال: ... فَهُمُ الکاسَةُ الأَلِبّاء.... (10)

نوف بکالی سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: ہم اہل بیتؑ، پاک طینت خلق ہوئے ہیں اور ہمارے شیعہ (پیروکار) ہماری ہی طینت پر خلق ہوئے ہیں ۔۔۔ میں نے عرض کی: یاامیر المومنین: میرے لئے (حقیقی) شیعہ کی توصیف بیان کریں۔ امام علیہ السلام شیعہ کا نام آتے ہی رو پڑے اور فرمایا۔۔۔ وہ زیرک اور عقل مند ہوتے ہیں۔

۲۔ علم دوستی

عَن ابن أبي يَعْفُور، عَنْ أبي عبدِاللّه عليه السلام قال: إنّ شِيعةَ عَلِيٍّ عليه السلام كانُوا ... أهلَ رَأْفَةٍ وَعِلم... (11)

ابن یعفور نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: علیؑ کا شیعہ صاحب علم ورافت ہوتا ہے۔

و قوله عليه السلام: لِنَوْفِ البَكالِيّ: أَتَدْرِي يا نَوْفُ مَنْ شِيعَتِي؟ قال: لا واللّهِ، قال: شِيعَتِي ...عُلَماء... (12)

حضرت علی علیہ السلام نے نوف بکالی سے فرمایا: اے نوف! کیا تم جانتے ہو کہ میرا شیعہ (پیروکار) کون ہے ؟نوف نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جانتا: امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے شیعہ عالم وآگاہ ہوتے ہیں۔

قال نَوْف: عَرَضَتْ لي حاجَةٌ إلى أميرِالمؤمنين عليِّ بن أبي طالب عليه السلام ... فأَقْبَلَ عليه جُنْدَبٌ و الرَّبِيعُ، فقالا له: ما سِمَةُ شِيعَتِك يا أميرَالمؤمنين؟ ... و قال: ... يُرى لِاءَحَدِهِمْ ... حِرْصًا على عِلْم... (13)

نوف بکالی کہتے ہیں: میں ایک ضرورت کی وجہ سے امام علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ۔۔۔اُسی وقت جندب وربیع بھی وہاں آئے اور کہنے لگے: اے امیر المومنینؑ، آپ کے شیعوں (پیروکاروں) کی علائم کیا ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اُن میں سے ہر شخص حصول علم میں بہت زیادہ حریص نظر آئے گا۔

۳۔ بہت زیادہ کوشش وجد و جہد

عَنِ المُفَضَّلِ قال: قال أبوعَبْدِاللّه علیه السلام: إيّاكَ و السَّفَلَةَ؛ فَإِنَّما شِيعَةُ عليٍّ عليه السلام مَن... اشْتَدَّ جِهادُه... .(14)

مفضل کہتے ہیں: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: سفیہ اور پست لوگوں سے بچو، بتحقیق علیؑ کا شیعہ بہت زیادہ کوشش اور جد و جہد کرنے والا ہے۔

وَصِيَّتُهُ علیه السلام لِعَبْدِاللّهِ بنِ جُنْدَب ... يا ابنَ جُنْدَب بَلِّغْ شِيعَتَنا و قُلْ لَهُمْ: لاتَذْهَبَنَّ بِكُمُ المَذاهِبُ، فَوَاللّهِ لاتُنالُ وِلايَتَنا إلاّ بالوَرَعِ وَ الإجْتِهادِ فِي الدُّنْيا... (15)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عبداللہ بن جندب کو جو وصیتیں کی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے: ۔۔۔اے جندب! ہمارے شیعوں تک یہ بات پہنچادو کہ مختلف قسم کے مذاہب اور رجحانات تمہیں گمراہ نہ کردیں۔ خدا کی قسم! ہماری ولایت، دنیا میں کوشش اور ورع و تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔۔۔الخ

۴۔ تواضع اور انکساری

و بِالإسْنادِ إلى أبِي محمّدٍ العسكريّ أنَّهُ قال: ... مَنْ تَواضَعَ فِي الدُّنْيا لِإخْوانِه فَهُوَ عِنْدَاللّهِ مِنَ الصِّدّيقينَ و مِنْ شِيعَةِ عليّ بنِ أبِي طالِبٍ عليه السلام حَقًّا... .(16)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو بھی اپنے کسی دینی بھائی کے ساتھ تواضع و انکساری کے ساتھ پیش آتا ہے، اُس کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں "صدیقین" اور علی علیہ السلام کے شیعوں میں شمار ہوتا ہے۔

عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّهِ جَعْفَرِ بنِ محمّد صَلَواتُ اللّهِ عَلَيْهِما أَنّه قالَ: لَنُحِبُّ مِنْ شِيعَتِنا مَن كانَ عاقِلاً ... ثُمَّ قال: إنَّ اللّهَ تَبارَكَ وَ تَعالى خَصَّ الأنبياءَ عليه السلام بِمَكارِمِ الأَخْلاقِ فَمَنْ كانَتْ فيهِ فَلْيَحْمَدِ اللّهَ عَلى ذلِكَ و مَنْ لَمْ يَكُنْ فيه فَلْيَتَضَرَّعْ إلَى اللّهِ وَلْيَسْأَلْهُ، قال: قُلْتُ: جُعِلْتُ فِداك و ما هِيَ؟ قال: ... القُنُوعُ.... (17)

بکیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہمارے شیعوں میں سے جو بھی عاقل ہوتا ہے ہم اُسے دوست رکھتے ہیں۔۔۔اس کے بعد فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مکارم اخلاق کے ساتھ مختص فرمایا ہے پس جس میں بھی مکارم اخلاق ہیں اُسے بارگاہ الٰہی میں شکر کرنا چاہیے اور جس میں اخلاق نہیں ہے، اُس کو بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری کرنی چاہیے اور اُس سے حسن خلق طلب کرنا چاہیے، بکیر نے عرض کی وہ اخلاق کون سے ہیں، امامؑ نے فرمایا: تواضع اور انکساری۔

۴۔شدت غم وحزن

کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: شِيْعَتُنَا (هُمُ) الشَّاحِبُوْنَ النَّابِلُوْنَ التَّاحِلُوْنَ الَّذِيْنَ اِذا جَهَّنُمُ اللَّيْلُ اِسْتَقْبَلُوْهُ بِحُزْنٍ۔(18)

''ہمارے شیعہ وہ ہیں جو حزن واندوہ والے اور شدت حزن وعبادت سے کمزور جسم والے ہیں، وہ ایسے ہیں کہ جب رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کا استقبال حزن کے ساتھ کرتے ہیں''۔

اس طرح کی علامات شیعہ کو بیان کرنے والے روایات بہت زیادہ ہیں۔

۵۔شکم وفرج کی حرام سے حفاظت

کافی ہی میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ آپ نے مفضل سے فرمایا: اِيَّاكَ وَالسَّفْلَةَ! فَاِنَّمَا شِيْعَةُ عَلِيّ۔ مَنْ عَفَّ بَطْنُهُ وَفَرْجُهُ وَاشْتَدَّ جِهادُهُ وَعَمِلَ لِخالِقِهِ وَرَجا ثَوابَهُ وَخافَ عِقابَهُ. فَاِذا رَاَيْتَ وأُولٰئِكَ، فَأُولٰئِكَ شِيْعَةُ جَعْفَرٍ۔(19)

''پست قسم کے لوگوں سے بچو! حضرت علیؑ کے شیعہ وہی ہیں جن کے شکم وشرمگاہ حرام سے آلودہ نہ ہوں، جہاد میں شدید ہوں، اپنے خالق کے لئے عمل کرتے ہوں، اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوں، اس کے عقاب سے ڈرتے ہوں، اگر ایسے لوگوں کو دیکھو تو یہی لوگ جعفر صادقؑ کے شیعہ ہیں۔

۶۔ عدل وانصاف کی اہمیت

وَعَنْ الأَمالِي، لِلْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الطُّوسِی، شَيْخِ الطَّائِفَةِ، رَحِمَهُ اللهُ، بِاسْنادِهِ عَنِ الرِّضا عَنْ ابِيْهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ ابِی جَعْفَرٍ (عَلَيهِمُ السَّلامُ) انَّهُ قالَ لِخَيْثَمَةَ: (ابْلِغْ شِيْعَتَنا انَّا لا نُغْنِی منَ اللهِ شَيْئاً، وَبْلِغْ شِيْعَتَنا انَّهُ لا يُنالُ ما عِنْدَ اللهِ اِلاّ بِالعَمَلِ، وَبْلِغْ شِيْعَتَنا انَّ عُظَمَ النّاسِ حَسْرَةً يَومَ القِيامَةِ مَنْ وَصَفَ عَدْلاً ثُمَّ خالَفَهُ اِلی غَيْرِهِ، وَبْلِغْ شِيْعَتَنا انَّهُمْ اِذا قامُوا بِما مِرُوا انَّهُمْ هُمُ الفائِزُونَ يَومَ القِيامَةِ۔(20) شیخ الطائفہ طوسی کی امالی میں امام رضا علیہ السلام کے واسطہ سے امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے خیثمہ سے فرمایا: ہماری شیعوں کو بتا دو ہم خدا سے بے نیاز نہیں ہیں اور ہمارے شیعوں کو یہ خبر بھی دے دو کہ خدا کے پاس جو چیزیں ہیں وہ بغیر عمل کے نہیں مل سکتیں اور (یہ بھی) ہمارے شیعوں سے کہہ دو کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ حسرت وافسوس اس کو ہوگا جو عدل وانصاف کی توصیف کرے اور اس کی (عملاً) مخالفت کرے اور اس کو چھوڑ کر کسی اور صفت کو اپنالے اور یہ بھی خبر دے دو کہ اگر انہوں نے حکم خدا پر عمل کیا تو قیامت کے دن وہی کامیاب ہوں گے۔

۵۔ صداقت وسچائی

عَن زَيْدِ الشَحّامِ عَنْ أَبِي عبدِ اللّهِ عليه السلام عَن أَبيه عليه السلام قال: إِنَّ الرَّجُلَ كانَ فِي القَبِيلَةِ مِنْ شِيعَةِ علیّ عليه السلام فَيَكُونُ زَينَها ... أَصْدَقُهُمْ ... تُسْأَلُ العَشِيرَةُ عَنْهُ فَتَقُولُ: مَنْ مِثْلُ فُلانٍ! إِنَّهُ لَأَدّانا لِلأَمانَةِ وَأَصْدَقُنا لِلْحَدِيثِ۔ (21)

زید شحام کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد گرامی (امام محمد باقرؑ) سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ امام علی علیہ السلام کے شیعوں میں سے ایک شخص اپنے قبیلے کی زینت شمار ہوتا تھا۔۔۔ کیونکہ اُن میں سب سے زیادہ سچا شخص وہی تھا۔ جب اُس کے قبیلے سے اُس کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے: فلاں شخص کی طرح۔۔۔ کیونکہ وہ امانتداری اور سچائی میں ہم سب سے بہتر ہے۔

عَن بُکَیرٍ، عَن أَبِي عبدِاللّٰهِ جعفرِ بنِ محمّدٍ صَلَواتُ اللّٰهِ عَلَيْهِما أنّه قال: لَنُحِبُّ مِن شِيعَتِنا مَنْ كانَ ... صَدُوقًا وَفِيًّا، ثُمَّ قال: إنّ اللّٰهَ تَبارَكَ وَ تَعالىٰ خَصَّ الأَنْبِياءَ عليه السلام بِمَكارِمِ الأَخْلاقِ ... قال: قُلْتُ: جُعِلْتُ فِداكَ وَ ماهِيَ؟ قال: ... صِدْقُ الحَدِيثِ.... (22)

بکیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: بلاشک ہم اپنے شیعوں میں سے اُس شخص کو پسند کرتے ہیں کہ جو سچا اور وفادار ہو۔۔۔پھر فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مکارم اخلاق سے مخصوص کیا ہے۔ بکیر نے پوچھا: میں قربان جاؤں وہ مکارم اخلاق کون سے ہیں۔ فرمایا: جب بات کرے تو سچ بولے۔

و قالَ عليه السلام لِشِيعَتِهِ: أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ ... و صِدْقِ الحَدِيثِ... (23)

امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے شیعوں سے فرمایا: میں تمہیں تقویٰ الٰہی اور راستگوئی کی وصیت کرتا ہوں۔

۶۔ صاحب کردار و عمل

بِإِسْنادِ أَخي دعبل، عن أبي جعفر عليه السلام أَنَّهُ لايُنالُ ما عِنْدَاللّٰهِ إلاّ بِالْعَمَلِ، و أَبْلِغْ شِيعَتَنا أَنَّ أعظمَ الناسِ حسرةً يَوْمَ القِيامَةِ مَن وَصَفَ عَدْلاً ثُمَّ خالَفَهُ إِلى غَيْرِه، وَ أَبْلِغْ شِيعَتَنا أَنَّهُمْ إِذا قامُوا بما أُمِرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الفائِزُون يومَ القِيامَة۔ (24)

دعبل نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ عمل کے بغیر نہیں مل سکتا، ہمارے شیعوں کو بتا دو کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ حسرت وہ شخص کھائے کہ جو عدالت اور سچائی کی تو تعریف کرے، لیکن اس کے برعکس عمل کرے اور شیعوں تک یہ حقیقت پہنچا دو کہ وہ جس کام پر مامور کئے گئے ہیں اگر اُسے انجام دیں گے تو بلاشک قیامت کے دن سعادت مند ہوں گے۔

عَنْ جابِرٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ علیہ السلام فی قَوْلِهِ تَعالی: "و بشّر الذین آمنوا و عملوا الصالحات" فَالَّذین آمَنُوا و عَمِلُوا الصّالِحاتِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طالبٍ علیہ السلام و الأَوْصِياءُ مِنْ بَعْدِهِ و شِيعَتُهُمْ، قالَ اللّهُ تَعالى: "أنّ لهم جنّات تجری من تحتها الأنهار"۔ (25)

جابر سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "و بشّر الذین آمنوا و عملوا الصالحات" (جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال انجام دیئے ہیں اُنہیں بشارت دے دو) کے بارے میں فرمایا: "الذین آمنوا۔۔۔" حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور اُن کے بعد آنے والے اوصیا اور اُن کے شیعوں کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں فرمایا ہے: "أنّ لهم جنّات تجری من تحتها الأنهار" یعنی بتحقیق انہی کے لئے جنت کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

عَنْ جابِرٍ عن أبی جعفرٍ علیہ السلام و عَنْ تمیمِ بنِ حذیَم عن ابن عبّاس قال: لمّا نَزَلَ هذِهِ الآيَة: "إنّ الذین آمنوا و عملوا الصّالحات أولئك هم خیر البریّة" قال النبیُّ صلی اللہ علیہ و آلہ لِعَلِيٍّ علیہ السلام: هُوَ أَنْتَ وَ شِيعَتُكَ، تَأْتِي أَنْتَ وَ شِيعَتُكَ يومَ القِيامَةِ راضِينَ مَرْضِيِّين..." (26)

جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے تمیم اور ابن عباس کے ذریعے نقل کیا ہے: جب یہ آیہ مجیدہ نازل ہوئی: "إنّ الذین آمنوا و عملوا الصّالحات أولئك هم خیر البریّة" (27) (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہی لوگ ساری مخلوق سے بہتر ہیں) تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: اس آیت سے مراد تو اور تیرے شیعہ ہیں، جو روز قیامت عرصہ محشر میں اس حال میں وارد ہوں گے کہ تم بھی خدا سے راضی ہوگے اور خدا بھی تم سے راضی ہوگا۔ (28)

۷۔ شیعہ کی ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی

عن مِهْزَمٍ قال: دَخَلْتُ عَلى أبی عبداللّه علیہ السلام فَذَكَرْتُ الشِيعَةَ فقال: يا مِهْزَمُ إِنَّمَا الشِيعَةُ مَنْ... لَمْ يَخْتَلِفْ قَوْلُهُمْ وَإِنِ اخْتَلَفَ بِهِمُ الْبُلْدان.... (29)

مھزم کہتے ہیں میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور شیعہ کو یاد کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے مھزم، بتحقیق شیعہ وہ ہیں۔۔۔ جن کے قول میں اختلاف نہیں ہوتا خواہ اُن کے شہر اور علاقے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں۔

عن مِهْزَمِ الأَسَدِيّ قال: قال أَبُوعَبْدِاللّهِ عليه السلام : يا مِهْزَمُ شِيعَتُنا ... لَنْ تَخْتَلِفَ قُلُوبُهم، وَإِنِ اخْتَلَفَ بِهِمُ الدّار... (30)

مھزم سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے مھزم! ہمارے شیعہ وہ ہیں کہ جن کے دل ہر گز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے، اگرچہ ان کے گھر ایک دوسرے سے دور ہی کیوں نہ ہوں۔

قال علیؑ علیه السلام لِنَوْلاهُ نَوْفِ الشامِيّ: ... هَلْ تَدْرِي مَنْ شِيعَتِي ؒ قال: لا وَاللّهِ، قال: ... شِيعَتِي الّذين ... إِخْتَلَفَ بِهُمُ الأَبْدانُ، وَلَمْ تَخْتَلِفْ قُلُوبُهم... (31)

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے محب نوف شامی سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ شیعہ کون ہے؟ نوف نے عرض کی: خدا کی قسم میں نہیں جانتا: تو امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے شیعہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے بدن تو ایک دوسرے سے جدا ہیں، لیکن اُن کے دل جدا نہیں۔

۸۔ظاہر و باطن میں یکسانیت

قال أبوعبدِاللّهِ عليه السلام : يَنْبَغِي لِمَنِ ادَّعى هذَا الأمرَ فِي السِّرِّ أَنْ يَأْتِيَ عَلَيْهِ بِبُرْهانٍ فِي العَلانِيَةِ، قُلْتُ: وَ ما هَذَا البُرْهانِ الّذي يَأْتِي بِهِ فِي العَلانِيَةِ ؒ قال: يُحِلُّ حَلالَ اللّهِ و يُحَرِّمُ حَرامَ اللّهِ وَيَكُونُ لَهُ ظاهِرٌ يُصَدِّقُ باطِنَه۔ (32)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تنہائی میں اس امر (شیعہ ہونے) کا دعویٰ کرتا ہے اُسے آشکارا طور پر برہان و دلیل بھی پیش کرنی چاہیے (راوی کہتا ہے) میں نے پوچھا وہ کون سی دلیل و برہان ہے کہ جو اسے علانیہ پیش کرنی چاہیے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: حلال خدا کو حلال سمجھے اور حرام خدا کو حرام جانے اور ایسے ظاہر کا مالک ہو جو اس کے باطن کی تصدیق کرے۔

۹۔برائی کرنے والوں سے درگذر

عَنْ أَبِي إِسماعِيلِ قال: قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ: جُعِلْتُ فِداكَ، إِنَّ الشِيعَةَ عِنْدَنا كَثِيرٌ فقال: ... هَلْ يَتَجاوَزُ المُحْسِنُ عَلَى المُسِى ء و يَتَواسَوْنَ؟ فَقُلْتُ: لا، فقال: لَيْسَ هؤُلاءِ شيعةٌ، الشيعةُ مَنْ يَفْعَلُ هذا۔(33)

ابو اسماعیل کہتے ہیں: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کی: میں آپ پر قربان جاؤں، ہمارے ہاں بہت زیادہ شیعہ ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: کیانیک لوگ، برائی کرنے والوں سے درگذر کرتے ہیں اور مساوات و برابری کا خیال کرتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، امامؑ نے فرمایا: پس وہ شیعہ نہیں ہیں، شیعہ تو وہ ہے جو ایسا کرے۔

۱۰۔سادگی

عَنْ جابِرعَنْ أَبِي جَعْفَرٍ علیه السلام قال: قال: يا جابِرُإِنَّما شِيعَةُ عليٍّ علیه السلام مَنْ ... أولئك الخَفِيفَةُعَيْشُهُمْ.... (34)

جابر سے منقول ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اے جابر! بے شک شیعیان علی علیہ السلام وہ لوگ ہیں جن کی سطح زندگی بہت ہی معمولی ہے۔

عَنْ أَبِي بَصِير، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّه علیه السلام قلتُ: جُعِلْتُ فِداك، صِفْ لي شِيعَتَك، قال: ... شِيعَتُنا الخَفِيفَةُعَيْشُهُمْ...(35)

ابو بصیر کہتے ہیں میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: میں قربان جاؤں میرے لئے اپنے شیعوں کی تعریف کیجئے تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعہ معمولی زندگی گذارتے ہیں۔

۱۱۔نماز کی پابندی

عَنِ ابن عُمَيْرقال: قلتُ لِأَبِي الحسن موسى علیه السلام: أخبرني عَنْ تَخَتُّمِ أميرالمؤمنين علیه السلام بِيَمِينِهِ... فقال: ... وَهُوَعَلامَةٌلِشِيعَتِنا، يُعْرَفُونَ بِهِ و بالمُحافَظَةِعَلى أَوْقاتِ الصَّلاةِ....(36)

ابن عمیر کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: مجھے حضرت علی علیہ السلام کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی وجہ سے آگاہ فرمایئے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ ہمارے شیعوں کی علامت ہے، وہ اس کے ذریعے اور نماز کے وقت کی پابندی کی وجہ سے پہنچانے جاتے ہیں۔

عَنِ اللَّيْثِي، عَنْ جَعْفَرِ بنِ محمّد عليه السلام قال: امتَحَنُوا شِيعَتَنا عِنْدَ ثَلاثٍ: عِنْدَ مَواقيتِ الصَّلَواتِ كَيْفَ مُحافَظَتُهُمْ عَلَيْها... (37)

لیثی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہمارے شیعوں کی تین مقامات پر آزمائش ہوتی ہے: نماز کے وقت اُنہیں دیکھیں کہ وہ اس کی کس طرح حفاظت کرتے ہیں۔۔۔الخ

عن ابو بصير قالَ: قالَ الصّادِقُ : شِيعَتُنا اهْلُ الْوَرَعِ وَالأَجْتِهاد واَهْلُ الْوَفاءِ وَالأَمانَةِ وَاهْلُ الزُّهْدِ وَالْعِبادَةِ وَاَصْحابُ الِاحْدىٰ وَخَمْسِينَ رَكْعَةً فِي الْيَومَ وَاللَّيْلَةِ، الْقائِمُونَ بِاللَّيْلِ الصّائِمُونَ بِالنَّهارِ، يُزَكُّونَ اَمْوالَهُمْ وَيَحِجُّونَ الْبَيْتَ وَيَجْتَنِبُونَ كُلَّ مُحَرَّمٍ "۔

ابو بصیر کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعہ اہل ورع واجتہاد، وفا وامانت اور اہل زہد و عبادت ہوتے ہیں، دن رات میں ۵۱ رکعت نماز پڑھنے والے، راتوں کو عبادت گزار اور دن میں روزہ دار ہوتے ہیں، اپنے اموال کی زکات دیتے، حج کرتے اور ہر حرام شئے سے بچتے ہیں۔ (38)

شیعوں کے اجتماعی اوصاف

انسان کی اجتماعی و انفرادی خصوصیات میں فرق کرنا اور اُن کی حدود مقرر کرنا بعض اوقات مشکل ہوتا ہے کیونکہ انسان مختلف پہلوؤں کا حامل ہوتا ہے، لیکن انسان کی بعض خصوصیات فردی سے زیادہ اجتماعی رنگ لئے ہوتی ہیں اور اُن کا زیادہ تر تعلق دوسروں کے حقوق سے ہوتا ہے لہٰذا یہاں روایات معصومین علیہم السلام میں شیعوں کی بعض ایسی صفات کی نشاندہی کرائی جائے گی جن کا اجتماعی پہلو، فردی پہلو سے زیادہ واضح ہے۔ پھر دین اسلام نے بھی انسانوں کے فردی فرائض سے زیادہ اجتماعی ومعاشرتی فرائض

کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس لحاظ سے شیعوں کے یہ اوصاف زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور شیعوں کے سنگین فرائض کا تعین بھی انہی کے ذریعے ہوتا ہے۔

۱۔ دوسروں کی تحقیر سے اجتناب

إِنّی سَمِعْتُ أَباعَبْدِاللّه علیه السلام یَقُولُ: ... لاتُحَقِّرُوا وَ لاتَجْفُوا فُقَرَاءَ شِیعَةِ آلِ محمّد صلی الله علیه و آله ...(39)

(مفضل بن عمر کہتے ہیں) میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ ۔۔۔آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیعہ فقراء کی تحقیر و توہین نہ کرو۔

۲۔ حق بات کو قبول کرنا

إِنّی سَمِعْتُ أَباعَبْدِاللّهِ علیه السلام یَقُولُ: ... لاتَغْضَبُوا مِنَ الحَقِّ إِذا قیلَ لَکُمْ. وَ لاتَبْغُضُوا أَهْلَ الحقِّ إِذا صَدَعُوکُمْ بِهِ، فإِنّ المُؤْمِنَ لایَغْضَبُ مِنَ الحَقِّ إِذا صُدِعَ به۔(40)

(مفضل بن عمر نے شیعوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا) میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ جب تمیں کوئی حق بات کہی جائے تو اُسے سن کر تم غصہ نہ کرو اور اہل حق جب تمہیں حق بات کی طرف بلائیں تو اُس سے کینہ نہ رکھو چونکہ مومن کو جب حق بات کی طرف بلایا جاتا ہے تو اس پر غضب ناک نہیں ہوتا۔

۳۔ اہل سنت کے ساتھ پسندیدہ رویہ

و قال علیه السلام لِشِیعَتِهِ: أُوصِیکُم بِتَقْوَی اللّهِ وَ ... صَلُّوا فی عَشائِرِهِمْ وَاشْهَدُوا جَنائِزَهُمْ وَ عُودُوا مَرْضاهُمْ وَ أَدُّوا حُقُوقَهُمْ فَإِنَّ الرَّجُلَ مِنْکُمْ إِذا وَرَعَ فی دِینِه وَ صَدَقَ فی حَدِیثِهِ وَ أَدَّی الأَمانَةَ و حَسُنَ خُلُقُه مَعَ الناسِ قیلَ: هذا شِیعِیٌّ فَیَسُرُّنی ذلِكَ. اتَّقُوا اللّهَ وَ کُونُوا زَیْناً وَ لاتَکُونُوا شَیْناً. جُرُّوا إِلَیْنا کُلَّ مَوَدَّةٍ وَادْفَعُوا عَنّا کُلَّ قَبِیحٍ فَإِنَّهُ ما قِیلَ فِینا مِنْ حُسْنٍ فَنَحْنُ أَهْلُه و ما قِیل فِینا مِنْ سُوءٍ فَما نَحنُ کَذلِك...(41)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے شیعوں (پیروکاروں) سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔۔۔اور یہ کہ اُن قبائل کے درمیان (غیر شیعہ کی مساجد میں) نماز ادا کرو، اُن کی تشییع جنازہ میں شرکت کرو، اُن کے بیماروں کی عیادت کرو اور اُن کے (انفرادی واجتماعی) حقوق ادا کرو۔ کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے دین میں تقویٰ اور پرہیزگاری رکھتا ہے اور اپنے قول کا سچا ہے اور امانتیں ادار کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے تو کہا جائے گا کہ وہ (اہل بیت اطہارؑ کا) شیعہ اور پیروکار ہے اور اس بات سے مجھے خوشی ہوگی۔ تقویٰ الٰہی کا خیال رکھو اور ہمارے لئے باعث زینت بنو نہ باعث ننگ و عار۔ ہر قسم کی اچھائی کو ہماری طرف نسبت دو اور ہر قسم کی برائی سے ہمیں دور رکھو، کیونکہ جتنی بھی اچھائیاں ہمارے بارے میں ذکر کی جاتی ہیں ہم اُن کے سزاوار ہیں اور جن برائیوں کو ہم سے منسوب کیا جاتا ہے، ہم اُن سے بری الذمہ ہیں۔

عَنْ عُمَرَبنِ أَبانٍ قال: سَمِعْتُ أَباعَبْدِاللّهِ علیه السلام یقول: یا مَعْشَرَ الشِیعَة ... عُودُوا مَرْضاهُمْ، وَاشْهَدُوا جَنائِزَهُمْ وَصَلُّوا فی مَساجِدِهِم وَلایَسْبِقُوکُمْ إلی خیرٍ فَأَنْتُمْ وَاللّهِ أَحَقُّ مِنْهُمْ بِهِ۔ (42)

عمر بن ابان کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے گروہ شیعہ! (غیر شیعہ) بیماروں کی عیادت کرو اور اُن کی تشییع جنازہ میں شرکت کرو اور اُن کی مساجد میں نماز پڑھو۔ کہیں وہ نیک کاموں میں تم پر سبقت نہ لے لیں۔ خدا کی قسم! تمہیں اُن سے زیادہ نیکی کے کام انجام دینے چاہیے۔

۴۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو دوسروں کے لئے وہی پسند کرو

و قال علیه السلام لِلْمُفَضَّلِ: أُوصِیكَ بِسِتِّ خِصالٍ تُبَلِّغُهُنَّ شِیعَتی، قُلْتُ: وَما هُنَّ یا سَیِّدی؟ قال علیه السلام: ... و أَنْ تَرْضی لِأَخِیكَ ما تَرْضی لِنَفْسِك... (43)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مفضل سے فرمایا: میں تجھے چھ اوصاف کی تاکید کرتا ہوں کہ جو میرے شیعوں تک پہنچا دو۔ میں نے عرض کی وہ کون سے اوصاف ہیں تو امام علیہ السلام نے فرمایا:۔۔۔جو کچھ اپنے لئے پسند کرتے ہو دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو۔۔۔الخ

۵۔ کمزوروں کی حمایت

دَخَلَ سَدِیرُ الصَیْرَفِی عَلی أَبِی عبدِاللّٰه علیه السلام و عِنْدَهُ جماعةٌ مِنْ أَصحابِهِ فقال: یا سَدِیرُ لاتَزالُ شِیعَتُنا مَرْعِیّینَ مَحْفُوظِینَ مَسْتُورِینَ مَعْصُومِینَ ما أَحْسَنُوا النَظَرَلِأَنْفُسِهِمْ فیما بَیْنَهم و بَیْنَ خالِقِهِم وَ صَحَّتْ نِیّاتُهم لِأَئِمّتِهِمْ وَ بَرُّوا إِخْوانَهُم فَعَطَفُوا عَلی ضَعِیفِهِمْ وَ تَصَدَّقُوا عَلی ذَوِی الفاقِةِ مِنْهُمْ...(44)

سدیر صرفی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُس وقت امامؑ کے کچھ اصحاب بھی وہاں موجود تھے، امام علیہ السلام نے اُن سے فرمایا: اے سدیر! ہمارے شیعہ جب تک اپنے متعلق اور اپنے پروردگار کے متعلق حُسن ظن رکھیں گے اور اپنے ائمہ (پیشواؤں) کے بارے میں اُن کی نیتیں ٹھیک رہیں گی، اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نیکی کرتے رہیں گے، اپنی طرف رجوع کرنے والے ضعیف و کمزور لوگوں کی حاجات پوری کرتے رہیں گے اور ضرورت مندوں کو صدقہ دیتے رہیں گے، ہمیشہ خدا کی حفاظت اور نظر کرم سے بہرہ مند رہیں گے اور دشمنوں کے ضرر اور گناہوں سے محفوظ رہیں گے۔

۶۔ دوسروں کو نقصان پہچانے سے اجتناب

عَنْ نَوْفِ بنِ عَبْدِاللّٰه البِکالی قال: قالَ لی علیٌّ علیه السلام: ... یا نَوْفُ شِیعَتی واللّٰهِ ... شُرُورُهُمْ مَکْنُونَةٌ... أَنْفُسُهُمْ مِنْهُمْ فی عِناءٍ، و النّاسُ مِنْهُمْ فی راحَة...(45)

نوف بکالی کہتے ہیں حضرت علی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:۔۔۔خدا کی قسم! ہمارے شیعوں کا شر پوشیدہ ہے اور وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔۔۔وہ خود دوسروں کی طرف سے سختیاں سہتے رہتے ہیں (لیکن) لوگ اُن کی طرف سے آسائش میں رہتے ہیں۔۔۔الخ

ایک اور مقام پر امام علیہ السلام نے فرمایا: ”شِیعَتُنا... شُرُورُهُمْ مَأْمُونَة...“ (46) یعنی: ہمارے شیعہ کسی کو نقصان و ضرر نہیں پہنچاتے۔

۷۔عہد و پیمان پورا کرنا

اجتماعی حقوق میں سے ایک اہم ترین حق دوسروں کے ساتھ کیا ہوا عہد و پیمان پورا کرنا ہے، جس معاشرے میں عہد و پیمان کی پابندی نہیں ہوتی وہ معاشرہ جہنم بن جاتا ہے اور بد عہدی کا نشانہ بننے والے لوگ ہمیشہ اذیت ناک زندگی گذارتے ہیں اور بد عہد طبقہ معاشرے کا ناپسندیدہ ترین طبقہ سمجھا جاتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پیروکاروں کو بد عہدی جیسی بُری صفت سے مبرا جانتے ہیں۔

عَنْ أَبِي بَصِيرقالَ: قالَ الصّادِقُ علیه السلام: شِيعَتُنا... أَهْلُ الوَفاء... (47)

ابو بصیر سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعہ اہل وفا ہیں۔

عَنْ بُكَيْر، عَنْ أَبِي عَبْدِاللّهِ جَعْفَرِ بن محمّد صَلَواتُ اللّهِ عَلَيْهِما أَنَّهُ قالَ: لَنُحِبُّ مِنْ شِيعَتِنا مَنْ كان... وفيّاً... (48)

بکیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً میں اپنے اُن شیعوں سے محبت کرتا ہوں جو اپنے عہد و پیمان کے بہت زیادہ وفادار ہوتے ہیں۔

۸۔دوسروں کے ساتھ صلح پسندی

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ علیه السلام قال: أَمِيرُالمُؤْمنين علیه السلام: شِيعَتُنا... سِلْمٌ لِمَنْ خالَطُوا۔ (49)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعہ۔۔۔ (ہمیشہ) اپنے ہم نشینوں کے ساتھ صلح جوئی کا رویہ رکھتے ہیں۔

و قال علیه السلام: يا شِيعَةَ آلِ محمّدٍ صلى الله عليه و آله إِنَّهُ لَيْسَ مِنّا مَنْ ... لَمْ يُحْسِنْ صُحْبَةَ مَنْ صَحِبَهُ... وَ مُصالِحَةَ مَنْ صالَحَهُ... (50)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیعوں! وہ شخص ہم میں سے نہیں۔۔۔جو اپنے ہم نشینوں اور لوگوں کے ساتھ نیکی و صلح و آشتی کا رویہ نہ رکھتا ہو۔

۹۔ بحث و تکرار سے اجتناب

بِالإِسنادِ عَنْ أَبِي محمّدٍ العسكري عليه السلام قال: ذُكِرَ عِنْدَ الصادقُ عليه السلام الجِدالُ فِي الدّين، وَإِنَّ رسولَ اللّه صلى الله عليه و آله و الأَئِمَّةَ المَعْصُومِين عليهم السلام قَدْ نَهَوا عَنْه فقال الصادقُ عليه السلام: لَمْ يُنْهَ عَنْه مُطْلقًا لٰكِنَّه نُهِيَ عَنِ الجِدال بغَيرِ الّتى هِيَ أَحْسَن، أما تَسْمَعُونَ اللّهَ يَقُولُ؟: " وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ " و قوله تعالى: " ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ " فالجِدالُ بِالَّتى هِيَ أَحْسَن قَدْ قَرَنَهُ العُلَماءُ بِالدِّينِ، و الجِدالُ بغَيرِالّتي هي أَحْسَن مُحَرَّمٌ و حَرَّمَهُ اللّهُ تعالى عَلى شِيعَتِنا...(51)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس دین کے بارے میں بحث و تکرار کی بات ہوئی اور یہ کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس بات سے منع فرمایا ہے تو حضرت (امام جعفر صادقؑ) نے فرمایا: اس سے مطلّقاً نہی نہیں کی گئی، بلکہ ناپسندیدہ اور بے جا بحث و تکرار (جدال) سے منع کیا گیا ہے۔ کیا تم نے خدا کا یہ کلام نہیں سنا کہ " وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ "(52) (یعنی؛ اور (اے مومنو!) اہلِ کتاب سے نہ جھگڑا کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو) نیز خداوندمتعال کا یہ فرمان کہ "ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ "(53) یعنی؛ (اے رسولؐ) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو)۔ جو (جدال) بحث و تکرار پسندیدہ ہے اُس سے مراد علمائے دین کا بحث کرنا ہے اور ناپسندیدہ جدال حرام ہے اور خداوند متعال نے اُسے ہمارے شیعوں پر حرام کردیا ہے۔

۱۰۔ ظالم حکمرانوں کے ساتھ تعاون سے اجتناب

شیعہ مسلمانوں کی ایک امتیازی خصوصیت ظلم ستیزی اور مظلوم کی حمایت ہے جو شیعوں نے اپنے معصوم رہبروں سے ورثہ میں لی ہے۔ شیعوں نے ہر دور کے ظالم کے خلاف عَلم جہاد بلند کیا ہے اور اس ظلم و

ستم کے خاتمے کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں۔ کیونکہ شیعوں کے ائمہ کا سب سے بڑا تاریخی امتیاز یہی ظلم ستیزی تھا جس کی سب سے بڑی مثال کربلا کا معرکہ ہے جس نے شیعیت کو ابھی تک زندہ رکھے ہوئے ہے۔ جس زمانے اور علاقے میں شیعہ ظلم و ستم کے خلاف خاموش دکھائی دیتے ہیں یا ظلم و ستم کا ساتھ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ سمجھیں کہ اس زمانے اور علاقے کے شیعہ، حقیقی شیعیت سے دور ہو چکے ہیں یا اپنے معصوم رہنماؤں کی تعلیمات کو فراموش کر چکے ہیں۔ ظالم حکمرانوں کے ساتھ تعاون سے اجتناب شیعوں کی سب سے بڑی علامت ہے جس کی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی تعلیمات میں بہت زیادہ تاکید ملتی ہے۔ اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں جن میں سے ایک روایت بطور نمونہ پیش کی جا رہی ہے۔

عَنْ مَسْعَدَةِ بنِ صَدَقَة قال: سَأَلْتُهُ، عَنْ قَوْمٍ مِنَ الشِّيعَةِ يَدْخُلُونَ فِي أَعْمالِ السُّلْطان و يَعْمَلُونَ لَهُمْ وَيَجْبُونَ لَهُمْ و يُوالُونَهُمْ، قال: لَيْسَ هُمْ مِنَ الشِيعَةِ... (54)

مسعدہ بن صدقہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بعض شیعوں کے بارے میں پوچھا جو سلاطین (ظالم بادشاہوں) کے کاموں میں شریک ہوتے ہیں اور اُن کے لئے کام کرتے ہوئے مالیات جمع کرتے ہیں اور اس طرح اُن کی مدد کرتے ہیں۔ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ شیعہ نہیں ہیں۔۔۔الخ

۱۱۔ مالی مدد مانگنے سے اجتناب

وَصِيَّتُهُ عليه السلام لِعَبْدِ اللّهِ بنِ جُنْدَب ... يَا ابْنَ جُنْدَب إِنَّما شِيعَتُنا يُعْرَفُونَ بِخِصالٍ شَتّى: ... لايَسْأَلُونَ لَنا مُبْغِضًا، وَلَوْ ماتُوا جُوعًا... (55)

عبد اللہ بن جندب کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے جو وصیتیں کی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ۔۔۔اے فرزند جندب! بلاشک ہمارا شیعہ چند خصوصیات کے ساتھ پہنچانے جاتے ہیں۔۔۔ (اُن میں سے ایک یہ کہ) وہ ہمارے دشمنوں سے کوئی چیز نہیں مانگتے خواہ بھوک سے مر ہی کیوں نہ جائیں۔

قال الصّادقُ عليه السلام: شِيعَتُنا مَنْ لايَسْأَلُ الناسَ شَيْئًا وَلَوْ ماتَ جُوعًا. (56)

ایک اور مقام پر فرمایا: ہمارے شیعہ وہ ہیں جو (مخالف) لوگوں سے کوئی چیز نہیں مانگتے خواہ بھوک سے مر ہی کیوں نہ جائیں۔

۱۲۔اعتدال ومیانہ روی

عَنْ عَمرِو بنِ سَعِیدِ بنِ بَلال، قال: دَخَلْتُ عَلى أَبِي جعفرٍ علیه السلام وَ نَحْنُ جَماعَةٌ فقال: كُونُوا النُمْرُقَةُ الوُسْطی یَرْجِعُ إِلَیْکُمُ الغالی وَیَلْحَقُ بِکُمُ التالی...(57)

عمرو بن سعید کہتے ہیں میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ میرے ساتھ اور بھی لوگ تھے تو امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اُس متوسط تکیہ گاہ کی مانند بن جاؤ کہ جس کی طرف (معاشرے کے) افراط پسند بھی رجوع کریں اور تفریط پسند افراد بھی تم سے ملیں۔۔۔الخ

۱۳۔غلو اور مبالغے سے اجتناب

عن عُمَر بن خالد، عَنْ أَبِي جعفرٍ علیه السلام قال: یا مَعْشَرَ الشِیعَةِ شِیعَةِ آلِ محمّدٍ، كُونُوا النُمْرُقَةُ الوُسْطی: یَرْجِعُ إِلَیْکُمُ الغالی، وَ یَلْحَقُ بِکُمُ التالی، فقال لَهُ رجلٌ مِنَ الأَنْصار، یقال له سَعْد: جُعِلْتُ فِداك مَا الْغالی؟ قال قومٌ یقولون فِینا ما لانَقُولُه فِي أَنْفُسِنا فَلَیْسَ أُولئِكَ مِنّا وَ لَسْنا مِنْهُمْ قال: فَمَا التّالی؟ قال: الْمُرْتادُ یُرِیدُ الخَیْرَ یَبْلُغُهُ الخَیْرُ یُوجَرُ عَلَیْه۔(58)

عمر بن خالد نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اے شیعیان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت! تم حد وسط میں رہو کہ غالی لوگ تمہاری طرف رجوع کریں اور تالی تم سے ملحق ہو جائیں۔ انصار میں سے کسی شخص نے جس کا نام سعد تھا، عرض کیا: میں قربان جاؤں! غالی کیا ہے؟ فرمایا: غالی ایک قوم ہے جو ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتی ہے جو ہم اپنے بارے میں نہیں کہتے۔ نہ یہ لوگ ہم سے ہیں اور نہ ہم ان سے ہیں۔ سعد نے پھر پوچھا: تالی کیا ہے؟ فرمایا: وہ شخص ہے جو طالب ہدایت ہے مگر اس کا راستہ نہیں جانتا، وہ چاہتا ہے کہ اس کو خیر ملے اور وہ عمل کرے۔

اس کے بعد امامؑ شیعوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

خدا کی قسم ہمارے پاس خدا کی طرف سے برائت اور آزادی (کا پروانہ) نہیں ہے۔ ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور نہ ہی ہم خدا پر کوئی حجت رکھتے ہیں۔ ہم بھی خدا سے تقرب، اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ تم میں سے جو خدا کا مطیع وفرمانبردار ہوگا ہماری ولایت ودوستی اسی کو فائدہ پہنچائے گی اور جو مطیع و فرمانبردار نہ ہوگا ہماری ولایت اس کو فائدہ نہ پہنچائے گی۔ تم پر وائے ہو! مغرور نہ ہو، تم پر وائے ہو! مغرور نہ ہو۔(59)

شیعہ، شرک اور غلو سے دور

شرک یہ ہے کہ کوئی اللہ تعالی کی ذات یا صفات خاصہ میں کسی کو شریک قرار دے، قدیم، قادر، مطلق، حی، مرید، مدرک متکلم، عالم، خدا کی صفات ثبوتیہ ہیں جن میں کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اگر اور خدا خالق و مالک ہے اب کسی اور کو ان صفات سے بلا قید، متصف سمجھا جائے تو یہ شرک ہے اور اگر کوئی اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے سجدہ ریز ہوجائے تو وہ شرک میں مبتلا ہے۔

شیعہ اعتقاد کے مطابق اللہ تعالی "لا مؤثر فی الوجود إلا الله سبحانه"، عالم وجود میں اللہ سبحانہ و تعالی کے سوا کوئی بھی مؤثر نہیں ہے اور اللہ کے سوا جتنے بھی انبیاء اور اولیاء اور اقطاب و علماء و عرفاء یا عام انسان یا دیگر موجودات بھی ہیں وہ سب اللہ تعالی کی مخلوق ہیں چنانچہ ان کو وجود میں مؤثر سمجھنا شرک ہے اور کہیں کوئی نبی یا کوئی ولی کوئی معجزہ دکھاتا یا کائنات میں کوئی تصرف کرتا نظر آئے تو جان لینا چاہئے کہ اس کو تصرف کا یہ حق اور یہ اختیار اللہ تعالی نے عطا فرمایا ہے اور یہ تصرف ان کا ذاتی نہیں ہے۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کے تابعدار اسی لئے ہیں کہ وہ "اللہ تعالی کے خاص بندے ہیں" اور ان کا اعتبار اللہ تعالی کی ذات سے براہ راست وابستگی کی بناپر ہے؛ اب اگر ہم ان کی مدح سرائی میں حد سے بڑھ جائیں۔ علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "یهلك فی رجلان: محب مُفرِط، و مبغض مُفَرِّط"۔ (60) دو آدمی میری وجہ سے نابود ہو جائیں گے: وہ جو میری محبت

میں غُلو کا ارتکاب کرے گا اور وہ جو میری دشمنی میں زیادہ روی کرے گا۔ اور نہج البلاغہ میں فرمایا: هَلَكَ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ غَالٍ وَ مُبْغِضٌ قَالٍ (61)

میری وجہ سے دو لوگ نابود ہوجائیں گے وہ جو میری محبت میں غلو کریں گے (اور مجھے اپنے درجے سے بڑھا کر (معاذاللہ) الوہیت کے قائل ہوں گے) اور وہ جو میری مخالفت میں بغض اور دشمنی کی انتہا تک پہنچیں گے۔

۱۴۔ دشمنی کو محبت میں بدلنا

قرآن مجید کی واضح تعلیم ہے کہ:

وَ لاَ تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لاَ السَّیِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِی هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِی بَیْنَكَ وَ بَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیمٌ۔ (62)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتے، اور برائی کو بہتر (طریقے) سے دور کیا کرو سو نتیجتاً وہ شخص کہ تمہارے اور جس کے درمیان دشمنی تھی گویا وہ گرم جوش دوست ہو جائے گا۔

عَنْ عَبْدِالأَعْلى، قال: قال لی أبوعبدالله جعفر بن محمّد علیه السلام: یا عَبْدَالأَعْلی ... فَاقْرَأْهُمُ السَّلامَ وَ رَحْمَةَ اللّهِ یعنی الشیعة وَ قُلْ: قالَ لَكُمْ: رَحِمَ اللّهُ عَبْدًا اسْتَجَرَّ مَوَدَّةَ الناسِ إِلی نَفْسِهِ وَإِلَیْنا، بِأَنْ یُظْهِرَ ما یَعْرِفُونَ وَیَكُفَّ عَنْهُمْ ما یُنْكِرُون۔ (63)

عبدالاعلیٰ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے عبدالاعلیٰ۔۔۔ اُن (شیعوں تک میری جانب سے) سلام اور رحمت خدا ابلاغ کرو اور کہو: تمہارے امام نے فرمایا ہے: خدا اُس بندے پر رحمت کرے کہ جو لوگوں کی محبت اور دوستی کو اپنی طرف اور ہماری طرف اس طرح موڑتا ہے، کہ جس کو وہ پہنچاتے ہیں اور اچھا سمجھتے ہیں، اُس کو ظاہر کرتا ہے اور جس چیز کو اچھا نہیں سمجھتے اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اُن کے سامنے انجام نہیں دیتا۔

و قال علیه السلام لِشِیعَتِهِ: ... اتّقوا اللّهَ و کونوا زَیناً و لاتکونوا شَیْناً، جرّوا إلینا کُلَّ مودّةٍ، وادفعوا عَنّا کُلَّ قبیح فإنّه ما قیل فینا مِن حُسُن فنحن أهلُه و ما قیل فینا مِن سوءٍ فما نحن کذلك...(64)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے شیعوں سے فرمایا: تقویٰ الٰہی کی رعایت کرو اور ہمارے لئے باعث افتخار بنو نہ باعث ننگ وعار۔ ہر مودت اور دوستی کو ہماری طرف موڑو اور ہر برائی کے سلسلے میں ہمارا دفاع کرو، کیونکہ ہمارے بارے میں جو بھی اچھائی اور خوبی بیان کی جاتی ہے ہم اس کے اہل ہیں اور جو بھی برائی اور بدی ہم سے منسوب کی جاتی ہے، ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔

۱۵۔ دشمن بنانے سے اجتناب

عَنْ أَبی عَبْدِاللّهِ علیه السلام:۔۔۔ أَنّ یَکُونُونَ لَنا شِیعَةً وَ إِنَّهُمْ لَیُخاصِمُونَ عَدُوَّنا فِینا حَتّی یَزِیدُوهُمْ عَداوَةً...(65)

مفضل نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ وہ کیسے ہمارے شیعہ ہو سکتے ہیں درحالانکہ وہ ہمارے بارے میں ہمارے دشمنوں سے نزاع اور جھگڑا کرتے ہیں اور اس طرح اُن کی دشمنی وعداوت میں مزید اضافہ کردیتے ہیں۔

۱۶۔ کتمان اور اسرار کی حفاظت

عَنِ الثُّمالی، عَنْ عَلیّ بن الحسین علیه السلام قال: وَدِدْتُ أَنّی افْتَدَیْتُ خَصْلَتَیْنِ فِی الشِیعَةِ لَنا بِبَعْضِ ساعِدِی: النَّزَقَ وَ قِلَّةَ الکِتْمان۔(66)

ثُمالی سے منقول ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: شیعوں کے دو خصلتوں کے بارے میں چاہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کے کچھ حصے فدا ہوں تاکہ ان کی وہ دو خصلت ختم ہو جائیں (اول) جہل اور حماقت کی وجہ سے کاموں میں جلدی کرنا (دوم) اسرار کو چھپانے میں کوتاہی کرنا۔

عَنْ مُيَسِّرٍ قال: قال أبوجعفر علیه السلام : يا مُيَسِّرُ أَلا أُخْبِرُكَ بِشِيعَتِنا؟ قُلْتُ: بَلى جُعِلْتُ فِداك قال: إِنَّهُمْ حُصُونٌ حَصِينَةٌ... لَيْسُوا بالمَذاييعِ البُذُر...(67) میسر سے روایت ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: اے میسر کیا تجھے شیعوں کے بارے میں خبر دوں، میں نے جواب دیا جی ہاں، آپ نے فرمایا وہ لوگ محکم قلعے ہیں وہ نہ راز کو فاش کرتے ہیں اور نہ ہی اسرار کی نگہداری میں کوتاہی کرتے ہیں۔

عَنِ اللَّيْثِي، عَنْ جَعْفَرِ بن محمّد علیه السلام قال: امتَحِنُوا شِيعَتَنا عِنْدَ ثَلاثٍ: ... عِنْدَ أَسْرارِهِمْ كَيْفَ حِفْظُهُمْ لَها عَنْ عَدُوِّنا...(68)

لیثی کہتے ہیں :حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے شیعوں کو تین اوقات میں آزماؤ۔۔۔اسرار کی حفاظت کے وقت کہ وہ کس طرح اپنے رازوں کو ہمارے دشمنوں سے چھپاتے ہیں۔

۱۷۔ شیعوں کے عقائد واخلاق

حقیقی شیعہ اپنے اُن عقائد سے پہنچانے جاتے ہیں جو اُنہوں نے اپنے ائمہ اور پیشواؤں سے حاصل کئے ہیں۔ شیعوں کے عقائد کی تشریح حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اس روایت سے بخوبی ہوتی ہے جس کے مطابق ایک شخص متعدد نیک صفات کا مالک تھا اور اس سے کئی کرامات بھی ظاہر ہوئی تھیں لیکن امام علیہ السلام نے اس کے تشیع کے دعوے کو مسترد کیا اور فرمایا: "يا عبدالله لست من شيعه علی(ع)، انما انت من محبيه إنما شيعة علی علیه السلام الذين قال عزوجل فيهم: "وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ أُولَـئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ"(69) هم الذين آمنوا بالله ووصفوه بصفاته، ونزهوه عن خلاف صفاته، وصدقوا محمدا فی أقواله، وصوبوه فی كل أفعاله، ورأوا عليا بعده سيدا إماما، وقرما هماما لا يعدله من امة محمد أحد، ولا كلهم إذا اجتمعوا فی كفة يوزنون بوزنه، بل يرجح عليهم كما ترجح السماء والارض علی الذرة. وشيعة علی علیه السلام هم الذين لا يبالون فی سبيل الله أوقع الموت عليهم، أو وقعوا علی الموت. وشيعة علی علیه السلام هم الذين يؤثرون إخوانهم علی أنفسهم ولو كان بهم خصاص۔(70)

اے بندہ خدا! تم علی بن ابی طالبؑ کے شیعوں میں سے نہیں ہو بلکہ آپؑ کے دوست ہو۔ [گویا اس شخص نے دوستی کی تمام شرطیں پوری کی تھیں جو امام باقر علیہ السلام کی مذکورہ بالا حدیث میں مذکور ہیں چنانچہ دوستوں کے زمرے میں قرار پایا]، بے شک شیعیان علی وہی ہیں جن کی شان میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: اور جو ایمان لائیں اور اچھے اعمال بجالائیں تو یہ لوگ بہشت والے ہیں جو وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ شیعیان علی وہ ہیں جو خدا پر ایمان کامل رکھتے ہیں اور اس کو ایسے اوصاف سے موصوف کرتے ہیں جو اللہ تعالی نے خود بیان فرمائے ہیں اور اللہ تعالی کو ان اوصاف سے پاک و منزہ سمجھتے ہیں جو اللہ کے بیان کردہ اوصاف کے سوا ہیں؛ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ارشادات و فرامین کی تصدیق کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے تمام افعال و اعمال کو درست اور "صواب" سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ علیؑ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب کے سید و امام و پیشوا ہیں اور ایسی ہستی ہیں جن کا اُمت محمد ﷺ میں کوئی برابر و ہمتا نہیں ہے؛ بلکہ اگر پوری امت کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور علیؑ کو دوسرے پلڑے میں قرار دیں علیؑ والے پلڑے کو پوری امت پر بھاری سمجھتے ہیں؛ اور ترجیح دیتے ہیں ایک بے مقدار ذرے کے مقابلے میں پورے آسمان و زمین کے بھاری پن کی مانند اور شیعیان علی علیہ السلام وہ ہیں جن کو اللہ کی راہ میں کوئی پروا نہیں ہے کہ موت ان پر آپڑے یا وہ موت پر جاپڑیں اور شیعیان علی علیہ السلام وہ ہیں جو اپنے بھائیوں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگ دست ہی کیوں نہ ہوں۔

۱۸۔ شیعہ اور سنت کی پیروی

قال الامام الحسن العسکری (علیه السلام: "... إِنَّ شِيعَتَنَا هُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ آثَارَنَا وَ يُطِيعُونَا فِي جَمِيعِ أَوَامِرِنَا وَ نَوَاهِينَا فَأُولَئِكَ شِيعَتُنَا فَأَمَّا مَنْ خَالَفَنَا فِي كَثِيرٍ مِمَّا فَرَضَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فَلَيْسُوا مِنْ شِيعَتِنَا..." (71)

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں: ہمارے شیعہ وہ ہیں جو ہماری سنتوں کی پیروی کرتے ہوئے ہمارے تمام اوامر اور نواہی کی اطاعت کرتے ہیں، پس یہ ہمارے شیعہ ہیں، لیکن اللہ کی طرف سے واجب شدہ امور میں جو لوگ ہماری مخالفت کرتے ہیں وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہیں.... الخ۔

یہاں ''آثار'' سے مراد وہ سنتیں ہیں جو انسان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں جن کو کبھی سنت حسنہ اور کبھی سنت سیئہ کہاجاتا ہے، امام علیہ السلام فرماتے ہیں: ہمارے شیعہ اوامر و نواہی کے علاوہ ہماری سنتوں کی بھی حفاظت کرتے ہیں، مثال کے طور پر ائمہ (علیہم السلام) کی سنت یہ تھی کہ وہ خود رات کے وقت ضرورت مندوں کے گھروں پر جاتے تھے اور اپنا نام بتائے بغیر ان کی مدد کرتے تھے، اسی طرح جو کوئی بھی ان سے سخت کلامی سے پیش آتا تھا آپ ان سے تواضع اور نرمی سے پیش آتے تھے، لہٰذا امام علیہ السلام کی فرمان کے مطابق جو لوگ ائمہ اہل بیتؑ کی سنتوں کو زندہ رکھتے ہیں اور تمام اوامر و نواہی کو بجالاتے ہیں، وہ ہی حقیقی شیعہ ہیں۔

۱۹۔ حضرت فاطمہ الزہراء کی نظر میں حقیقی شیعہ

ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا: حضرت فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کی خدمت میں جاؤ اور میری جانب سے اُنہیں کہو میں آپ کا شیعہ (پیروکار) ہوں۔ کیا آپ مانتی ہیں کہ میں آپ کا شیعہ ہوں؟ اُس شخص کی زوجہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کا پیغام پہنچایا۔ جناب زہراء سلام اللہ علیہا نے جواب میں فرمایا: جاؤ اپنے شوہر سے کہو: '' ان کنت تعمل بما امرناك و تنتهی عما زجرناك فانت من شیعتنا و الا فلا '' یعنی؛ اگر تو نے وہی عمل کیا ہے جس کا ہم نے حکم دیا ہے اور اُس کام سے اجتناب کیا ہے جس کی ہم نے نہی کی ہے تو تم ہمارے شیعوں میں سے ہو اور اگر ایسا نہیں تو تم ہمارے شیعہ نہیں ہو۔ (72)

زوجہ نے آکر اپنے شوہر کو جناب زہراء سلام اللہ علیہا کا جواب سنایا تو اس کا شوہر بہت غمگین ہو گیا اور گریہ کرتے ہوئے کہنے لگا: وائے ہو مجھ پر! کونسا ایسا انسان ہے جس سے گناہ سرزد نہیں ہوتا، لہٰذا اگر میں گناہوں سے پاک نہیں ہوا تو شیعہ نہیں اور جب شیعہ نہیں تو ابدی جہنم میں رہوں گا۔ اس کی زوجہ نے جب اس کو پریشان دیکھا تو حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی خدمت آکر اپنے شوہر کی حالت بیان کی۔ جناب زہراء سلام اللہ علیہا نے اس کی زوجہ سے فرمایا: جاؤ اپنے شوہر سے کہو: ''ایسا نہیں کہ جیسا تم سوچ رہے ہو، ہمارے شیعوں میں سے نیک افراد اہل بہشت ہیں، لیکن اگر گناہگار ہوں گے تو اُن پر آنے والی مصیبتوں و مشکلات اور قیامت کے دن صحرائے محشر میں سختیوں یا جہنم کے

پہلے طبقے میں دیکھی جانے والے عذاب کی وجہ سے اُن کے گناہ ختم ہو جائیں گے جس کے بعد ہم اُنہیں (شفاعت کے ذریعے) نجات دلائیں گے اور اُنہیں بہشت کی جانب لے جائیں گے۔(73)

پس انسان کو ایسی صفات سے متصف ہونا چاہیے کہ جو اس راستے میں آسانی کا باعث بنیں یعنی تقویٰ، عفو و بخشش، حسن ظن اور دوسرے الفاظ میں اہل بیت اطہار علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل اور جن کاموں سے اُنہوں نے منع کیا، اُن سے پرہیز کرکے انسان ان مشکلات سے محفوظ رہ سکتا ہے اور اُن ذوات مقدسہ کے حقیقی شیعوں میں داخل ہو سکتا ہے۔

شیعوں کی معاشرتی صفات

ہمارے شیعہ وہ ہیں جو راہ محبت میں ایک دوسرے پر خرچ کرنے والے، ایک دوسرے سے محبت کرنے والے اور ہمارے دین کو زندہ رکھنے کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کرنے والے ہوتے ہیں، ان کی شان یہ ہے کہ غصہ آجائے تو کسی پر ظلم نہیں کرتے ہیں اور خوش حال ہوتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے ہیں، اپنے ہمسایہ کے لئے برکت اور اپنے ساتھیوں کے لئے مجسمہ سلامتی ہوتے ہیں۔(74)

معرفت امام کے ساتھ عمل

امام خمینیؒ نے ”شرح چہل حدیث“ ۳۳ویں حدیث یوں نقل کی ہے:

قلت لأبي عبد اللّه، عليه السّلام: حديث روى لنا أنّك قلت: إذا عرفت فاعمل ما شئت. فقال: قد قلت ذلك. قال قلت: و إن زنوا و إن سرقوا و إن شربوا الخمر؟ فقال لي: إنّا للّه و إنّا إليه راجعون. و اللّه، ما أنصفونا أن نكون أخذنا بالعمل و وضع عنهم! إنّما قلت إذا عرفت فاعمل ما شئت من قليل الخير و كثيره، فإنّه يقبل منك۔(75)

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا: آپ کی ایک حدیث ہم تک پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم کو (امام کی) معرفت ہو گئی تو جو چاہے کرو! حضرت نے فرمایا: ہاں! میں نے یہ بات کہی ہے۔ میں نے عرض کیا: چاہے (اس کے بعد) لوگ زنا کریں، چوریں کریں، شراب پئیں؟ حضرت نے فرمایا: (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ) خدا کی قسم! ہمارے ساتھ

انصاف نہیں کیا گیا۔ ہم تو عمل پر پکڑے جائیں اور لوگوں سے اعمال اٹھا لئے جائیں؟ بلکہ میں نے کہا تھا: جب تم کو معرفت حاصل ہو گئی تو چاہے تھوڑا عمل خیر کر و یا زیادہ وہ قبول کر لیا جائے گا۔

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے امام خمینیؒ لکھتے ہیں: اس حدیث میں معرفت سے مراد امام کی معرفت ہے۔ جان لو کہ جو شخص رسول خداﷺ وائمۂ ہدی کے حالات، ان کی عبادت کی کیفیت اور اس میں ان کی سعی و کوشش اور خداوند عالم کی بارگاہ میں ان کی ذلت ومسکنت اور خوف وحزن سے متعلق روایات کی طرف رجوع کرے گا اور قاضی الحاجات کی بارگاہ میں ان کی مناجات کا مطالعہ کرے گا جو حدّ تواتر سے بالاتر ہے اور سینکڑوں سے بھی زیادہ ہے، اسی طرح رسول خداﷺ نے حضرت علیؑ کو اور ائمہؑ نے جو ایک دوسرے کو وصیتیں کی ہیں ان کی طرف رجوع کرے گا اور ان وصیتوں کو دیکھے گا جو ائمہؑ نے اپنے خالص شیعوں اور خاص دوستوں کو فرمائی ہیں اور ان تاکیدوں کو ملاحظہ کرے گا جو ان حضرات نے کی ہیں اور خدا کی معصیت سے روکا ہے۔ جس سے اصول وفروع کی کتابیں بھری پڑی ہیں تو اس کو یقین ہوجائے گا کہ جو روایات حسب ظاہر ان حدیثوں کی مخالف ہیں ان کا ظاہر مراد نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ان روایات کی ایسی تأویل ممکن ہو جو احادیث قطعیہ صریحہ کی مخالف نہ ہو جو ضروریات دین سے بھی ہیں تو ہم ویسی تأویل کریں گے یا اگر جمع عرفی ممکن ہوگی تو جمع عرفی کریں گے ورنہ ان روایات کے علم کو ان کے قائل کی طرف لوٹا دیں گے۔

شیعہ اور خدا کی اطاعت

عن أبي جعفر، عليه السّلام، قال: لاتذهب بكم المذاهب۔ فوالله، ما شيعتنا إلاّ من اطاع الله۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: مذاہب باطلہ تمہیں مذہب حق سے ہٹانہ دیں۔ خدا کی قسم ہمارا شیعہ وہی ہے جو خدا کی اطاعت کرے۔ (76)

عن جابر، عن أبي جعفر، عليه السّلام، قال قال لي: يا جابر، أيكتفي من ينتحل التّشيّع أن يقول بحبّنا أهل البيت... ما تنال ولايتنا إلاّ بالعمل و الورع۔ (77)

امام محمد باقر علیہ السلام نے جابر سے فرمایا: اے جابر! جو لوگ اپنے کو شیعہ کہتے ہیں کیا صرف ہماری محبت کا قائل ہونا ان کے لئے کافی ہے؟ خدا کی قسم ہمارا شیعہ صرف وہی

ہے جو تقوائے الٰہی رکھتا ہو اور خدا کی اطاعت کرتا ہو، یہاں تک کہ فرمایا: لہٰذا خدا سے ڈرو اور جو خدا کے پاس ہے (ثواب) اس کے لئے عمل کرو۔ خدا اور کسی کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک سب سے محبوب اور سب سے محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ اس کی اطاعت کرنے والا ہو۔ اے جابر! خدا کی قسم خدا سے تقرب صرف اطاعت کے ذریعے حاصل ہوسکتا، ہمارے پاس آتش جہنم سے برائت کی چٹھی نہیں ہے اور نہ کسی کے پاس خدا کے خلاف کوئی حجت ہے جو خدا کا مطیع ہے وہ ہمارا دوست ہے۔ جو خدا کا نافرمان ہے وہ ہمارا دشمن ہے اور ہماری ولایت کا حصول صرف عمل و تقویٰ ہی سے ہوسکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حقیقی شیعہ وہی ہے جو اہل بیت اطہار علیہم السلام کی تعلیمات پر کاربند ہو اور اُنہی عقائد و اعمال کا اظہار کرتا ہو جو اس نے ائمہ اہل بیتؑ سے اخذ کئے ہیں اور ائمہ اہل بیتؑ کی تعلیمات کے خلاف عمل و عقیدہ رکھنے والا کسی بھی صورت شیعہ اہل بیتؑ کہلانے کا حق نہیں رکھتا۔ لہٰذا فقط محبت اہل بیتؑ کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اہل بیت اطہارؑ کے دین، عقیدے اور عمل سے دور ہیں اُنہیں شیعۂ علیؑ کہلانے کا حق نہیں ہے، وہ محض محب ہیں اور تربیت کے محتاج ہیں، اُن کے اُخروی درجات بھی اس محبت کے مطابق ہوں گے اور حقیقی شیعہ ہی فرمان رسولؐ کے مطابق اہل بیت اطہارؑ کے ساتھ بہشت اور قربت خدا کی منزل پر فائز ہوں گے۔

*****

حوالہ جات

1۔ دیکھئے: سورہ احزاب کی آیت ۷۲: ”إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا“ اس کے بارے میں کلینی نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ اس امانت سے مراد ولایت علیؑ ہے۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۴۱۳، کتاب الحجۃ باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ، ح ۲

2۔ خمینی، روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص۴۸۰
3۔علامہ فیض کاشانی نے "علم الیقین" ج۲، ص۱۰۴۲میں اسی مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے۔
4۔ خمینی، روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص۴۸۰
5۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج ۶۵، ص ۱۵۵، کتاب ایمان وکفر، باب ۱۹ ، حدیث ۱۱
6۔وسائل الشیعۃ، ج 13، ص 225، "کتاب الودیعۃ"، باب 2، حدیث 13. امالی، شیخ صدوق، ص 246، مجلس: 43، حدیث 6)
7۔وسائل الشیعہ، ج ۱۱ ، ص ۱۹۶ ، کتاب الجہاد، باب ۲۰، ابواب جہاد نفس، حدیث ۱۷
8۔وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۱۹۵ ، کتاب الجہاد، باب ۳۰ ، ابواب جہاد نفس، حدیث ۱۴
9۔ خمینی، روح، شرح چہل حدیث،۵۴۸
10۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج 2، بیروت، مؤسسہ وفا، ج 65، ص 177، ح 34
11۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج 65، ص 188، ح 43
12۔ایضاً،ج75،ص28،ح95
13۔ایضاً،ج75،ص29،ح96
14۔ایضاً،ج65،ص187،ح42
15۔ایضاً،ج75،ص281،ح1
16۔ایضاً،ج41،ص55،ح5؛ج72،ص117،ح1
17۔ایضاً، ج 66، ص 397، ح 86
18۔کلینی،اصول کافی، ج ۲ ، ص ۲۳۳،کتاب ایمان وکفر، باب المؤمن وعلاماتہ، حدیث ۷
19۔کلینی،اصول کافی، ج ۲ ،ص ۲۳۳،کتاب ایمان وکفر، باب المؤمن وعلاماتہ، حدیث ۹
20۔امالی شیخ طوسی، ج ۱ ، ص ۳۸۰
21۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار،ج 34، ص 306، ح 1071
22۔ایضاً، ج 66، ص 397، ح 86
23۔ایضاً، ج 75، ص 372، ح 12
24۔ایضاً، ج 2، ص 29، ح 12
25۔ایضاً،ج36،ص129،ح78
26۔ایضاً، ج 35، ص 346، ح 22

27۔ سورۂ بینہ، آیت ۷
28۔ مزید دیکھئے: شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۳۵۷، ح ۱۱۲۶
29۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج 65، ص 179، ح 37
30۔ ایضاً، ج 65، ص 180، ح 39
31۔ ایضاً، ج 65، ص 191، ح 47
32۔ ایضاً، ج 65، ص 164، ح 15
33۔ ایضاً، ج 71، ص 254، ح 49
34۔ ایضاً، ج 65، ص 168، ح 28
35۔ ایضاً، ج 66، ص 401، ح 99
36۔ ایضاً، ج 42، ص 69، ح 18
37۔ ایضاً، ج 80، ص 22، ح 40؛ ج 65، ص 149، ح 1
38۔ عاملی، حر، وسائل الشیعہ، ج ۳، ص ۴۱، کتاب الصلاۃ، باب ۱۳، ابواب اعداد الفرائض، حدیث ۲۶
39۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج 75، ص 382، ح 1
40۔ ایضاً، ج 75، ص 382، ح 1
41۔ ایضاً، ج 75، ص 372، ح 12
42۔ ایضاً، ج 85، ص 119، ح 83
43۔ ایضاً، ج 75، ص 250، ح 94
44۔ ایضاً، ج 65، ص 153، ح 10
45۔ ایضاً، ج 65، ص 177، ح 34
46۔ ایضاً، ج 75، ص 26، ح 91؛ ج 65، ص 191، ح 47
47۔ ایضاً، ج 65، ص 167، ح 23
48۔ ایضاً، ج 66، ص 397، ح 86
49۔ ایضاً، ج 65، ص 190، ح 46؛ ج 75، ص 26، ح 91
50۔ ایضاً، ج 75، ص 266، ح 178
51۔ ایضاً، ج 2، ص 125، ح 2
52۔ عنکبوت۔ آیت ۴۶

53۔ نحل۔آیت ۱۲۵
54۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج14، ص63، ح15
55۔ ایضاً، ج75، ص281، ح1
56۔ ایضاً، ج93، ص158، ح37
57۔ ایضاً، ج65، ص178، ح36
58۔ ایضاً، ج67، ص101، ح6
59۔ خمینی، روح اللہ، شرح چہل حدیث، ص ۵۴۷
60۔ نہج البلاغہ، حکمت ۱۱۷
61۔ فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل ج2 ص565-ح951
62۔ فصلت۔آیت ۳۴
63۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج2، ص77، ح62
64۔ ایضاً، ج75، ص372، ح12
65۔ ایضاً، ج75، ص383، ح1
66۔ ایضاً، ج68، ص416، ح40
67۔ ایضاً، ج65، ص180، ح38
68۔ایضاً، ج80، ص22، ح40
69۔بقرہ، آیت 82
70۔ تفسیر الامام الحسن العسکری علیہ السلام ص319
71۔ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج ۶۵، ص ۱۶۲
72۔ ایضاً، ج68، ص155
73۔ قمی، عباس سفینۃ البحار، ج۱، ص۲۳۱
74۔ کلینی، کافی، ج۲، ص۲۳۶
75۔ کلینی اصول کافی، ج 2، ص 464، کتاب ایمان و کفر، باب اِن الایمان لا یضرّ معہ سیّئۃ، حدیث 5
76۔ کلینی، اصول کافی، ج ۲ ، ص ۷۳ ، کتاب ایمان وکفر، باب الطاعۃ والتقویٰ، حدیث ۱
77۔ کلینی، اصول کافی، ج 2، ص 74، کتاب ایمان و کفر، باب الطاعۃ و التقوی، حدیث 3

مفردات قرآن کو سمجھنے کے بنیادی اصول اور تفسیر میں ان کا کردار

علامہ طباطبائی کی نظر میں

امیر رضا اشرفی*

مترجم: سید حسنین عباس گردیزی
hasnain.gardezi@gmail.com

کلیدی کلمات: مفردات قرآن، مفردات کو سمجھنے کے بنیادی اصول، الفاظ کے معانی میں تبدیلی، عربی میں داخل ہونے والے غیر عربی الفاظ (اجنبی الفاظ) تفسیر المیزان، علامہ طباطبائی۔

خلاصہ

تفسیر قرآن کے عمل (Process) میں قرآن کے الفاظ کو سمجھنے کی کیفیت قواعد وضوابط کے تابع ہے اور خاص اصولوں کی بنیاد پر ہی معانی کو حاصل کیا جاتا ہے۔ اس مقالے میں تفسیر المیزان کی عبارات کا تجزیہ و تحلیل اور ان میں تحقیق و جستجو کرکے مفردات قرآن کو سمجھنے کے بنیادی اصولوں کو علامہ طباطبائی کی نظر میں اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے نیز تفسیر قرآن میں اس کے اثرات کا موصوف کی نگاہ میں جائزہ لینے کی سعی کی گئی ہے۔ ان کے نظریے کے مطابق: (۱) مفردات (الفاظ) قرآن کے مصادیق کی خصوصیات ان کے موضوع لہ (لغوی معنی) سے خارج ہیں۔ اس بات سے ایک لفظ کا ظاہری طور پر مختلف اور متعدد مصادیق پر حقیقی اطلاق ممکن ہو جاتا ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی صفات اور عالم آخرت سے مربوط آیات میں قرآنی الفاظ زیادہ تر ماورائے مادہ اور انتہائی اعلیٰ مصادیق کے لئے استعمال ہوئے ہیں، اس لحاظ سے ان الفاظ کے رائج اور عمومی مصادیق اور معانی مفسر کی ذہنی توجہ ان اعلیٰ وارفع معانی اور مصادیق سے ہٹنے کا باعث نہ بنیں۔ (۳) وقت کے گزرنے کے ساتھ بعض الفاظ کے معانی میں تبدیلی اور تحویل پیدا ہوا ہے اس کی وجہ سے قرآن کی رو سے ان کے معانی عربوں میں رائج اور متداول معانی سے مختلف ہیں۔ اس قسم کے مفردات (الفاظ) کو صحیح سمجھنے کا معیار عصر نزول میں ان کا مروجہ استعمال ہے۔ (۴) قرآن کی اصطلاح میں بعض الفاظ کو خاص معانی پہنائے گئے ہیں، قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ان کی طرف خاص توجہ رہنی چاہیے۔ (۵) بہت سارے غیر عربی الفاظ نے عربی زبان میں داخل ہو کر نئے معانی اخذ کئے ہیں اس قسم کے الفاظ جس کو اصطلاح میں الفاظ معربہ کہا جاتا ہے، کے معانی کو جاننے کے لئے ان کے عربی زبان اور ادبیات میں استعمال کو مدّ نظر رکھنا چاہیے۔

*۔ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تفسیر وعلوم القرآن، موسسہ پروپیشی امام خمینیؒ قم

مقدمہ

قرآن مجید کی آیات عربی زبان میں عبارات اور جملات کا مجموعہ ہیں۔ قرآن کی عبارتیں اور جملے چھوٹی اکائیوں سے تشکیل پاتے ہیں، جنہیں الفاظ اور کلمات کہا جاتا ہے۔ ایک اصطلاح کے مطابق انہیں مفردات قرآن کا نام دیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کے بارے میں بنیادی سوالات میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن کے مفردات، معنی کے لحاظ سے کن خصوصیات کے حامل ہیں، ان کے تشکیل پانے کا دائرہ کیا ہے اور کن اصول وضوابط کی بنیاد پر ان کے معانی کو سمجھا جاسکتا ہے۔(1)

مفردات قرآن کے معانی کو سمجھنے کے بنیادی اصولوں کو بیان کرنا اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ ان اخذ شدہ اصول وضوابط کے بنیاد پر قرآن کے الفاظ کے معانی کو باقاعدہ اور منظّم انداز سے سمجھا جاسکتا ہے اور اس طرح سے درست اصولوں کو اپنا کر آیات کی تفسیر میں خطا اور غلطی سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ ہر ایک مفسر نے خاص قواعد اور اصولوں کی بنیاد پر مفردات قرآن کے مفاہیم کو بیان کیا ہے۔ اس مقالے میں ہماری تحقیق کا موضوع بلند پایہ اور جامع تفسیر المیزان میں مفردات قرآن کو سمجھنے کے لئے علامہ طباطبائیؒ کے اصول ومبانی ہیں۔ اس مقالے سے پہلے ہمیں ایسی کوئی تحقیق یا تحریر نہیں ملی جس میں مذکورہ موضوع پر بحث کی گئی ہو۔

مفردات قرآن کے معنی اور مدلول سے متعلق اصولوں کو جاننے کے لئے ان الفاظ کے اصلی عناصر کو دیکھنا ہوگا۔ الفاظ کے مفردات میں چند عناصر بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں:

الف: الفاظ　　ب: الفاظ کے معانی

ج: مصادیق　　د: الفاظ کے معانی پر دلالت کی نوعیت۔

الفاظ قرآن کے مفاہیم کو سمجھنے کے لئے علامہ کے بنیادی اصول وقواعد کو حاصل کرنے کے لئے ہم صرف درج ذیل سوالوں پر علامہ طباطبائی کی نظر میں بحث کریں گے اور ہر ایک سوال کے بارے میں ان کے نظریے کا تجزیہ وتحلیل کریں گے۔

ا۔ کیا مفردات قرآن کے مصادیق کی خصوصیات کا ان کے لغوی معنی (موضوع لہ) میں عمل دخل ہے؟

۲۔ کیا مفردات قرآن کے مصادیق وہی مروجہ اور متعارف مصادیق ہیں؟
۳۔ کیا قرآن میں استعمال ہونے والے الفاظ کے اصلی معانی اپنی جگہ محفوظ میں یا یہ کہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ لوگوں کے درمیان ان کے معانی رفتہ رفتہ تبدیل ہوگئے ہیں؟
۴۔ کیا قرآن میں استعمال ہونے والے معربہ الفاظ نے اپنی سابقہ اور اصلی زبان کے معانی کو محفوظ رکھا ہے یا یہ کہ قرآن اور عربی زبان میں استعمال سے انہوں نے نئے معانی زیب تن کیے ہیں؟

1۔ موضوع لہ سے مصداق کی خصوصیت کا خارج ہونا

علامہ طباطبائی کا نظریہ ہے کہ مسمیات پر اسامی کے اطلاق میں مصادیق کی خصوصیات کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ان کی نگاہ میں سخن اور کلام کی پیدائش کا فلسفہ اجتماعی زندگی میں بشری ضروریات کو پورا کرنا تھا۔ یہ عامل اس بات کا باعث بنا کہ انسان اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مطلوبہ معانی کے لئے الفاظ قرار دے اور اس ذریعے سے اپنے مافی الضمیر کا دوسروں کے سامنے اظہار کرسکے اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ الفاظ کا معانی کے لئے وضع ہونے کے اس عامل کا دارومدار اس استعمال پر ہے جو انسانی زندگی میں اس کے مصداق سے تقاضا کرتا ہے(2) باالفاظ دیگر اسامی اور الفاظ کی وضع اور اس کے استعمال کا میعار وہ غرض اور فائدہ ہے جو اس کے خارجی مصادیق سے انسان کو حاصل ہوتا ہے نہ کہ اس کے ابتدائی مصادیق کی خصوصیات اور صفات۔ وہ اس بارے میں لکھتے ہیں۔
جس چیز نے ہمیں الفاظ کو بنانے اور تراشنے پر مجبور کیا وہ افہام و تفہیم کی معاشرتی ضرورت ہے۔ ہمیں اس لحاظ سے معاشرے سے روبرو ہونا پڑتا ہے کہ اس ذریعے سے مادی امور سے متعلق کاموں کو انجام دے کر نقص سے کمال تک پہنچیں۔ پس ہم الفاظ کو مسمّیات کے لئے علامتیں قرار دیتے ہیں جن سے ہمارے خاص مقاصد اور غرض وغایت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اسم (لفظ) کے اطلاق اور صادق آنے کا معیار مصداق کا (مورد نظر) غرض وغایت پر مشتمل ہونا ہے نہ کہ اس کا خارجی مصادیق کی شکل وصورت پر قائم اور موجود ہونا معیار ہے۔(3)
علامہ نے مفردات قرآن کے بارے میں اسی نظریے کو بنیاد بنایا ہے اور ان کی رائے ہے کہ مصادیق کی خصوصیات کا ان کے نام رکھنے میں عمل دخل نہیں ہے۔ علامہ سے پہلے بھی بعض محققین قرآن نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے۔(4)

الفاظ کے بنانے (وضع) اور ان کے استدلال کے باب میں مذکورہ نظریہ کا قرآن کے الفاظ اور اسی طرح آیات وعبارات سے مطالب اور مفاہیم کو اخذ کرنے کے علامہ کے اسلوب پر گہرا اثر ہے اور شاید اسے بہت سارے مفردات قرآن کے مفاہیم کو سمجھنے کے لئے تفسیر المیزان کی بنیادی کلیدیں قرار دیا جاسکتا ہے ۔اسی لئے علامہ نے متعدد مقامات پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور اپنے تفسیری مفاہیم کی بنیاد اسی اصول اور نظریے کو قرار دیا ہے (5)۔اب ہم اس نظریے اور اصول کے مختلف زاویوں کو بیان کرتے ہیں۔

الف: مصادیق میں تبدیلی اور ایک لفظ کا تمام مصادیق پر حقیقی اطلاق

علامہ اپنے نظریے کے ایک زوایے کو بیان کرتے ہیں کہ الفاظ ومفردات کے اپنے معانی کے مصادیق سے تعلق کے باب میں زمانے کے ساتھ مصادیق میں دائمی تبدیلی ہوتی ہےاور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ وقت کے ساتھ مصادیق میں تبدیلی کے باوجود وہی اسماء اور الفاظ اپنے نئے مصادیق پر حقیقی طور پر اطلاق ہوتے ہیں ، کیونکہ مصادیق کی خصوصیات معانی (موضوع لہ) میں دخالت نہیں رکھتیں اور جدید مصادیق میں اغراض ومقاصد باقی ہوتے ہیں۔ مثلاً سراج (چراغ) کا لفظ شروع میں ایک روشنی کے لئے استعمال ہونے والے آلے کے لئے بنایا گیا جو خاص مواد اور شکل پر مشتمل تھا، لیکن چونکہ نام رکھنے کا معیار اغراض ومقاصد ہیں اس لئے آج کے جدید آلات جو جدید ساخت اور شکل اختیار کر چکے ہیں ان کا اصلی مواد بھی تبدیل ہو چکا ہے اس کے باوجود وہی روشنی اور نورافشانی کا کام دیتے ہیں تو یہ لفظ ان پر حقیقی طور پر منطبق ہوتا ہے۔ یہ قابلیت اور اہلیت اس بات کا سبب بنی کہ وہ الفاظ جو ابتداء میں محسوس معانی کے لئے ہوتے ے تھے انہیں معقول (غیر مادی اور غیر محسوس) معانی اور مصادیق میں مجاز گوئی کے بغیر استعمال کیا جاسکے۔اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔(6)

اس بنیادی اصول کا ایک اور نمونہ لفظ اسلحہ کا استعمال ہے۔ اسلحہ کا لفظ اصل میں دفاع اور حملے کے لئے ہتھیاروں کے لئے وضع ہوا ہے۔ لیکن یہ اسلحے کی تمام انواع واقسام، پہلے زمانے کے قدیمی اور ابتدائی اسلحوں سے لے کر آج کل کے جدید ترین ہتھیاروں پر (مجاز اور تاویل کے بغیر) بطور مساوی منطبق ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلحہ کا حقیقی اور موضوع لہ معنی وہی ہتھیار اور آلہ ہے جو جنگوں میں دفاع یا حملے کے لئے بروئے کار لایا جاتا ہے اور اس لفظ کے ہر دور اور ہر زمانے کے مصادیق کی خصوصیات اس کے موضوع لہ میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔(7)

ب: حقیقی معنی میں وسعت کا امکان

علامہ طباطبائی کے نظریے کا ایک لازمہ الفاظ کے استعمال میں وسعت اور ان کا وسیع تر معانی اور مصادیق میں استعمال (جیسا کہ گذشتہ دو مثالوں سراج اور اسلحہ کے الفاظ میں دیکھا گیا ہے) ان کے ابتدائی معانی اور مصادیق میں سے ہونے کا امکان ہے۔ یہ وسعت اور پھیلاؤ وقت کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کی مختلف خصوصیات کے ساتھ اپنے مصادیق میں بطور حقیقی استعمال کے لئے زمین ہموار کر سکتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ہی زمانے میں ایک ہی لفظ کا متعدد اور بظاہر مختلف مصادیق میں استعمال کا بھی موقعہ فراہم ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے استعمال کی مثال لفظ "سوال" ہے۔ اس لفظ کا اپنے اصلی معنی کے لحاظ سے استعمال بہت وسیع ہے۔ اس لفظ کا ابتدائی اور واضح عام اور معمولی استعمال "زبانی سوال" ہے البتہ اس کے علاوہ معانی میں بھی بطور حقیقی استعمال کا امکان ہے۔

مذکورہ لفظ اپنے اصلی معنی (کہ جس میں مصادیق کی خصوصیات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا) کے طور پر ہر قسم کی طلب اور مانگنے پر اطلاق کے قابل ہے۔ اس لحاظ سے تمام مخلوقات جو خلقت اور تکوین کے اعتبار سے غنی علی الاطلاق کی محتاج ہیں اور طبعیت کی زبان میں اپنی ضروریات اور احتیاجات کو اس سے طلب کر رہی ہیں انہیں بھی بطور حقیقی اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے والی (مخلوق) کہا جا سکتا ہے۔

علامہ اس بارے میں لکھتے ہیں: سوال کا مطلب طلب کرنا (درخواست کرنا) ہے اور انسان اپنی ضروریات کے اعتبار سے اس ذات سے مانگتا اور درخواست کرتا ہے جو اس کی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے۔ سوال کا عام اور معمولی معنی وہی زبانی اور لفظی مانگنا ہے۔ البتہ اشارے اور خط کی صورت میں بھی سوال انجام پا سکتا ہے۔ یہاں بھی سوال حقیقی معنوں میں ہے۔ نہ کہ مجازی معنی میں، چونکہ ہر محتاج اور ضرورت مند کی احتیاج کو اللہ تعالیٰ ہی برطرف کرنے والا ہے اور کوئی بھی موجود اپنی ذات وجود اور بقاء میں اپنے سے وابستہ اور قائم نہیں ہے اور اس کے پاس جو کچھ ہے اسی کا جود و کرم ہے۔۔ ہر کوئی محتاج، گدا اور سائل ہے جو اپنی ضروریات اور حاجات کو اس کی بارگاہ سے مانگتا اور طلب کرتا ہے۔ سوال کی حقیقت اور حق یہی ہے کہ یہ (درخواست) ذات باری تعالیٰ سے مختص ہے اور اس کے غیر سے اس قسم کا سوال قابل تصور نہیں ہے۔ سوال کی دوسری قسم زبانی سوال ہے جس کے ذریعے کبھی اس سے اور کبھی اس کے غیر

سے مانگا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہی ایک ایسا مسؤل ہے کہ تمام موجودات بطور حقیقت بھی اس سے طلب گار ہیں اور بعض لوگ (مومنین) زبان کے ذریعے اس سے طلب حاجت کرتے ہیں۔(8)

مذکورہ اصول کے استعمال کا ایک اور نمونہ لفظ کلام یا تکلم میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس لفظ کے بہت سارے مصدایق ہیں بنی نوع انسان کے درمیان اس کے مروجہ اور عام مصادیق زبان کے لوتھڑے، منہ، لبوں سے بات (کلام) کرنا اور حروف کو مخارج سے نکالنا ہے جس کی غرض وغایت پیغام کو واضح انداز میں مخاطبین تک پہنچانا ہے۔

بات (کلام) کرنے کا ایک اور مصداق بھی ہوسکتا ہے جس سے وہی غرض وغایت حاصل ہوتی ہے، لیکن اس میں مادی خصوصیات کا عمل دخل نہیں ہوتا؛ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے کلام کرنا یا اللہ تعالیٰ کا انبیاء سے بلاواسطہ گفتگو کرنا، اس قسم کے کلام (بات) کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پیغام اس کے پیغمبر تک منتقل ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مادہ سے ماوراء اور جسم وجسمانیت سے منزہ ہے، اس لحاظ سے اس کے کلام کرنے میں مادی مصادیق کی خصوصیات قطعاً موجود نہیں ہوتیں۔ مفردات کی نانگذاری کے حوالے سے جو اصول بیان کیا گیا ہے(9) اس کے پیش نظر، اس قسم کے کلام اور گفتگو کرنے پر بھی تکلم کا اطلاق بطور حقیقت ہوتا ہے۔ علامہ طباطبائی اس بارے میں فرماتے ہیں:

جس طرح سے انسان کلام اور گفتگو کرتا ہے (یعنی جو کچھ انسان کے ضمیر اور ذہن میں ہوتا ہے اسے قواعد وضوابط کے تحت مرکب آوازوں کے ذریعے سمجھانا) اس طرح اللہ تعالیٰ سے کلام سرزد نہیں ہوتا یعنی اللہ تعالیٰ کا گلہ نہیں ہے کہ اس سے آواز سنائی دے، اس کا دہن (منہ) نہیں ہے کہ آواز کو اس میں گھمائے اور الفاظ کی شکل میں لائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ومنزہ ہے کہ اعضاء جسمانی کی اُسے ضرورت ہو اور وہ اپنے خیالات کو وجود عطا کرے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (شوریٰ: 11)

اگرچہ قرآن مجید مروجہ معنی میں تکلم کی اللہ تعالیٰ سے نفی فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربّ العزت ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ۔ (شوریٰ: 51)

ترجمہ: "اور ہر بشر کی (یہ) مجال نہیں کہ اللہ اس سے (براہِ راست) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے (کسی کو شانِ نبوت سے سرفراز فرما دے) یا پردے کے پیچھے سے (بات کرے جیسے موسٰی علیہ السلام سے طورِ سیناپر کی) یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے (الغرض عالمِ بشریت کے لئے خطابِ اِلٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہوگا)، بیشک وہ بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے"

لیکن یہ آیہ مجیدہ تکلم کے حقیقی معنی کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرتی ہے۔ اور یہاں لوگوں کے درمیان کلام کے عام اور رائج معنی کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی گئی ہے پس کلام (بات کرنے) کا عام اور رائج معنی اللہ تعالیٰ سے منتفی ہے لیکن کلام کے خواص اور اثرات اس کے لئے ثابت ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا مقصود اور مطلب اپنے نبی کو سمجھاتا اور بتاتا ہے اور یہ وہی کلام و تکلم کی حقیقت ہے یعنی اپنے مقصود اور مطلب کو دوسروں کو سمجھانا اور سننے والے کو ذہن میں ڈالنا ہے۔(10)

اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ "مالک" کا استعمال بھی اسی قبیل سے ہے۔ معاشرے میں مالکیت سے مراد خاص قسم کا اختصاص اور ایک چیز کا دوسری سے وابستہ ہونا ہے، جس کی وجہ سے مالک اپنی ملک میں اپنے تصرفات (استعمالات) کو جائز سمجھتا ہے۔ انسانی معاشرے میں مالک اور مالکیت کے الفاظ عام طور پر اعتباری امور میں بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ لیکن اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں حقیقی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے؛ کیونکہ اس کا اصلی اور حقیقی معنی اللہ تعالیٰ پر ہی صدق کرتا ہے، البتہ اس فرق کے ساتھ کہ انسانی معاشرے میں اس کا مصداق اعتباری مالکیتیں ہوتی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کا مصداق حقیقی مالکیت اور اصلی طور پر ہوتا ہے۔(11)

یہ اصول بالخصوص اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھنے کے لئے قابل توجہ حد تک اپنا اثر دکھاتا ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں وہ انہی رائج اور عام معنوں میں مخاطبین کے ذہنوں میں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی ان کا مقصد اور اثر وہی حاصل ہوتا ہے جو عام طور پر ان کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے البتہ اس فرق کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کا مصداق اور ہوتا ہے اور دوسروں کے بارے میں مصداق اور۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہر عیب اور نقص سے پاک و منزہ ہے۔ لہٰذا اس کی صفت بھی مخلوقات کے عیوب و نقائص سے خالی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جب

لفظ علم کو اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو حقیقیت میں یہ وہی مفہوم دیتا ہے جیسا اسے اس کے غیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا عالم ہے۔ یہ جملہ ہم سب کے لئے ایک واضح معنی دیتا ہے مثلاً اس کا اس جملے "اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے" کے ساتھ واضح فرق ہے۔ چونکہ اس کی کامل واکمل اور بے مثال ذات اس کے ذاتی علم کا سرچشمہ ہے اس لئے وہ مادی خصوصیات اور محدودیت سے مبّرا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ کے وضع کے طریقہ کار اور ان کے استعمال کے پیش نظر ان کے الفاظ کے اصلی معانی وہی ہوتے ہیں جو اسم اور لفظ کے باقی رہنے سے باقی رہتے ہیں۔ اگرچہ ان کے مصادیق اور خصوصیات مختلف ہوتی ہیں۔ الفاظ کے اصلی معانی کا خارجی مصادیق کی خصوصیات اور قیود سے (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے) الگ اور جدا ہونا، لغات میں استعمال میں وسعت کا موجب بنتا ہے اور متنوع و مختلف مصادیق پر ان کا اطلاق حقیقی طور پر میسر آتا ہے۔ (12)

مفردات کو سمجھنے میں سائنس علمی اور فلسفی نظریات کا موثر نہ ہونا

بعض افراد ہر منوتیک فلسفی میں پیش کردہ نظریات سے متاثر ہو کر دینی متون کے فہم وادراک کی اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں کہ خواہ نہ خواہ اس کا سرا فہم وادراک اور تفسیر کی نسبیت سے جاملتا ہے۔ جس کا نتیجہ قرآن اور دیگر دینی متون کے فہم وادراک کے معتبر اور مطمئن راستے کی بندش اور عدم دستیابی ہے۔ ان میں ایک فرد اپنے نظریے کو یوں بیان کرتا ہے:

سائنسی اور فلسفی نظریات نہ صرف تصدیقات دینی کو سمجھنے میں اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ شریعت میں تصورات اور مفردات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور انہیں معنی اور مفہوم عطا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص جب قرآن میں پڑھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کی قسم کھائی ہے تو اگر وہ پانچویں صدی ہجری کا ہے تو اس مطلب کو یوں سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چمکنے والے کرّے کی قسم کھائی ہے جو زمین کے گرد چکر لگاتا ہے اور اس کا حجم کرّہ زمین سے 160 گنا بڑا ہے؛ لیکن اگر وہ موجودہ صدی کا ہے اور جدید علم سے آگاہی رکھتا ہے تو وہ آیت کو اس طرح سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم کرّے کی قسم کھائی ہے جو گیسوں کا مجموعہ ہے اس کا درجہ حرارت 2 کروڑ درجہ ہے اور ایک ایٹم کے مرکز کی مانند ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے۔ سائنسی اور فلسفی افکار ایک دم ان الفاظ اور مفردات کو تازہ معانی بخشتے ہیں

اور جو شخص بھی فلسفہ اور خاص علم سے بہرہ مند ہے وہ کبھی بھی ان مفردات کا اپنے علم و دانش سے ہٹ کر معنی نہیں کرے گا اس کا فہم و ادراک اپنے علم و افکار کے مطابق ہوگا۔(13)

بہت سارے مسلم فکرین نے "نظریہ" قبض وبسط" کو خالص دینی افکار سے متعارض پایا ہے اور مختلف حوالوں سے اس کی بنیادوں پر تنقید اور اعتراضات کیے ہیں اور اس نظریے سے نکلنے والے نتائج پر بحث کی ہے۔(14)

علامہ طباطبائیؒ کی آراء کی روشنی میں جو بات یہاں کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ الفاظ کے وضع کے بارے میں علامہ طباطبائیؒ کے نظریے کی بنیاد پر (جس کے حق میں بہت ساری مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔(15)

نظریہ قبض وبسط کا ایک ستون اور پایہ متزلزل ہو جاتا ہے۔ اس نظریے کے قائل شخص سے پوچھا جاسکتا ہے کیا واقعاً ایسا ہے کہ بولنے والا جب اس جملے "سورج ابھی تک افق پر دکھائی دے رہا ہے" میں لفظ سورج کو استعمال کرتا ہے تو موضوع لہ (سورج) کی ان تمام یا اہم ترین خصوصیات جو سائنسی طور پر ثابت ہو چکی ہیں، کو ملحوظ رکھتا ہے اور لفظ کی ان خصوصیات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اُسے مطلوب معنی میں استعمال کرتا ہے اور اس لفظ سورج کے سننے سے مخاطبین کے ذہن میں بھی یہ تمام خصوصیات متصور ہوتی ہیں؟ بالفرض اگر سورج کے حوالے سے ایک نیا نظریہ وجود میں آجائے کہ سورج جلنے کا سرچشمہ ہے اور وہ موجودہ نظریہ کی جگہ لے لے تو کیا اس لفظ سورج کو استعمال کرنے والے اُسے مجازی طور پر جدید معنی میں بروئے کار لائیں گے اور اگر مذکورہ جملے کو جدید نظریات کی بنیاد پر بیان کرنا چاہیں تو کیا وہ قرینے سے استفادہ کریں گے؟ کیا اس بات کو قبول کیا جاسکتا ہے جدید نظریات نے لفظ سورج کے موضوع لہ کو تبدیل کر دیا ہے اور ہم سورج کے بارے میں جو آج معلومات رکھتے ہیں، ان کے ساتھ سورج کو نئے اور تازہ معنی میں استعمال کریں گے، اگرچہ اس کے متعلق ہمیں جدید اور دقیق معلومات حاصل ہیں؟ اس نظریے پر محققین نے تفصیل سے تنقید کی ہے یہاں پر اُسے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے؟(16)

د۔ عصر نزول کے ماحول کے اثرات کے بغیر الفاظ کے استعمال کا امکان

مسمیات کے لئے الفاظ کے وضع کے طریقہ کار کے باب میں علامہ طباطبائیؒ کے نظیرے کی ایک شاخ الفاظ اور اسامی کا معانی اور مسمیات میں؛ اس طرح سے استعمال ہے کہ اس لفظ کے بارے میں موضوع لہ سے ہٹ کر وہ تصورات اور خیالات جو پہلے والے استعمال کرنے والوں کے ذہن میں تھے ان کا بالکل لحاظ نہ کیا جائے بلکہ اُسی لفظ کو جدید ترکیب میں اس طرح بروئے کار لایا جائے کہ عام لوگوں کے ذہن کو ان

توہمات اور خیالات سے پاک وصاف کر دیا جائے جو گذشتہ ادوار کے لوگوں کے ذہنوں میں تھے اور جو اس لفظ کی وضع اولیہ کا سبب بنے تھے۔ اس کی ایک واضح مثال قرآن مجید میں لفظ طائر ہے۔ عربی لغت میں لفظ طائر کی وضع اور استعمال کا سرچشمہ (بعض شواہد کی بناء پر) لوگوں کے درمیان ایک توہماتی فکر اور عقیدہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسی لفظ کو لوگوں کے عقائد و نظریات کی تصحیح کے لئے استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت 13 ہمیں ارشادِ الٰہی ہے:

وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا۔

یعنی: "اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کا نوشتہ اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے، اور ہم اس کے لئے قیامت کے دن (یہ) نامۂ اعمال نکالیں گے جسے وہ (اپنے سامنے) کھلا ہوا پائے گا"

علامہ طباطبائیؒ اس آیت کی تفسیر میں زمخشری کی زبانی مذکورہ لفظ طائر کی جڑ اور بنیاد کے بارے میں کہتے ہیں:

"وہ (عصر جاہلیت کے لوگ) پرندوں کے ذریعے فال نکالتے تھے پس جب وہ سفر کا ارادہ کرتے اور پرندہ ان کے سر سے گذرتا تو وہ پرندے کو بھگاتے اگر وہ ان کی بائیں طرف سے دائیں طرف پرواز کرتا تو اسے فال نیک (باعثِ برکت) شمار کرتے اور اگر دائیں طرف سے بائیں طرف پرواز کرتا اسے فال بد (بدشگونی) کے طور پر لیتے تھے اور اس قسم کی فال لینے کو "تطیّر" کہتے تھے (یعنی پرندے کی پرواز کے ذریعے فال نکالنا)۔" (17)

لفظ طائر اسی مادہ (تطیّر) سے مشتق ہے عربی زبان میں عمومی استعمال میں ہر منحوس اور بدشگون چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے اگرچہ پرندے کا اڑنا وغیرہ کا عمل دخل نہ بھی ہو، اور بعض اوقات تو اس لفظ کے استعمال میں اس (خاص جہت سے پرندے کے اڑنے کی بدبختی) کا لحاظ نہ بھی کیا جائے تو بھی اس کا اصلی معنی اور استعمال (ایک چیز کی نحوست اور بدبختی) ہر حال میں محفوظ رہتا ہے۔

اس بناء پر اگرچہ اس لفظ کا سرچشمہ اور پیدائش کی وجہ دور جاہلیت کا ایک غلط عقیدہ تھا، لیکن مذکورہ لفظ میں اتنی گنجائش موجود ہے کہ اسے دورِ جاہلیت کے غلط عقیدہ سے پاک وصاف معنی میں بروئے کار لایا جائے یہاں تک کہ ان الفاظ کو انسانوں کے عقائد کو درست کرنے کے لئے استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ (18) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واضح اور رسا انداز سے اسی لفظ کو لوگوں کے درمیان رائج غلط افکار اور باطل

نظریات کی تصحیح کے لئے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا انبیاء الٰہی کے مد مقابل طرز عمل کو قرآن یوں بیان فرماتا ہے:

فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُواْ لَنَا هَـذِهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُواْ بِمُوسَى وَمَن مَّعَهُ أَلاَ إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللّهِ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ (اعراف: 131)

یعنی: "پھر جب انہیں آسائش پہنچتی تو کہتے: یہ ہماری اپنی وجہ سے ہے۔ اور اگر انہیں سختی پہنچتی، وہ موسٰی (علیہ السلام) اور ان کے (ایمان والے) ساتھیوں کی نسبت بدشگونی کرتے، خبردار! ان کا شگون (یعنی شامتِ اَعمال) تو اللہ ہی کے پاس ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے"

اس آیت مجیدہ میں طائر کے معنی کے متعلق علامہ طباطبائی بیان کرتے ہیں:

طائر (بدشگون چیز) سے مراد یہاں پر انسان کا عمل ہے اس استعمال میں انسان کے (گناہ آلود) عمل کو پرندے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس سے (عام لوگ اپنے باطل اور غلط نظریات کی بنیاد پر) نیک فال یا بد فال نکالتے تھے اور اس لفظ کو یہ نام دینے کی وجہ یہ تھی کہ اگر پرندہ دائیں طرف سے پرواز کرتا تو اسے بابرکت سمجھتے اور خیال کرتے کہ وہ شخص اپنے مقصد کو پالے گا اور اگر بائیں طرف سے پرواز کرتا تو اُسے فال بد حساب کرتے اور خیال کرتے کہ وہ شخص اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ پائے گا۔ (19)

آیت کے آخری جملے "أَلاَ إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللّهِ" میں طائر کا اصلی معنی (کسی چیز کی نحوست اور بدشگونی) محفوظ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ کے ذریعے ان کی غلط فکر اور باطل عقیدے (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں بدشگونی) کا مقابلہ کیا ہے اور اس صحیح عقیدے اور سوچ کو ان کے ذہنوں میں ڈالا ہے کہ حقیقت میں بدشگونی، نحوست اور بدقسمتی وغیرہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کا نتیجہ ہے نہ کہ لوگوں کے درمیان ولی خدا کی موجودگی۔ پس اس مصیبت، مشکلات اور بدنصیبی کے ذمہ دار وہ خود ہیں چنانچہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ اس لفظ کے استعمال میں اس کا اصلی معنی (بدشگونی) اپنی جگہ پر باقی ہے البتہ اس کے مناسب اور موقع و محل پر استعمال کے ذریعے اصلی معنی کو محفوظ رکھتے ہوئے عوام کی غلط سوچ و فکر کی اصلاح کی گئی ہے جدید استعمال میں اس لفظ کی وضع کی وجہ اور عصر نزول میں موجود خرافات کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔

یہ نکتہ بھی مدّ نظر رہنا چاہیے کہ جو چیز لفظ کو جان دیتی ہے اور مفاہیم کے پیکر میں ایک عضو کی مانند زندہ رہتی ہے اور اسے نئے پیغام میں تبدیل کر دیتی ہے وہ الفاظ کا چناؤ اور ان کی ترکیب ہے۔ یہ مؤلف کی گفتگو یا تحریر کا کمال ہوتا ہے کہ وہ ایک زبان کے معنی کی اکائیوں (مفردات) سے بلند و بالا محل بنادے کہ اس کے مقابلے میں انسانوں کی بنائی بلند و بالا عمارتیں ایک جھونپڑی کی طرح نظر آئیں اور ایک زبان کے اجزاء سے جدید سخن تخلیق کرکے اُسے نیا لباس پہنادے جو دیگر بشری صنعتوں سے منفرد اور جدا ہو۔(20)

بناء بر ایں ایک مفسر کو تفسیر قرآن میں اس نکتہ کو مدّ نظر رکھنا چاہیے کہ یہ الفاظ اس زمانے کے خرافاتی معنوں میں استعمال نہیں ہوئے بلکہ قرآنی استعمالات میں ان الفاظ سے وہ معانی مراد لئے گئے ہیں جو حقائق کے بالکل مطابق ہیں اور خرافات و توہمات کو دور کرنے میں ان کا کافی کردار ہے۔ پس مذکورہ وضاحت سے اس نظریے کی قلعی کھل جاتی ہے جو یہ کہتا ہے کہ قرآن میں اس طرح کے الفاظ کا استعمال مجاز اور عصر جاہلیت کے خرافاتی اور توہماتی ماحول کے ساتھ سازگار اور ہم آہنگ ہے۔(21)

2۔ قرآنی الفاظ کے مصادیق کی بلندی

نزول قرآن کے مقاصد میں سے ایک لوگوں کو عالی ترین حقائق سے آگاہ کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق حقائق، عالم آخرت، دنیاوی زندگی کا دوسرا رخ، دنیا و آخرت کا آپس میں تعلق اور رابطہ اور دیگر حقیقتیں جنہیں قرآن کی زبان میں غیب کے نام سے یاد کیا گیا ہے جن تک انسان کی رسائی وحی الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔(22) دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اعلیٰ وارفع پیغام کو پہنچانے کے لئے انہی الفاظ اور کلمات سے استفادہ کیا ہے جو بنی آدم کے درمیان متداول اور رائج تھے جبکہ یہ الفاظ زیادہ تر ان مادی مصادیق کے لئے وضع (بنائے) کئے گئے تھے جن سے روز مرہ زندگی میں انسان کا سروکار رہتا تھا۔ ان الفاظ کے مادی مصادیق کے ساتھ انسان کا اُنس سبب بنتا ہے کہ ان الفاظ کے سننے سے اگرچہ وہ آسمانی کتاب سے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کے مادی یا سطحی اور رائج معانی ہی ذہن میں آتے ہیں اور اس بات سے غافل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اعلیٰ وارفع معانی اور حقائق کو بیان فرمارہا ہے جو ان مصادیق سے بلند و بالا ہیں جن سے مادی زندگی میں ہمارا سروکار رہتا ہے۔ مذکورہ اصول اور نکتہ پر توجہ قرآن کے بہت سے الفاظ کے معانی اور قرآنی تعلیمات کو سمجھنے میں ہمیں کج فہمی اور انحراف سے بچاتی ہے۔ علامہ طباطبائی اس اصول سے متعلق گفتگو میں لکھتے ہیں۔ الفاظ کے مادی مصادیق (جو کہ الفاظ کے مصادیق اوّلیہ ہی ہوتے

ہیں) سے اُنس وعادت باعث بنتی ہے کہ ان الفاظ کے سننے سے مادہ سے مربوط مادی معانی ہی ذہن میں خطور کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک ہماری دنیوی حیات باقی ہے ہمارا جسم اور قوتیں مادی امور سے سروکار رکھتے ہیں پس جب ہم حیات، علم، قدرت، سمع، بصر، کلام، ارادہ، رضا وغضب، خلق اور امر جیسے الفاظ سنتے ہیں تو ان الفاظ کے مادی وجود ہمارے ذہنوں میں خطور کرتے ہیں۔

اسی طرح جب آسمان، زمین، لوح، قلم، عرش، کرسی، فرشتے اور ان کے پَر اور ان جیسے دیگر الفاظ ہمارے کانوں سے ٹکراتے ہیں تو ان کے مادی اور طبیعی وجود کے معانی اور مفاہیم ہمارے ذہنوں میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال جیسے خلقت، علم، ارادہ، مشیت کے حوالے سے بھی یہی مشکل پیش آتی ہے۔(23)

علامہ طباطبائی اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے خبردار کرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ابتدائی مصادیق (جو کہ غالباً مادی مصادیق ہیں) کو دیکھتے ہوئے مفسرین کی سوچ وفکر ان کے اصلی معانی اور مراد متکلم (جو کہ اکثر عام اور رائج مصادیق سے بلند وبالا ہوتی ہے) سے دور نہ ہو جائے۔

یہاں پر اس نکتہ کی یاد دہائی کرانا بہت ہی مناسب ہے کہ ایک لفظ کا اس کے مصداق پر منطبق کرنے کا معیار مصداق کا غرض وغایت پر مشتمل ہونا ہے نہ کہ ایک ہی صورت پر جمود، لیکن ہمارا اُنس اور عادت ہمیں اس محکم معیار پر چلنے میں ہمارے لیے رکاوٹ بن جاتا ہے اور یہی بات موجب بنی کہ اہل حدیث میں سے حشویہ اور مجسمہ فرقوں نے آیات قرآن کے ظواہر پر ہی اصرار کیا اور ان سے ظاہری معانی ہی مراد لیے درحقیقت یہ ظواہر الفاظ پر جمود نہیں تھا، بلکہ مصادیق کی تشخیص میں عادت اور اُنس پر جمود تھا۔ اس نکتے کی طرف توجہ اسی طرح کے الفاظ خصوصاً اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھنے میں بہت زیادہ مددگار ہے۔(24)

اس اصول کی طرف توجہ فہم قرآن کو سمجھنے میں لغزشوں سے بچنے کے لئے چند قواعد کی طرف ہماری راہنمائی کرتی ہے۔ ان قواعد میں سے ایک یہ ہے: تفسیر قرآن میں سطحی نگاہ سے اجتناب اور آیات قرآن کے بلند واعلیٰ مصادیق کی طرف توجہ کا ضروری ہونا۔" جسے ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

قرآنی تعلیمات کے اعلیٰ وارفع ہونے پر توجہ اور سطحی نگاہ سے اجتناب:

مذکورہ اصول یعنی قرآنی تعلیمات کی بلندی اور اکثر افراد کا ذہنی طور پر مادی اور محسوس (25) مصادیق سے مانوس ہونے سے جو قواعد حاصل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات اور مطالب کے بلند واعلیٰ ہونے پر توجہ لازمی ہے اور عام اور سادہ معانی پر تکیہ کرنے، سادہ اندیشی اور معمولی

معانی پر تطبیق کرنے سے اجتناب کرنا ضروری ہے، جن کا ابتدائی طور پر مخاطب کے ذہن میں آنا ممکن ہے۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ قرآن کی تعلیمات اور بیانات خصوصاً جب وہ صفات الٰہیہ اور کائنات کے دیگر غیبی حقائق کو بیان کر رہا ہو، انتہائی بلندیوں کی حامل ہیں اور ممکن ہے ان لوگوں کے لئے جو قرآنی تعلیمات کی نوعیت سے واقف نہیں ہیں، ان کا سمجھنا دشوار ہو۔ اس حقیقت کی طرف توجہ اور مذکورہ قاعدے کی پابندی ہمیں قرآن کے الفاظ کی تفسیر اور تشریح میں جلد بازی سے بچا سکتی ہے اور قرآن کے عالی مفاہیم کو ہماری نظروں میں محکم واستوار مقام پر قرار دے سکتی ہے۔

مذکورہ قاعدہ علامہؒ کے اصول میں تجزیہ و تحلیل کے علاوہ، آیات قرآن میں غور وفکر کے ذریعے بھی حاصل ہوتا ہے: اس بارے میں علامہ طباطبائیؒ کہتے ہیں:

قرآن کی آیات اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ معانی قرآن کو سمجھنے میں اپنی عادات اور اُنس پر بھروسہ واعتماد ہمیں آیات قرآنی کے اصلی مقاصد سے دور کرتا ہے اور سمجھنے کے عمل میں خلل پیدا کرتا ہے، جیسا کہ یہ آیات: ارشاد خداوندی ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ (شوریٰ: ۱۱)

یعنی: "اس کی کوئی مثل ومثال نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔ (انعام: ۱۰۳)

ترجمہ: "آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ دیکھتا ہے اور وہ موجودات کے اندر ظرافتوں سے آگاہ اور جاننے والا ہے۔"

یہ حقیقت (مذکورہ قاعدے کا خیال رکھتے ہوئے) لوگوں کو پیغام دے رہی ہے کہ آیات کے معانی اور مفاہیم کو سمجھنے کے لئے عام فہم اور اپنے مانوس مصادیق پر اکتفانہ کرو؛ بلکہ آیت کے معانی کو جاننے کے لئے اور ان کے مصادیق کی تشخیص کے لئے قرآنی تعلیمات کا ہی سہارا لو اور قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعے کرو۔(26)

۳۔ مفردات قرآن کا عام اور مروجہ استعمال سے فرق:

قرآن کے اعتبار سے اس کے بعض الفاظ کا استعمال نہ صرف ان کے مروجہ اور عام استعمال سے فرق کرتا ہے بلکہ دینداروں کے ہاں رائج استعمال سے بھی متفاوت ہوتا ہے۔ کیونکہ دینداروں کے ہاں استعمال میں بہت سے زبان اور ماحول کے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن قرآن مجید نے اپنے اہداف کو مدّ نظر رکھتے ہوئے لفظ کو خاص مصداق اور مفہوم میں بروئے کار لایا ہوتا ہے۔ اسی طرح کی مثالیں قرآن میں بہت پائی جاتی ہیں۔

مثلاً معصیت کا لفظ دینداروں کے ہاں "امر مولوی" کی نافرمانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کی زبان میں یہی لفظ امر مولوی کے علاوہ (امر ارشادی) سے سرکشی کے لئے بھی بروئے کار لایا گیا ہے۔ (27) اسی طرح لفظ "مغفرت" متشرعین کے ہاں جس معنی میں استعمال ہوتا ہے، قرآن میں اس کے برخلاف غیر گناہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ (28) "شاکرین" کے لفظ سے دینداروں کے ہاں عام معنی کے لئے استفادہ ہوتا ہے جبکہ قرآن کی زبان میں اس کا اطلاق صرف مخلصین پر ہوتا ہے۔ یعنی وہ افراد جنہیں ابلیس کسی صورت میں بھی نہیں بہکا سکتا اور وہ کبھی بھی غفلت کا شکار نہیں ہوتے۔ (29) اس کی ایک اور مثال "الَّذین آمنوا" ہے متشرعین کی زبان میں اس سے عام معنی ذہن میں آتا ہے، لیکن قرآن کی نظر میں یہ ایک اعزازی نام ہے، صدر اسلام کے ان مومنین کے لئے جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لے کر آئے۔ پس اگر اس کے عام معنی پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو اس سے مراد وہی خاص معنی (صدر اسلام کے ابتدائی اسلام لانے والے) ہی ہوگا (30) لفظ "تفقہ" بھی اسی قبیل سے ہے یہ لفظ دینداروں کے ہاں احکام شرعی کے استنباط کرنے کی صلاحیت واہلیت کے میں معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن قرآن کی اصطلاح میں یہ وسیع معنی رکھتا ہے اور دینی تعلیمات اعم از اصول اور فروع، کے سیکھنے اور حاصل کرنے کے لئے بروئے کار لایا گیا ہے۔ (31) اس کا ایک اور نمونہ لفظ زکوۃ ہے جو دینداروں کے نزدیک ایک خاص فقہی معنی رکھتا ہے، جبکہ قرآن میں اپنے لغوی (انفاق۔ خرچ کرنے) کے معنوں میں نیز استعمال ہوا ہے خصوصاً جب یہ نماز کے ساتھ مذکور نہ ہو۔ (32) اسی طرح بہت ساری اور مثالیں بھی تفسیر المیزان سے پیش کی جاسکتی ہیں جنہیں یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

3.1 قرآن کی زبان اور اصلاح پر توجہ کی ضرورت اور عمومی فہم پر بھروسہ کرنے سے گریز

اس نکتے پر توجہ ہمیں مفردات قرآن کے فہم اور تفسیر کے بارے میں ایک اور قاعدے کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآنی الفاظ کے مصادیق کو معین اور مشخص کرنے کے لئے ہمیں ان کے عمومی استعمالات اور مفاہیم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ خود قرآن کی زبان میں وہ کس معنی اور مفہوم کے لئے استعمال ہوا ہے اور آیت میں موجود کلامی قرائن کس معنی پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس بارے میں علامہ طباطبائیؒ تحریر کرتے ہیں۔ کلام الٰہی میں موجود کلمات اور الفاظ کے مصادیق کو مشخص اور معین کرنے کا راستہ خود قرآن میں موجود کلامی قرائن کی طرف رجوع کرنا ہے نہ کہ عمومی طور پر ان کے مروجہ مصادیق کی طرف رجوع کرنا۔ (33)

اس بارے میں ایک مثال لفظ "روح" کی ہے۔ عرف عام اس لفظ کے متعدد اور متفاوت استعمالات ہیں (جیسا کہ المیزان کے منصف نے تذکرہ کیا ہے) لیکن قرآن کی زبان میں یہ حقیقت واحدہ کا نام ہے جس کے مختلف مراتب اور درجات ہیں ان میں ایک درجہ اور مرتبہ وہ واسطہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیغمبروں کے مقام و منزلت کی تائید کے لئے ہے اسی طرح کی دیگر مثالیں بھی مل سکتی ہیں مثلاً "رؤیا" عربوں کے ہاں عام طور پر ایسی چیزوں پر اطلاق ہوتا ہے جو انسان خواب میں دیکھتا ہے، لیکن قرآن اور روایات کی زبان میں خواب سے اعم معنی پر اطلاق ہوتا ہے اور عرفانی مکاشفات، انبیاء اور اولیاء الٰہی کے خاص مشاہدات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ (34) قرآن کی اصلاح میں "قلب" سے مراد انسان کے باطنی جذبات اور ادراکات کا مرکز ہے جیسے محبت، نفرت، امید، تمنا، قضاء اور حکم۔ (35) شہدا کا لفظ قیامت کے دن اعمال کے گواہوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (36) نعمت ولایت الٰہی کے معنی میں، (37) اور "ساعت" قیامت کے معنی میں آیا ہے۔ (38) اسلام نہ فقط آخری آسمانی دین کے معنی میں آیا ہے بلکہ بطور مطلق تمام توحیدی ادیان (39) کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ امام (40)، ایمان (41)، دین (42)، مشرک (43)، طعام (44)، نسخ (45)، اور ان جیسے دیگر الفاظ جن معنوں میں قرآن میں استعمال ہوئے ہیں وہ عام اور متعارف معنوں سے مختلف ہیں۔

مذکورہ قاعدے پر توجہ سے ہمیں یہ بات آسانی سے سمجھ آجاتی ہے کہ علامہؒ نے مفردات راغب سے بہت زیادہ استفادہ کیوں کیا ہے اور المیزان کے لغوی مصادر کے بارے میں بعض سوالات کا جواب بھی

واضح ہو جاتا ہے۔ شاید یہ سوال المیزان سے سروکار رکھنے والے بہت سارے افراد کے ذہنوں میں پیدا ہو کہ لغت کے اصلی مصادر العین، لسان العرب اور معجم مقاییس اللغۃ کے ہوتے ہوئے المیزان کے مصنف نے قرآن کے الفاظ کے معانی بیان کرتے ہوئے ہر لغوی منبع اور مصدر سے زیادہ مفردات راغب سے کیوں استدلال واستناد کیا ہے۔ شاید اس کا راز یہ ہو کہ راغب اصفہانی نے قرآن کے الفاظ کے معانی کو اخذ اور بیان کرتے ہوئے اس کی قرآنی استعمالات اور آیت میں موجود قرائن پر خاص توجہ دی ہے (46) اور یہ طریقہ کار اس قاعدے سے ہم آہنگ ہے، جس پر قرآن کے معانی اخذ کرنے کے لئے علامہ طباطبائیؒ تاکید کرتے ہیں۔ بنابرایں راغب کے اقوال سے بہت زیادہ استدلال کرنے کی ایک واضح اور محکم دلیل ہے کیونکہ اس نے قرآن کے مفردات کے معانی بیان کرنے میں تحقیق کی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر اس قاعدے کی تطبیق میں وہ لغزش کا شکار بھی ہوئے ہیں وہاں پر علامہ نے ان پر اعتراض کیا ہے اور اپنے اختیار کردہ معنی کو پیش کیا ہے (47)

3.2 اعتبارات شرعی پر توجہ کی ضرورت

مذکورہ اصول سے ایک اور قاعدہ اخذ ہوتا ہے اور وہ حقائق شرعی پر توجہ کی ضرورت ہے علامہ کے بقول قرآن کے بعض الفاظ ایک خاص شرعی اعتبار کے حامل ہیں، اس معنی میں کہ دوسری آیات یا معتبر روایات نے اسی لفظ کی مکمل تعریف کی ہے اور اس کے معنی کی حدود وقیود کو مشخص کیا ہے۔ لہٰذا اس سے کوئی اور معنی مراد لینا قرینہ صارفہ کا محتاج ہے۔ ایسے مقامات پر عرف لغوی کی طرف رجوع کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ اس میں وہ معنی معیار ہے جسے شریعت مقدس (کتاب یا سنت) نے اس لفظ کے لئے مقرر کیا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کی زبان میں "ابن" کے لفظ کا۔ فقط۔ پوتے پر اطلاق نہیں ہوتا بلکہ بیٹی کے بیٹے (نواسے) پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ ان مقامات پر جہاں قرآن کی واضح اور معین اصطلاح ہے، عرف لغوی کی طرف رجوع کرنا لغوی بحثوں کو معنی کی بحثوں سے غلط ملط کرنے والی بات ہوگی۔ اس بارے میں علامہ لکھتے ہیں:

> "اس قسم کے الفاظ (اہل بیت، قُربا وغیرہ) کے بارے میں، ان کے شرعی اعتبار پر توجہ کیے بغیر مفسرین غالباً ان الفاظ کے لغوی مفاہیم کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کی مثال ابن کے معنی کو مشخص کرنے کے لئے عرف لغوی کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ کہ کیا یہ لفظ بیٹی کے فرزند

کو بھی شامل کرتا ہے یا نہیں۔ یہ بات لفظی بحث کو معنی کی بحث سے مخلوط کرنے اور معاشرتی آراء کو آسمانی دین کی آراء سے غلط ملط کرنے کے مترادف ہے۔(48)"

قرآن کی زبان میں بھی بعض الفاظ کے خاص معنی میں کثرت استعمال سے بقول علامہ اس معنی میں وہ الفاظ حقیقت ثانوی اختیار کرگئے ہیں اور ان کے متعلق حقیقت شرعیہ یا حقیقت متشرعہ کی اصطلاح صادق آتی ہے ان مقامات پر بھی لغوی معنی کی طرف رجوع جائز نہیں ہے اس کی مثالیں، حج، صلوٰۃ اور صوم جیسے الفاظ ہیں(49) جو کہ نزول قرآن کے زمانے میں خاص معنوں میں کثرت استعمال کی وجہ سے ان معنوں میں مشہور ہوگئے اس لحاظ سے حقیقت شرعیہ یا متشرعیہ کے وقوع پذیر ہونے کے بعد ان سے قرینہ صارفہ کے بغیر لغوی معنی مراد لینا قطعاً جائز نہیں ہے۔اس بارے میں علامہ بیان کرتے ہیں:

"صلوٰۃ، صوم، زکات(50)، حج اور تمتع وغیرہ جیسے الفاظ شرعی موضوعات ہیں جو عصر نزول میں کثرت استعمال کی وجہ سے اپنے خاص معنوں سے پہچانے جاتے ہیں، لہٰذا حقیقت شرعیہ یا متشرعیہ کے تحقق پانے کے بعد، اس قسم کے الفاظ جو قرآن میں استعمال ہوتے ہیں، ان سے ان کے لغوی اور اصلی معانی مراد نہیں لیے جاسکتے(51) "

4۔وقت گزرنے کے ساتھ الفاظ کے رائج معانی میں تبدیلی:

زبان ایک جاری حقیقت ہے جس میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں ان تبدیلیوں میں سے ایک کلمات کے معانی ہیں تغییر (تبدیلی) ہے، دوسری ثقافتوں (52) سے اختلاط، عوامی رنگ اور کلمات کے دقیق معانی میں سہل انگاری، وہ عوامل ہیں جو ایک زبان کے الفاظ میں تغیر و تبدل کا موجب بنتے ہیں۔ قرآن کے بھی بہت سارے الفاظ اس آفت سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ قرآن کے بعض الفاظ کے معانی عصر نزول میں (متصل یا منفصل قرائن کی مدد سے) پورے طور پر واضح تھے لیکن مذکورہ عوامل کی وجہ سے تغیر و تبدل سے دوچار ہوگئے اور عصر نزول کے معانی سے بہت دور ہوگئے اس کی مثال امامت کا لفظ ہے جو قرآن میں بعض جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔علامہ طباطبائی سورہ بقرہ کی آیت 124 میں اس لفظ کے معنی کے متعلق لکھتے ہیں:

سورہ بقرہ کی آیت نمبر آیت نمبر124 "إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا " میں امامت کی تفسیر بعض مفسرین نے نبوت، پیشوائی اور مطاع ہونے سے کی ہے اور بعض نے اس کی تفسیر خلافت ووصایت یا دینی یا

دنیاوی امور میں سربراہی بیان کی ہے۔ اس قسم کی تفسیروں کی وجہ سے ہے قرآن کریم کے الفاظ کے معنی کثرت استعمال اور وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں کی نظروں میں (اپنے اصلی مقام و منزل سے) نیچے آگئے ہیں (53) حالانکہ یہ الٰہی نعمت (آیت میں مذکور امامت) لفظی مفاہیم میں محصور نہیں ہو سکتی اور عام لوگوں کی دسترس میں نہیں آسکتی، بلکہ یہ اپنے اندر حقیقی تعلیمات کے حقائق لئے ہوئے ہے۔ لفظ امامت ان حقائق کے ماوراء ایک حقیقت کا حامل ہے۔ (54)

البتہ ممکن ہے کہ قرآن میں ایک لفظ کئی مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہو اور لفظ امام اسی قبیل سے ہے یہ لفظ اپنے خاص قدسی (55) معنی کے علاوہ ظلم وجور اور کفر کے پیشواؤں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ (56) بہر حال ایک لفظ کا عرف عام میں مکرر ایک معنی میں استعمال اس بات کا باعث نہ بنے کہ اس کے قرآنی استعمالات میں غور وفکر سے ہاتھ اٹھالیا جائے۔ بلکہ قرآن کے ہر لفظ کے ترجمہ و تفسیر میں پیش نظر آیت میں اس لفظ کے خاص قرائن پر توجہ مرکوز رکھی جائے۔

اس کا ایک اور نمونہ اُمّت کا لفظ ہے اس کا اطلاق دین اسلام پر عقیدہ رکھنے والے تمام افراد پر ہوتا ہے اس کا یہ معنی نزول قرآن اور دعوت اسلام کے پھیلنے کے بعد کی پیداوار ہے، لیکن اس کا اصلی معنی اور اس کا دائرہ کار اس کے استعمال اور موجود قرائن کے تابع ہے۔ (57) اس کے علاوہ دیگر بہت سی مثالیں ہیں جن کا ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ (58)

عصر نزول میں مروجہ استعمال کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت

جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے معانی میں تغیر و تبدل اس بات کا سبب بنا ہے کہ بعض الفاظ عصر نزول میں مروجہ معانی سے دور ہوگئے ہیں۔ اس حقیقت کی طرف توجہ ہمیں دور حاضر کی لغات کی کتب اور ڈکشنریوں پر اعتماد کرنے سے روکتی ہے کیونکہ ان کا کام صرف عربی زبان کے الفاظ کے عصر حاضر میں رائج معانی اور استعمال کو بیان کرنا ہے۔ یہ امر (عصر نزول میں ہر لفظ کے معانی اور استعمالات سے آگاہی کے لئے) قدیم معتبر لغوی مصادر کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت کو آشکار کرتا ہے۔ مثال کے طور پر طعام کا لفظ آجکل ہر قسم کی خوراک اور غذا کے لئے استعمال ہوتا ہے (چاہے وہ گوشت ہو یا غیر گوشت) لیکن (علامہ کی تحقیق کے مطابق) یہ لفظ عصر نزول میں حبوبات (غلّہ

جات یعنی دانوں والی غذا) کے لئے بروئے کار لایا جاتا تھا لہٰذا اس کی تفسیر کرتے ہوئے اسی عصر نزول والے معنی پر منطبق کیا جائے۔(59)

5۔ نئی زبان میں داخل ہونے سے غیر عربی الفاظ کے معانی میں تبدیلی:

طبیعی طور پر عربی زبان نے دیگر زبانوں اور ثقافتوں کے ملنے سے بہت سارے الفاظ کو ان سے لیا ہے اور انہیں اپنے اندر جگہ دی ہے۔ ان میں سے بعض الفاظ نے عربی زبان میں نیا رنگ روپ دھار لیا ہے، نئی شکل وصورت بلکہ نئے معانی کے ساتھ اپنی زندگی کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ علامہ طباطبائی کی رائے ہے کہ اس طرح کے دخیل الفاظ کے نمونے قرآن مجید میں بھی پائے جاتے ہیں۔(60) قرآن میں غیر عربی الفاظ کو سمجھنے اور ان کی تفسیر کے بارے میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کی تفسیر عربی زبان کے قبول شدہ معیاروں پر کی جائے اور انہیں عربوں میں رائج فہم وادراک پر منطبق کیا جائے۔ ان الفاظ کے اپنی پہلی اور اصلی زبان میں معانی پر تکیہ کرنا بعض اوقات ہمیں عربی زبان میں ان کے رائج اور مستعمل معانی سے دور کر دیتا ہے۔

عربی زبان میں داخل ہونے والے الفاظ کے عربی زبان میں معانی پر توجہ کی ضرورت:

اس نکتے کی طرف توجہ انتہائی ضروری ہے خصوصاً قرآن میں، جو کہ فصیح ترین اور بلیغ ترین کلام ہے اور اپنے مقاصد کو واضح اور بہترین انداز میں بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کے الفاظ کی ایک مثال سورہ نحل کی آیت نمبر ۶۷ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا

ترجمہ: "اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم شکّر اور (دیگر) عمدہ غذائیں بناتے ہو"

بعض مفسرین نے ابن عباسؓ کے قول سے استدلال کرتے ہوئے اس لفظ "سَكَرًا" کا ایسا معنی کیا ہے جو عربی زبان میں رائج نہیں ہے۔ اس کے متعلق علامہ طباطبائی بیان کرتے ہیں:

"جو کچھ مفسرین نے ابن عباس سے نقل کیا ہے اس لفظ کا حبشی زبان میں معنی سرکہ ہے یہ معنی نا قابل اعتناء ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ قرآن میں استعمال ہونے والے غیر عربی الفاظ کی تعداد کم نہیں ہے (جیسا کہ استبرق، جہنم وزقوم اور دیگر الفاظ کے بارے میں کہا گیا ہے) لیکن یہ اس صورت میں ہے جب

ان کے استعمال سے اشتباہ اور ابہام پیدا نہ ہو چنانچہ "سَکَرٌ" جیسے لفظ کا استعمال جس کا عربی زبان میں خمر (شراب) معنی ہے اور حبشی زبان میں سرکہ کے معنی میں ہے، دوسرے معنی میں جائز نہیں ہے، کس طرح ممکن ہے کہ قرآن جو کہ بلیغ ترین کلام ہے، لفظ خِلّ جو فصیح عربی اور مراد کو بطور کامل پہنچانے والا ہے، کو چھوڑ کر سرکہ کے معنی کو بیان کرنے کے لئے حبشی زبان کے لفظ سَکَرٌ کا انتخاب کرے جو سرکہ کا معنی دیتا ہے اور عربی زبان میں اس کا متضاد "شراب" بھی موجود ہو؟ (61)

اس ضابطے کے مطابق لفظ سَکَرٌ اور قرآن میں اس طرح کے دیگر الفاظ کا وہی معنی اور تفسیر کی جائے جو عربی زبان میں فصیح اور رائج ہو۔ اگرچہ یہ الفاظ اصل میں دوسری زبانوں سے عربی زبان میں داخل ہی کیوں نہ ہوئے ہوں اور اصلی زبان میں کسی اور معنی میں استعمال ہوتے ہوں۔

نتائج:

تفسیر کے باب میں الفاظ قرآن کے فہم وادراک کی کیفیت چند قواعد وضوابط کے تابع ہے اور خاص اصولوں پر استوار ہے۔ تفسیر المیزان کی عبارات میں تحقیق یہ بتاتی ہے کہ علامہ طباطبائی نے اصول وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے خاص بنیادوں پر اور خاص قواعد کے تحت قرآن کے الفاظ کے معانی بیان کیے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ مفردات قرآن کے مصادیق کی خصوصیات ان کے موضوع لہ سے خارج ہیں یہ امر ایک لفظ کی حقیقت کو مختلف مصادیق (اس کے استعمال اور استفادہ کے ساتھ) پر منطبق کرنے کی قابلیت عطا کرتا ہے۔ اس کی واضح مثالیں، سراج، سلاح اور میزان کے الفاظ ہیں جو حقیقت میں وقت کے گزرنے کے ساتھ مختلف مصادیق پر قابل اطلاق ہیں۔ اس اصول (جس کی تائید میں بہت سارے شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں) کی روشنی میں ان آراء کی کوئی اہمیت نہیں رہتی جو مصادیق کی خصوصیات کو مسمیات میں دخیل قرار دیتی ہیں اور سائنسی وعلمی نظریات کو الفاظ قرآن کے فہم وادراک میں موثر قرار دیتی ہیں۔

۲۔ اگرچہ دوران جاہلیت کے عربوں کے درمیان رائج بعض الفاظ کا سرچشمہ اس کے دور کے باطل نظریات اور غلط عقائد تھے، لیکن ان الفاظ کو مناسب ترکیب میں استعمال کرکے انہی الفاظ کو باطل اور غلط عقائد کی تصحیح کے لئے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔

۳۔نزول قرآن کے مقاصد میں سے ایک مقصد لوگوں کو اعلیٰ حقائق سے آگاہی ہے، اللہ تعالیٰ کی صفات، عالم آخرت، دنیاوی زندگی کا دوسرا رخ، دنیا و آخرت کا آپس میں تعلق جیسے حقائق اور اس طرح کی دیگر حقیقتیں جنہیں قرآن کی زبان میں غیب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ صفاتِ خدا اور عالم آخرت سے مربوط آیات میں قرآن کے الفاظ زیادہ تر ماورائے مادہ اور عالی مصادیق کے لئے استعمال ہوئے ہیں؛ لہٰذا ان الفاظ کے عرف عام میں رائج مصادیق مفسر کے ذہن کو ان کے عالی اور بلند مرتبہ معانی سے منصرف کرنے کا باعث نہ بنیں۔

۴۔عرب قوم کا دیگر اقوام سے میل ملاپ (اختلاط) اور روابط بعض الفاظ کے معنا میں تبدیلی کا سبب بنا ہے، قرآن میں اس قسم کے الفاظ کے سمجھنے کا درست اور صحیح معیار عصر نزول میں ان کے مروجہ استعمال کا حصول ہے۔

۵۔قرآن کی اصطلاح میں بعض الفاظ کے خاص معانی پائے جاتے ہیں؛ معصیت، مغفرت شاکرین، تفقہ، زکات، قلب، نعمت اور ولایت جیسے الفاظ کا تعلق اسی قبیل سے ہے، یہ چیز تفسیر میں مدّ نظر رہنی چاہیے۔

۶۔دیگر اقوام کے ماحول اور ثقافت کا عربوں کے قریب آنے سے دوسری زبانوں کے الفاظ عربی زبان میں داخل ہوئے ہیں۔ غالباً ان الفاظ نے عربی زبان میں نئے معانی زیب تن کیے ہیں اور انہوں نے نیا رنگ روپ اختیار کیا ہے اس قسم کے الفاظ (خواہ قرآن میں ہوں یا غیر قرآن میں) کے معانی کو سمجھنے کے لئے عربی زبان وادب میں ان کے استعمالات کو مدّ نظر رکھا جائے۔

*****

حوالہ جات

1۔اس، مکالے میں فہم قرآن کے بنیادی اصولوں سے مراد، قران کے بارے میں پہلے سے طے شدہ بنیادی مفروضات کا مجموعہ ہے جس پر تفسیر قرآن کا دارومدار ہوتا ہے اور قرآن کے مفردات اور کملات کے معانی کی تہہ تل پہنچنا، ان اصولوں کی روشنی میں انجام پاتا ہے۔

2۔ دیکھئے: سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، ج۲، ص۳۱۵۔
3۔ ایضاً: ج۱، ص۱۰۔
4۔ مثال کے طور پر میرزا محمد بن سلیمان تنکابنی (متوفای ۱۳۰۲ھ) اس بارے میں لکھتے ہیں: اِنَّ لِکُلَّ معنی من المعانی المتضاد من الالفاظ والمبانی روحاً وحقیقۃ ولہ ما ان لہ قشراً وقالباً وقد یتعدد الصور والقوالب لحقیقۃٍ واحدۃ وانما وضعت الالفاظ فی الحقیقۃ للروح والحقیقۃ واستعمالھا فی القشور والقوالب والصور لنوع اتحاد بینھما: مثلاً لفظ القلم انما وضع لآلۃ نقش الصور والارواح فی الالواح بلااعتبار کونہ من قصب اوجدید اوخشب، بل بلااعتبار کونہ جسما ولاکون اعنقوش محسوساً او مفقولاً والا کون اللوح من قرطاس اوخشب اوجدید۔۔۔۔۔وکذلک الحال فی المیزان فانہ وضع بمعیار یعرف بھا المقادیروھذا روحہ وحقیقتہ ولتہ وصفوتہ ولہ قوالب وقشور بعضھا جسمانی وبعض روحانی۔۔۔ "المیرزا محمد بن سلیمان التکابنی، توشیح التفسیر فی قواعد التفسیر والتاویل، تحقیق: شیخ جعفر السعیدی الجبلانی، ص۳۴-۳۳۔
5۔ بطور مثال (دیکھیں: سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، ج۱، ص۱۰/ج۱۴، ص۱۲۹-۱۳۰/ج۱۷، ص۷/ج۱۳، ص۵۴
6۔ دیکھیں: ایضاً، ج۲، ص۳۲۰۔۳۱۹
7۔ دیکھیں: المیزان، ج۱۴، ص۱۳۰۔۱۲۹
8۔ دیکھیں: المیزان، ج۱۲، ص۶۰
9۔ الفاظ کے موضوع لہ سے مصادیق کی خصوصیات کا خارج ہونا اور پیش نظر غرض و غایت کا معیار ہونا۔
10۔ دیکھیں: سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، ج۲، ص۳۱۵۔۳۱۶
11۔ ایضاً، ج۱، ص۲۱
12۔ ایضاً، ج۱۴، ص۱۳۰۔۱۲۹
13۔ دیکھیں: عبدالکریم سروش، قبض وبسط تئوریک شریعت، ص۴۶۲۔
14۔ دیکھیں: احد فرامرز قراملکی: " کتاب شناسی توصیفی تحول معرفت دینی" مجلّہ "کتاب نقد" سال دوم، ش۵ اور ۶، ص۳۶۲-۳۸۴۔
15۔ علامہ کے نظریے کے درست ہونے کی ایک دلیل سخن کے وجود میں آنے کا فلسفہ ہے جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے سخن اور کلام معاشرتی سطح پر انسان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آیا ہے؛ جس کے نتیجے میں الفاظ اور ان کے معانی کے مدّ نظر غالباً ان اشیاء کے وہ ظاہری خواص ہوتے ہیں جو عرف عام کی نظر میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح الفاظ و معانی کے پیش نر وہ مقاصد ہوتے ہیں جو عام طور پر ان مادی اشیاء سے حاصل ہوتے ہیں نہ کہ ان اشیاء کی ات اور نہ ہی ذات جمع تمام اوصاف اور خصوصیات۔ مثلاً عرف عام میں آگ کا لفظ ایک ایسی حقیقت کے لئے وضع کیا گیا ہے جو جلانے والی ہے اور اس کا شعلہ رنگوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور اگر کسی چیز کی خصوصیات اور اوصاف اس کے نام رکھنے میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں تو وہ زیادہ تر وہ ظاہری اوصاف ہوتے ہیں تو عرف عام کی نظر میں اس چیز کی حقیقت کو تشکیل دیتے ہیں نہ کسی چیز کی وہ حقیقیت جو واقع میں ہے۔ مکورہ مثال میں یہ کہ گ کا شعلہ کن عناصر سے مرکب ہے، اس لفظ آگ کے استعمال میں اور نام رکھنے میں ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا ہے۔

اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کے مصادیق میں تغیر وتبدل کے باوجود ان الفاظ کو جدید معانی میں استعمال کرتے ہوئے کسی قسم کی مجاز گوئی کا احساس نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر حقیقت میں کسی چیز کے حقیقی اوصاف اس کے موضوع لہ کا جزء ہوتے تو علمی نظریات میں تبدیلی الفاظ کے معانی میں تغیر وتبدل کا موجب بنتے۔ کم از کم ایک خارجی حقیقت جیسے آگ یا سور میں تسلیم شدہ نظریے میں بنیادی تبدیلی کے واقع ہونے سے لوگ قدیم لفظ کے استعمال اور اس کے اُس حقیقت خارجہ پر اطلاق میں شک وتردید کا شکار ہوجائیں یا یہ کہ قدیم لفظ کو قرینے کے ساتھ یا بطور مجاز استعمال کریں۔

16۔مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: صادق لاریجانی، معرفت دینی، ص۱۱۹-۱۲۰، رضا دینی، گزارۂ دوم؛ نقد نریہ قبض وبسط تئوریک شریعت (1) "کتاب نقد، شمارہ ۵-۶، ص۳۱۲-۳۱۶۔

17۔ دیکھیں: سید محمد حسین طباطبائی، المیزان، ج۱۳، ص۵۳-۵۴، محمود بن عمر زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، ذیل نمل: ۷۴، الجزء الثالث، ص۳۷۱، راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، ص۵۲۸، ذیل مادہ طیر، فخرالدین طریحی، مجمع البحرین، ج۳، ص۳۸۲، مادہ طیر کے ضمن میں۔

18۔مذکورہ قابلیت کے عوامل میں سے ایک، الفاظ کے اصلی موضوع لہ سے مصادیق کی خصوصیات کا خارج ہونا ہے، جس کی طرف علامہ کے "الفاظ، معانی اور ان کے مصادیق خارجیہ کے درمیان رابطہ کیفیت" کے بارے میں نظریے میں اشارہ کیا گیا ہے۔

19۔ دیکھیں: سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، ج۱۳، ص۵۳۔

20۔اس فرق میں راز کیا ہے اس بارے میں دیکھیں: المیزان، ج۱، ص۶۹۔

21۔اس بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: امیر رضا اشرفی۔ "سیر اشگی قرآن لزاندیشہ ماوباورھای باطل (پژوہشی دریکی از مبانی تفسیری علامہ طباطبائی) "مجلّہ معرفت، ش۱۰۷، ص۱۸-۲۸۔

22۔ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (بقرہ۔۱۵۱)

23۔ دیکھیں: المیزان۔ج۱، ص۹۔

24۔ایضا، ج۱، ص۱۰۔۱۱

25۔اکثر انسانوں کا محسوس اور مادی مصادیق سے ذہنی انس۔

26۔ دیکھیں: المیزان۔ج۱، ص۱۰۔۱۱۔

27۔قرآن کی زبان میں معصیت اور مغفرت، حق سے ہر قسم کی دوری پر اطلاق کیا گیا ہے۔اس لئے مخلصین جو شیطان اور اس کے بہکاوے سے محفوظ ہوتے ہیں، کے بارے میں بھی ذنب اور مغفرت کا استعمال کیا گیا ہے۔ (دیکھیں: المیزان،ج۵،ص۲۷ اور ج۶، ص۳۷۰۔۳۷۱)

28۔ جیسا کہ یہ آیت ہے: وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (نحل: ۱۸)

29۔لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ (اعراف: ۱۸۹) کی تفسیر میں علامہ اس آیت وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ (اعراف: ۱۷) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انّ الشاکرین فی عرف القرآن ھم المخلَصون(بفتح اللام) الذین لاسبیل لابلیس علیھم ولا دبیب للغفلۃ فی قُلُوبِھم۔ (المیزان ،ج۸، ص۳۷۶)

30۔ المیزان، ج۱، ص۲۴۶۔۲۴۷، ج۹، ص۵۲ اور ص۳۱۵اور ج۱۱، ص۵۴۔

31۔ دیکھیں: ایضاً، ج۹، ص۴۰۴۔

32۔ دیکھیں: ایضاً، ج۶، ص۱۰۔

33۔"انّ الطریق الی تشخیص مصادیق الکلمات فی کلامہ تعالیٰ ھوالہ جوع الی سالرمایصلح من کلامہ لتفسیرہ دون الہ جوع الی العرف وامیراہ فی مصادیق الالفاظ" (المیزان، ج۱۲، ص۲۰۷)

34۔ چ ج۱۰، ص۱۰۱۔

35۔ ایضاً، ج۹، ص۴۶۔

36۔ ایضاً، ج۴، ص۴۰۷۔

37۔ دیکھیں تفسیر المیزان، ج۴، ص۳۰۵، ج۱۵، ص۱۵۔

38۔ ایضاً، ج۸، ص۳۷۰

39۔ایضاً ، ج ۳، ص۲۷۹

40۔ ایضاً، ج۱۳، ص۱۶۷/و۱۶۸اور ۴۰۴

41۔ ایضاً، ج۱۵، ص۶۔

42۔ ایضاً، ج۱۲، ص۳۶۵۔

43۔ ایضاً، ج۱۲، ص۳۱۹۔

44۔ ایضاً ج۵، ص۲۱۲۔

45۔۔ایضاًج۵، ص۲۱۷۔

46۔ مفردات قرآن کے معانی بیان کرنے میں راغب اصفہانی کا اسلوب ان کی بیش قیمت کتاب پر اجمالی نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے۔اس نے بہت سے مقامات پر قرآنی الفاظ کے کسی خاص معنی کو انتخاب کرنے کے قرآن سے واضح طور پر دلائل پیش کیے ہیں۔

47۔ بطور مثال دیکھیں: ایضاً، ج۱۲، ص۳۳۱۔

48ایضاً، ج۹، ص۱۷۸۔

49 اس کی مثال تقویٰ کا قران میں محارم الٰہی سے پرہیز کے خاص معنی میں استعمال ہے۔ (دیکھیں: تفسیر المیزان؛ ج۹، ص۱۵۰۔۱۵۱)

50۔ یہ لفظ جب صلوۃ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو عام طور پر ایک مالی عبادت جس کی حدود و قیود شریعت میں مشخص میں، کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن بعض مکی سورتوں میں جن کے نزول کے وقت زکوۃ فرض نہیں ہوئی تھی، اپنے لغوی معنی (اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے) میں استعمال ہوا ہے، جس طرح اس آیت میں زکوۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے:"وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ۔ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ" (حم سجدہ: ۶۔۷)

51۔ دیکھیں : المیزان، ج۴، ص۲۷۲۔

52۔ اس بارے میں ابن اثیر لکھتے ہیں: غیر مسلموں کا اسلام سے مشرف ہونے سے عربی زبان دوسری زبانوں سے مخلوط ہونے کی وجہ سے وقت گزرنے کے ساتھ تبدیل ہوگئی؛ کچھ الفاظ کے معانی جو عصر نزول میں لوگوں کے درمیان مشہور اور رائج تھے، وہ معانی عام عربوں کے لئے اجنبی اور انجان ہوگئے اور دن بدن الفاظ کے معانی کی غربت اور ابہام میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس اجنبیت اور ابہام کا دائرہ خواص تک پھیل گیا" (دیکھیں: ابن اثیر: النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ص۵)

53۔ اس وضاحت کے ساتھ کہ جب جملے اور الفاظ زبان زد عام ہو جائیں تو بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ان کے معانی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور ان کے معانی میں زیادہ غور وفکر نہیں کرتے۔

54۔ دیکھیں: سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان۔ ج ۱۷، ص۳۶۱۔

55۔ دیکھیں: مذکورہ تفسیر میں سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۴ اور انبیاء کی آیت ۷۳ کی تفسیر میں۔

المیزان، ج۱، ص۲۷۱۔۲۷۲، ص

دیکھئے: سورہ بقرہ کے ذیل میں علامہ کی تفسیر، ۱۲۴ وانبیاء ۷۳۔المیزان ج۱، ص۲۷۲، ۲۷۱ اور ج ۱۴، ص ۳۰۴۔

56۔ جیسے توبہ: ۱۱۲ اور قصص: ۴۱

57۔امت محمد کے اطلاق سے ان تمام لوگوں کا ارادہ کرنا جو آپؐ کی دعوت سے ایمان لائے، نزول قرآن اور دعوت اسلامیہ کے پھیلنے کے بعد ایک جدید استعمال ہے۔ بصورت دیگر امت کا معنی قوم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ (ھود: ۴۸) کبھی کبھار واحدہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (النحل: ۱۲۰) (دیکھیں: سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان: ج۱، ص۲۹۷)

58۔اس کی ایک مثال لفظ "استمناع" ہے جو عصر نزول میں حقیقی طور پر نکاح متعہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ لہٰذا اس کو لغوی معنی یا اس کے علاوہ کسی اور معنی پر حمل کرنا جائز نہیں ہے (دیکھیں: سید محمد حسین طباطبائی، ج۴، ص۲۷۱۔۲۷۲)

59۔ ایضاً، ج۵، ص۲۰۴۔

60۔ اس مسئلے اور اس کے اقوال کے بارے میں محققین قرآن کی آراء: دیکھیں: سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، الجزء الثانی، النوع الثامن والثلاثون، ص۱۲۵۔۱۴۳۔

61۔ دیکھیں: تفسیر المیزان، ج۱۲، ص۲۹۱۔

کربلا کے واقعہ میں شمر بن ذی الجوشن کا کردار

ڈاکٹر عباس حیدر زیدی *
abbaspsc@yahoo.com

کلیدی کلمات: امام حسینؑ، واقعہ کربلا، شمر بن ذی الجوشن، بنی اُمیہ، یزید بن معاویہ، کوفہ، عمر ابن سعد، ابن زیاد

خلاصہ

واقعہ کربلا کا ایک اہم کردار شمر بن ذی الجوشن ہے جس کے مظالم اور جرائم نے اہل بیت رسولؐ کو بہت دردناک اذیتیں دی ہیں۔ شمر حضرت علیؑ کے زمانے میں ان کا حامی اور شیعہ شمار کیا جاتا تھا۔ صفین کی جنگ میں حضرت علی کے لشکر میں شامل تھا، بعد میں اس نے حضرت علیؑ کو چھوڑ کر معاویہ کا ساتھ دینا شروع کر دیا اور بنو اُمیہ کی حکومت کے ہواخواہوں میں داخل ہو گیا اور اس کا شمار شہر کوفہ کے اہم سرداروں میں ہونے لگا۔ اس نے جناب حجر بن عدیؓ کے خلاف جھوٹی گواہی بھی دی تھی اور دستخط بھی کیے تھے، جس کے نتیجے میں امیر شام نے انہیں ان کے ساتھیوں سمیت شہید کرا دیا۔ مسلم بن عقیل کی کوفہ میں شکست میں شمر نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ جب عمر بن سعد نے ابن زیاد کو کربلا سے خط لکھا تاکہ امام حسینؑ سے جنگ کی نوبت نہ آئے تو شمر نے ابن زیاد کو کہا کہ امام حسینؑ کسی صورت بھی تسلیم نہیں ہونگے لہٰذا ان سے جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ شمر نے ہم قبیلہ ہونے کے بہانے حضرت عباسؑ اور اُن کے بھائیوں کے لئے ابن زیاد سے امان نامہ بھی لیا تھا جسے حضرت عباس نے حقارت سے رد کر دیا تھا۔ شمر کو عاشور کی رات ہی امام حسینؑ سے جنگ کرنے کی جلدی تھی۔ عاشور کے دن امام حسینؑ کو شہید کرنے اور آپ کا سر کاٹنے اور پھر خواتین عصمت وطہارت کو اسیر بنانے اور اُن پر ظلم وستم کی انتہا کرنے بھی شمر نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا جس کی وجہ سے اس کا شمار واقعہ کربلا کے شقی ترین کرداروں میں ہوتا ہے۔

*۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، پاکستان اسٹڈی سینٹر۔ جامعہ کراچی

شمر بن ذی الجوشن کا شمار کربلا کے ان اہم کرداروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی جرائم اور مظالم سے حضرت امام حسین علیہ السلام، ان کے اہل حرم اور اعوان و انصار کو دردناک اذیتیں پہنچائیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان کے وفادار ساتھیوں کے ہمراہ کربلا کے میدان میں شہید کیا۔ کربلا کا واقعہ رونما ہونے سے وہ شہر کوفہ کی فوج کا ایک عام سپاہی تھا۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں ان کا حامی اور شیعہ شمار کیا جاتا تھا۔ صفین کی جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھا اور معاویہ سے برسرِ پیکار تھا۔ جب اس کی حیثیت ایک عام سپاہی کی تھی تو تاریخ میں اس کے حوالے سے فقط ایک ہی واقعہ ملتا ہے کہ اس نے جنگ صفین میں ایک دن اپنا مدمقابل طلب کیا تو معاویہ کی جانب سے "ادھم بن محرز" نامی شخص اس کے مدمقابل آیا جس نے پہلے حملے میں شمر کے سر کو زخمی کر دیا، لیکن شمر واپس لشکر کی جانب گیا اور پانی پینے کے بعد دوبارہ اپنے دشمن کے مقابل آیا شمر نے اس پر نیزے کا وار کیا اور گھوڑے سے گرا دیا پھر اس نے کہا کہ یہ وار اس کا بدلہ ہے جو تو نے مجھ پر کیا تھا اور پھر اپنے لشکر کی جانب واپس آگیا۔ (1)

شمر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو چھوڑ کر معاویہ کی جانب حرکت کی اور بنو اُمیہ کی حکومت کے ہوا خواہوں میں داخل ہو گیا اور اس کا شمار شہر کوفہ کے اہم سرداروں میں ہونے لگا۔ شمر کا نام ان لوگوں میں بھی آتا ہے کہ جنہوں نے جناب حجر بن عدیؓ کے خلاف جھوٹی گواہی بھی دی تھی اور دستخط بھی کیے تھے، جس کے نتیجے میں معاویہ نے انہیں ان کے ساتھیوں سمیت شہید کرا دیا۔ اب ہم اس کے ان جرائم کی نشاندہی آتے ہیں، جن کا ارتکاب کرکے اس نے دائمی ذلت پائی اور دنیا و آخرت میں رُسوا ہوا۔

حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے حکم سے شہر کوفہ تشریف لائے تو ان کے انقلاب کو ناکام بنانے میں شمر نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ یزید کی جانب سے نامزد کردہ کوفہ کے گورنر عبیداللہ ابن زیاد کے خاص مشیروں میں سے تھا۔ جب حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام نے کوفہ میں قیام کیا تو ابن زیاد نے جن لوگوں کو کہا تھا کہ وہ لوگوں کو جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے جناب مسلم علیہ السلام سے دور کریں، انہیں جنگ سے ڈرائیں اور حاکم کے ظلم و ستم اور قید و بند سے متنبہ کریں، ان میں شمر بن ذی

الجوشن عامری شامل تھا۔ جس کے نتیجے میں اہل کوفہ نے حضرت مسلم علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دیا اور بالآخر اس کا نتیجہ حضرت مسلم علیہ السلام کی شہادت کی صورت میں سامنے آیا۔

جب عمر بن سعد نے ابن زیاد کو کربلا سے خط لکھا تاکہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے جنگ کی نوبت نہ آئے تو شمر ابن زیاد کے دربار میں موجود تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے ابن زیاد کو کہا کہ امام حسین علیہ السلام کسی صورت بھی تسلیم نہیں ہونگے لہٰذا ان سے جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ اس نے کہا:

أتقبل هذا منه وقد نزل بأرضك والى جنبك ... والله لقد بلغني أن الحسين وعمر يتحدثان عامة الليل بين العسكرين۔

یعنی: "کیا تم اس شخص سے اس بات کو قبول کرلوگے! جبکہ وہ تمہاری زمین پر آچکا ہے اور بالکل تمہارے پہلو میں ہے۔ خدا کی قسم اگر وہ تمہارے شہر و حکومت سے باہر نکل گیا اور تمہارے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیا تو قدرت و اقتدار اور شان و شوکت اس کے ہاتھ میں ہوگی اور تم ناتواں و عاجز ہو جاؤگے۔ میرا تو یہ نظریہ ہے کہ تم یہ وعدہ نہ دو کیونکہ یہ باعث توہین ہے۔ ہاں اگر وہ اور اس کے اصحاب تمہارے حکم کے تابع ہو جائیں تو اب اگر تم چاہو ان کو سزا دو کیونکہ وہ تمہارے ہاتھ میں ہے اور اگر تم معاف کرنا چاہو تو یہ بھی تمہارے دستِ قدرت میں ہے۔ امیر! مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ اور عمر سعد دونوں اپنے اپنے لشکر کے درمیان بیٹھ کر کافی رات تک گفتگو کیا کرتے ہیں۔" (2)

شمر کی ابن زیاد سے یہ گفتگو ظاہر کرتی ہے کہ اسے کربلا کے حالات کی خبریں مسلسل موصول ہو رہی تھیں، جسے سن کر ابن زیاد نے شمر سے کہا کہ تمہاری رائے اچھی اور تمہارا نظریہ صحیح ہے۔ پھر اس نے عمر بن سعد کو خط لکھا اور اس میں تحریر کیا ہے کہ اگر حسین ابن علی علیہ السلام ہمارے حکم پر تسلیم ہو جائیں تو انہیں میرے پاس بھیج دو اور اگر وہ انکار کریں تو ان پر حملہ کرکے انہیں قتل کردو اور ان کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے اور مثلہ کردو۔ اگر تم نے ہمارے حکم پر عمل کیا تو اس کی تمہیں جزا ملے گی اور اگر تم نے انکار کیا تو فوج کو شمر بن ذی الجوشن کے حوالے کردو کہ ہمیں جو فرمان دینا تھا وہ ہم اسے دے چکے ہیں۔ (3) پھر اس نے خط کو شمر کے حوالے کیا اور کہا کہ:

فان فعل فاسمع له وأطع ، وان هو أبى فقاتلهم فأنت أمير الناس وثب عليه فاضرب عنقه وابعث الى برأسه۔

یعنی: "اگر اس (عمر بن سعد) نے ہمارے فرمان پر عمل کیا تو اس کے فرمان پر عمل کرنا لیکن اگر انکار کیا تو تم ان لوگوں سے جنگ کرنا اور ایسے میں تم اس لشکر کے امیر ہوگے اور اس (عمر بن سعد) پر حملہ کرکے اس کی گردن مار دینا اور اس کا سر میرے پاس بھیج دینا۔" (4)

ابن زیاد کا خط لے کر شمر چار ہزار کے لشکر کے ہمراہ نو محرم کو کربلا پہنچا اور خط پڑھ کر اُسے سنایا تو خط سن کر عمر بن سعد نے اس سے کہا:

مالك ويلك لأقرب الله دارك وقبح الله ما قدمت به على ... ان نفسا أبية لبين جنبيه

یعنی: "وائے ہو تجھ پر تو نے یہ کیا کیا! خدا تجھے غارت کرے۔ اللہ تیرا برا کرے! تو میرے پاس کیا لے کر آیا ہے۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ تو نے چاپلوسی کے ذریعہ اسے میری تحریر پر عمل کرنے سے باز رکھا ہوگا۔ تو نے کام خراب کر دیا۔ ہم تو اس اُمید میں تھے کہ صلح ہو جائے گی۔ خدا کی قسم حسینؑ کبھی بھی خود کو ابن زیاد کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑیں گے کیونکہ یقینا حسینؑ کے دل میں ایک غیور دل ہے۔" (5)

شمر کا دل سیاہ ہو چکا تھا، اس نے فوراً پوچھا: تم اتنا بتاؤ کہ تم امیر کے فرمان کو اجراء کرو گے یا ان کے دشمن کو قتل کروگے؟ اگر نہیں تو ہمارے اور اس لشکر کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ عمر بن سعد نے کہا کہ میں خود ہی اس عہدے پر برقرار رہوں گا تو جا اور پیدل فوج کی سربراہی انجام دے۔ اس طرح شمر نے ابن زیاد کو آمادہ کیا کہ وہ ایسے موقع پر مصلحت سے کام نہ لے اور عمر بن سعد کی باتوں میں نہ آئے بلکہ جس طرح بھی ہوسکے حسین ابن علی علیہ السلام سے بیعت طلب کرے اور انکار کی صورت میں ان پر جنگ مسلط کردے۔

حضرت عباس علیہ السلام اور ان کے تینوں بھائیوں کی والدہ کا شمار شمر کے قبیلے میں ہوتا تھا۔ شمر چاہتا تھا کہ حضرت عباس علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کو حضرت امام حسین علیہ السلام سے جدا کردے۔ اس نے ابن زیاد سے امان نامہ بھی لیا تھا، جسے اس نے حضرت عباس علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے حوالے کرنے کی

کوشش کی۔ وہ اصحاب امام حسین علیہ السلام کے پاس آیا اور بولا: ہماری بہن کے بیٹے کہاں ہیں؟ تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: "أجیبوہ وان کان فاسقا۔ اس کو جواب دو، اگرچہ وہ فاسق ہے۔" (6) تو امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے فرزند حضرت عباسؑ، عبداللہؑ، جعفرؑ اور عثمانؑ اس کے پاس آئے اور فرمایا: کیا کام ہے اور تو کیا چاہتا ہے؟ شمر نے کہا: اے میری بہن کے صاحبزادوں تم سب کے سب امان میں ہو۔ یہ سن کر ان غیرت مند جوانوں نے کہا:

لعنك الله ولعن أمانك، لئن كنت خالنا أتؤمننا وابن رسول الله لا أمان له۔

یعنی: "خدا تجھ پر لعنت کرے اور تیرے امان پر بھی لعنت ہو۔ کیا تو ہمیں امان دے رہا ہے لیکن فرزند رسول خدا کے لئے کوئی امان نہیں ہے؟!" (7)

شمر کو اس بات کی بہت زیادہ جلدی تھی کہ عاشور کی رات ہی امام حسین علیہ السلام سے جنگ ہو جائے چنانچہ جب امام حسین علیہ السلام کو ایک شب کی مہلت دینے کے حوالے سے عمر بن سعد نے شمر سے مشورہ کیا کہ: "یا شمر! ما تری؟ تمہاری کیا رائے ہے؟" تو شمر نے کہا: "ما تری أنت، أنت الأمیر والرأی رأیك۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ امیر تم ہو اور تمہاری بات نافذ ہے۔" (8) اس کے کردار اور گفتگو سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ نہایت شقی القلب واقع ہوا تھا۔ کربلا میں عمر بن سعد کی جانب سے لشکر یزید کی فوج کے میسرہ کا ذمہ دار شمر ہی تھا۔ (9)

عاشور کی صبح جب نمودار ہوئی تو شمر گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ اس نے خیموں کے پیچھے کی طرف دیکھا کہ آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے کہ جنہیں اصحاب حسینی نے امام حسین علیہ السلام کے حکم سے خیموں کے پیچھے جلایا تھا تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکیں۔ وہ چیخ کر بولا: "یا حسین استعجلت النار فی الدنیا قبل یوم القیامة۔ اے حسینؑ! قیامت سے پہلے ہی دنیا میں آگ کے لئے جلدی کر دی؟" امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: "من هذا كأنه شمر بن ذی الجوشن۔ یہ کون ہے؟ گویا یہ شمر بن ذی الجوشن ہے؟" جواب ملا: "خدا آپ کو سلامت رکھے! ہاں یہ وہی ہے۔" امام حسین علیہ السلام نے یہ سن کر جواب دیا: "یا بن راعیة المعزی أنت أولی بها صلیا۔ اے بکری چرانے والی عورت کے بیٹے! آگ میں جلنے کا حقدار تو ہے نہ کہ میں۔" حضرت امام حسین علیہ السلام کے جواب کے بعد جناب مسلم بن عوسجہؓ نے آپؑ سے عرض کیا: "یا

بن رسول الله جعلت فداك الا أرميه بسهم فانه قد أمكنني وليس يسقط سهم فالفاسق من أعظم الجبارين۔ میری جان آپ پر نثار ہو، کیا اجازت ہے کہ میں ایک تیر چلادوں، اس وقت یہ میری زد پر آگیا ہے میرا تیر خطا نہیں کرے گا اور یہ آدمی بہت فاسق و فاجر ہے۔ "امام حسینؑ نے مسلم بن عوسجہؓ کو جواب دیا: "لا ترمه ، فاني أكره أن أبدأهم۔ نہیں ایسا نہ کرنا۔ میں جنگ میں ابتداء کرنا نہیں چاہتا۔" (10) اس طرح ایک ایسے موقع پر کہ جہاں شمر کا کام تمام ہو سکتا تھا، امام حسین علیہ السلام نے مسلم بن عوسجہؓ کو اس پر تیر چلانے سے روک دیا کیونکہ امام حسین علیہ السلام کا اصول یہ تھا کہ وہ جنگ میں پہل کرنا نہیں چاہتے تھے۔

عاشور کے دن جب دشمن کی فوج نزدیک آنے لگی تو امام حسین علیہ السلام نے اپنا ناقہ منگوایا اور اس پر سوار ہو کر لشکر میں آئے اور باآواز بلند تقریر کرنا شروع کی، جسے لوگ سن رہے تھے تو تقریر کے درمیان میں شمر بول پڑا اور کہا: "هو يعبد الله على حرف ان كان يدري ما يقول۔ اگر کوئی یہ درک کرلے کہ تم کیا کہہ رہے ہو تو اس نے خدا کی ایک پہلو میں عبادت کی ہے۔" حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس بارے میں سکوت اختیار کیا، جس پر شمر کے یہ جسارت آمیز جملے سن کر جناب حبیب ابن مظاہرؓ گویا ہوئے:

والله اني لأراك تعبد الله على سبعين حرفا، وأنا أشهد أنك صادق ما تدري ما يقول، قد طبع الله على قلبك۔

یعنی: "خدا کی قسم! میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تو خدا کی ستر حرفوں اور تمام جوانب میں عبادت کرتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہہ رہا ہے کہ تو نہیں سمجھ پارہا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ خدا نے تیرے قلب پر مہر لگادی ہے۔" (11)

عاشور کے دن شمر اور جناب زہیر بن قین کے درمیان سخت گفتگو ہوئی تھی، یہ وہ وقت تھا کہ جب زہیر، عمر بن سعد کی فوج سے خطاب کررہے تھے تو شمر نے انہیں نشانہ بنا کر ان کی طرف تیر پھینکا اور کہا: "اسكت اسكت الله نأمتك أبرمتنا بكثرة كلامك" خاموش ہو جا! خدا تیری آواز کو خاموش کردے۔ اپنی زیادہ گویائی سے تو نے ہمارے دل کو برمادیا ہے۔" اس جسارت پر زہیر بن قین نے شمر سے کہا:

''یا بن البوال علی عقبیه ما أیاك أخاطب، انما أنت بهیمة والله ما أظنك تحكم من كتاب الله آیتین فابشر بالخزی یوم القیامة والعذاب الألیم۔

یعنی: "اے بے حیا اور بد چلن ماں کے بیٹے جو اپنے پیروں کے پیچھے پیشاب کرتی رہتی تھی! میں تجھ سے مخاطب نہیں ہوں، تو تو جانور ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ تو کتاب خدا کی دو آیتوں سے بھی واقف ہوگا۔ قیامت کے دن ذلت وخواری اور دردناک عذاب کی تجھے بشارت ہو۔" (12)

یہ سن کر شمر نے کہا: ''ان الله قاتلك وصاحبك عن ساعة۔ خدا تجھے اور تیرے سالار کو ابھی موت دیدے۔ "زہیر بن قین نے کہا: ''فوالله للموت معه أحب الی من الخلد معكم۔ تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم ان کے ساتھ موت میرے لیے تم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہنے سے بہتر ہے۔" پھر اپنا رُخ لشکر کی طرف کرکے بلند آواز میں کہا:

''عباد الله، لا یغرنكم من دینكم هذا الجلف الجافی وأشباهه فوالله لا تنال شفاعة محمد صلی الله علیه وسلم قوما هرقوا دماء ذریته وأهل بیته، وقتلوا من نصرهم وذب عن حریمهم۔

یعنی: "بندگانِ خدا! یہ اجڈ، اکھڑ، خشک مغز اور اس جیسے افراد تم کو تمہارے دین کے متعلق دھوکے میں نہ رکھیں۔ خدا کی قسم وہ قوم محمد ﷺ کی شفاعت نہیں حاصل کر پائے گی جس نے ان کی ذریت اور اہل بیتؑ کا خون بہایا ہے اور انہیں قتل کیا ہے، جو ان کی مدد و نصرت اور ان کے حریم کی پاسبانی کر رہے تھے۔" (13)

جناب زہیرؓ کا شمر کو ایسے جملوں سے مخاطب کرنا اس کی بدنما شخصیت پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔

عاشور کے دن جب جنگ اپنے عروج پر تھی تو بائیں محاذ سے شمر بن ذی الجوشن نے امام حسین علیہ السلام کے خیمے پر ایک نیزہ پھینکا اور پکارا: "علی بالنار حتی أحرق هذا البیت علی أهله، فصاحت النساء وخرجن من الفسطاط، میرے پاس آگ لاؤ تاکہ میں اس گھر کو گھر والوں کے ساتھ آگ لگادوں، یہ سن کر مخدرات آہ و فریاد کرنے لگیں اور خیمہ سے باہر نکلنے لگیں۔ "ادھر امام حسین علیہ السلام نے آواز دی: "یا ابن ذی الجوشن أنت تدعو بالنار لتحرق بیتی علی أهلی، حرقك الله بالنار۔ اے ذی الجوشن کے بیٹے! تو آگ

منگوا رہا ہے تاکہ میرے گھر کو میرے گھر والوں کے ساتھ جلادے؟ خدا تجھ کو جہنم کی آگ میں جلائے۔" حمید ابن مسلم ازدی کا بیان ہے کہ میں نے شمر سے کہا:

"سبحان الله هذا لا يصلح لك، أتريد أن تجمع على نفسك خصلتين تعذب بعذاب الله وتقتل الولدان والنساء، والله ان في قتلك الرجال لما ترضى به أميرك۔ "سبحان اللہ! اس میں صلاح و خیر نہیں ہے کہ تم اپنے لیے دونوں صفتوں کو یکجا کرلو۔ عذاب خدا کے بھی مستحق ہو اور بچوں اور خواتین کو بھی قتل کردو۔ خدا کی قسم ان کے مردوں کو قتل کرنا ہی تمہارے امیر کو خوش کردے گا۔ "اسی اثناء میں شبث بن تبعی تمیمی شمر کے پاس آیا اور بولا: "ما رأيت مقالا أسوأ من مقالك، ولا موقفا أقبح من موقفك أمرعبا للنساء صرت۔ میں نے گفتگو میں تم جیسا بدزبان انسان نہیں دیکھا اور تمہارے موقف سے قبیح ترین کسی کا موقف نہیں پایا۔ ان تمام شور و غل کے بعد کیا تو عورتوں کو ڈرانے والا بن گیا ہے۔" عین اسی موقع پر زہیر بن قینؓ اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ شمر اور اس کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور بڑا سخت حملہ کرکے انہیں خیموں سے دور کردیا یہاں تک کہ وہ لوگ عقب نشینی پر مجبور ہوگئے۔" (14)

نافع بن ہلالؓ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں میں سے تھے۔ انہوں نے لشکر یزید کے بارہ افراد کو قتل اور کئی کو زخمی کیا، لیکن پھر آپ خود مجروح ہوگئے اور آپ کے دونوں بازو ٹوٹ گئے تو شمر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اسیر کرکے آپ کو کھینچتا ہوا عمر بن سعد کے پاس لے کر آیا۔ نافعؓ اس حالت میں کہہ رہے تھے کہ میں نے تمہارے بارہ آدمی قتل کیے ہیں اور کئی ایک کو زخمی کیا ہے اگر میرے بازو سلامت رہتے تو تم مجھے قتل نہیں کرسکتے تھے۔ شمر نے انہیں قتل کرنے کے لئے تلوار نکالی تو انہوں نے کہا:

اما والله ان لو كنت من المسلمين لعظم عليك ان تلقى الله بدمائنا، فالحمد لله الذى جعل منايانا على يدى شرار خلقه فقتله۔

خدا کی قسم! اگر تو مسلمان ہوتا تیرے اوپر یہ بڑا سخت ہوتا کہ تو خدا سے اس حال میں ملاقات کرے کہ ہمارا خون تیری گردن پر ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری شہادت اپنی بدترین مخلوق کے ہاتھوں قرار دی۔" (15)

یہ سن کر شمر نے فوراً آپ کو شہید کر دیا۔اس طرح اس نے ایک اور ظلم وستم کا ثبوت دیا اور امام حسین علیہ السلام کے باوفا ساتھی جناب نافع بن ہلال کو اپنی تلوار سے شہید کر دیا۔

جب وہب بن عبداللہ بن خباب کلبی نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے اذن جہاد طلب کیا تو وہب کی ماں نے کہا کہ اے فرزند اپنی جان کو امام حسین علیہ السلام پر قربان کر دو۔وہب نے خوب جنگ کی، جب انہوں نے جام شہادت نوش کیا تو ان کی زوجہ دوڑتی ہوئی آئیں اور وہب کی پیشانی سے خاک وخون صاف کرنے لگیں۔اسی اثناء میں شمر کی نظر زنِ وہاب پر پڑی۔ اس نے اپنے غلام کو حکم دیا، جس پر اس کے غلام نے ایک عمود آہنی اس مومنہ کے سر پر ایسا مارا کہ وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ شہید ہو گئیں۔(16)

عاشور ہی کے دن ایک دفعہ شمر لشکر حسینی کے قریب آیا اور اس نے پوچھا کہ حسینؑ کہاں ہیں؟ حضرت نے پوچھا:" تجھے کیا کام ہے؟ حسینؑ میں ہوں۔" اس نے کہا:"ابشر بالنار۔ بشارت ہو تمہیں آتش کی۔"حضرت نے فرمایا:" ابشر برب رحیم وشفیع مطاع۔ اے ملعون! میں بشارت دیا گیا ہوں خداوند رحیم اور پیغمبر شفاعت کنندہ کی طرف سے۔ تو کون ہے؟"اس نے کہا: میں شمر بن ذی الجوشن ہوں۔ حضرت نے فرمایا:" اللہ أکبر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ رأیت کان کلبا أبقع یلغ دماء أھل بیتی۔ اللہ اکبر! میں نے اپنے جد بزرگوار پیغمبر خدا ﷺ سے سنا ہے۔انہوں نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک سگ ابلق میرے اہل بیتؑ کا خون پیتا ہے۔" پھر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: رأیت کان کلابا تنھشنی وکان فیھا کلبا أبقع کان أشدھم علی وھو أنت۔ یعنی:" میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا کتے مجھے کاٹتے ہیں اور ان میں ایک ابلق کتا ہے جو سب سے زیادہ مجھ پر حملہ کرتا ہے اور وہ سگ ابلق تُو ہے۔"(17)

عاشور کے دن جب امام حسین علیہ السلام کے تمام اصحاب شہید ہو گئے اور آپ جنگ کے بعد شدید زخمی ہو چکے تھے تو شمر موقع غنیمت جانتے ہوئے اپنے دس آدمیوں کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کے خیموں کی جانب بڑھنے لگا جن میں آپ کے گھر والے تھے۔ امامؑ ان لوگوں کی طرف بڑھے تو ان لوگوں نے آپ اور آپ کے گھر والوں کی درمیان فاصلہ پیدا کر دیا۔ یہ وہ موقع تھا کہ جب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

ویلکم ان لم یکن لکم دین وکنتم لا تخافون یوم المعاد فکونوا فی أمر دنیاکم أحرارا، ذوی أحساب، امنعوا رحلی وأھلی من طغامکم وجھالکم۔ یعنی: "وائے ہو تم پر! اگر تمہارے پاس

دین نہیں ہے اور تمہیں قیامت کا خوف نہیں ہے تو کم اس کم دنیاوی امور میں تو اپنی شرافت اور خاندانی آبرو کا خیال رکھو۔ان اراذل اور اوباشوں کو ہمارے خیموں اور گھر والوں سے دور کرو۔"
(18) یہ سن کر شمر بولا: "ذلك لك يا ابن فاطمة۔اے فرزند فاطمہ یہ تمہارا حق ہے۔" یہ کہہ کر اس نے آپ پر حملہ کر دیا۔
امام حسین علیہ السلام نے ان لوگوں پر زبردست حملہ کیا تو وہ لوگ ذلیل و رسوا ہو کر وہاں سے دور ہٹ گئے۔جب امام حسین علیہ السلام دشمن پر بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے تھے تو پیدل فوج کے ہمراہ جس میں سنان بن انس نخعی، خولی بن یزید اصبحی، صالح بن وہب یزنی، خثیم بن عمرو جعفی اور عبدالرحمٰن جعفی موجود تھے، شمر ملعون امام حسین علیہ السلام کی طرف آگے بڑھا اور لوگوں کو امام حسین علیہ السلام کے قتل پر اکسانے لگا تو ان لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کو پوری طرح گھیرے میں لے لیا۔
حضرت امام حسین علیہ السلام جب شدید زخمی ہو گئے تو آپؑ کافی دیر زمین پر پڑے رہے ہر کوئی آپؑ کے قتل کے گناہ سے کنارہ کشی کر رہا تھا اور اسے دوسرے پر ڈال رہا تھا۔ہر گروہ چاہ رہا تھا کہ دوسرا گروہ یہ کام انجام دے، اسی اثناء میں شمر چلایا: ویحکم ماذا تنظرون بالرجل؟ اقتلوہ ثکلتکم أمهاتکم۔ یعنی: "وائے ہو تم پر! اس مرد کے سلسلے میں کیا انتظار کر رہے ہو، اسے قتل کر ڈالو۔ تمہاری مائیں تمہارے غم میں بیٹھیں!" (19) اس جملے کا اثر یہ ہوا کہ چاروں طرف سے دشمن امام حسین علیہ السلام پر حملے کرنے لگے۔
شیخ مفید اپنی کتاب الارشاد میں لکھتے ہیں: "جب امام حسین علیہ السلام کی طرف خولی بن یزید اصبحی بڑھا تاکہ آپؑ کا سر قلم کر دے پس وہ لعین کانپنے لگا تو شمر نے کہا: "فت الله فی عضدك، مالك ترعد؟ خدا تیرے دونوں بازو کاٹ کر ٹکڑے کرے تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو کانپ رہا ہے؟" پھر شمر لعین گھوڑے سے اتر کر آپؑ کی طرف گیا اور اس نے آپؑ کو ذبح کیا اور سر کاٹ کر خولی بن یزید کو دیا اور کہا کہ اسے امیر عمر بن سعد کے پاس لے جاؤ۔(20)
علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ شمر اور سنان بن انس دونوں امام حسین علیہ السلام کے پاس تھے اس وقت تک ایک رمق جان حضرت کے بدن میں باقی تھی۔ شمر نے کہا: " يا ابن أبي تراب ألست تزعم أن

أباك على حوض النبي يسقي من أحبه، فاصبر حتى تأخذ الماء من يده ۔اے فرزند ابوتراب ! تم دعویٰ کرتے ہو کہ تمہارے باپ ساقی کوثر ہیں، اپنے دوستوں کو سیراب کریں گے، پس صبر کرو یہاں تک کہ ان کے ہاتھ سے سیراب ہو۔" پھر شمر نے سنان سے کہا کہ "شمر غصہ میں آ کر سینہ صد چاک پر چڑھا، ریش مبارک دست نجس میں لے کر چاہا کہ قتل کرے۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے مسکرا کر فرمایا: "أتقتلني ولا تعلم من أنا؟ اے شمر آیا تو مجھے قتل کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ میں کون ہوں؟" شقی نے کہا:

أعرفك حق المعرفة: أمك فاطمة الزهراء، وأبوك على المرتضى، وجدك محمد المصطفى، وخصمك العلي الأعلى أقتلك ولا أبالي۔

میں خوب پہچانتا ہوں تمہاری ماں فاطمہؑ بنت رسولؐ ہیں، تمہارے باپ علی مرتضیٰ علیہ السلام، تمہارے نانا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور تمہارا دشمن پروردگار علی اعلیٰ ہے اور میں تمہیں قتل کرتا ہوں اور برا نہیں کرتا۔" (21)

یہ کہہ کر اس بے رحم نے شمشیر کی بارہ ضربوں سے سر اقدس تن سے جدا کیا۔ درود و سلام ہو شہید راہ خدا پر اور لعنت خدا ہو ان کے قاتل اور ظالم پر اور ان اشقیاء پر جو حضرت امام حسین علیہ السلام سے لڑنے جمع ہوئے تھے۔

جب امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان کربلا میں شہید کر دیے گئے تو شمر بن ذی الجوشن پیادہ فوج کے ہمراہ خیموں کی تاراجی میں مشغول ہو گیا۔ جب وہ اپنے لشکر کے ہمراہ خیموں میں داخل ہوا تو تمام اسباب و زیور اہل حرم کو لوٹ لیا۔ بیبیوں کی چادریں سروں سے اُتاریں۔ حضرت ام کلثومؑ کے گوشوارے چھینے، کان زخمی کیے۔ بیبیاں اپنے سروں سے ردانہ چھوڑتی تھیں لیکن اشقیاء سروں سے کھینچ لیتے تھے۔(22) جب وہ خیموں کو لوٹتا ہوا امام حسین علیہ السلام کے فرزند امام علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کی طرف پہنچا جو بستر پر بیماری کی حالت میں تھے تو شمر نے کہا: " اقتلوا هذا۔ اسے قتل کر دو۔" جس پر وہاں موجود لوگوں نے کہا: سبحان اللہ ! کیا ہم بچوں کو بھی قتل کریں گے؟ یہ بچہ ہی تو ہے ! اسی اثناء میں عمر بن سعد وہاں پہنچ گیا اور اس نے کہا کہ اس نوجوان کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔(23)

گیارہ محرم کو عمر بن سعد کے لشکر نے جب کوفہ کی جانب کوچ کیا، اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو خولی بن یزید اصبحی اور حمید بن مسلم ازدی کے حوالے کیا کہ وہ ابن زیاد کے پاس لے جائیں۔ اسیرانِ کربلا اور باقی سرہائے شہداء کو کوفہ لے جانے کی ذمہ داری شمر ہی کو دی گئی تھی۔ قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج بھی اس کی ہمراہی کر رہے تھے۔ (24) جب گیارہ محرم کو شہدائے کربلا کے سر مختلف قبائل میں تقسیم کیے گئے تو بیس سر مبارک شمر اور اس کے قبیلہ ھوازن کو دیئے گئے تھے تاکہ وہ ان کا انعام و اکرام ابن زیاد سے وصول کر سکیں۔ (25) شہر کوفہ سے شہر شام تک سرہائے شہداء اور اسیرانِ کربلا کو لے جانے کی ذمہ داری بھی شمر ہی کے سپرد کی گئی تھی۔

جناب مختار ثقفی نے جب کوفہ میں قیام کیا تو جن لوگوں کی انہیں شدت سے تلاش تھی ان میں شمر بھی شامل تھا۔ انہیں کسی نے یہ خبر پہنچائی کہ شمر حضرت امام حسین علیہ السلام کے کچھ اونٹ کوفہ لایا تھا اور ان کو ذبح کرکے ان کا گوشت گھروں میں تقسیم کیا تھا۔ جناب مختار نے پتہ لگا کر ان گھروں کو مسمار کرا دیا اور ان کے مکینوں کو بھی مار دیا۔ (26) جناب مختار کے شہر کوفہ میں قیام کے وقت ان کے خلاف جن اشراف کوفہ نے بغاوت کی تھی، ان میں شمر بھی شامل تھا۔ ان کی ابن مطیع سے جنگ ہوئی۔ ابن مطیع کے لشکر کا سردار بھی شمر تھا۔ وہ مختار ثقفی سے جنگ کرتا رہا۔ مختار ثقفی کے ساتھ جنگ میں شمر نے ان کے غلام زوبی کو قتل کیا۔ بالآخر شمر نے کوفہ سے راہ فرار اختیار کی، لیکن جناب مختار ثقفی نے اپنے ساتھیوں کو اس کا پیچھا کرنے کا حکم دیا چنانچہ ابو عمرہ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کا پیچھا کیا اور ایک بڑی جنگ کے بعد اسے زخمی حالت میں گرفتار کرکے جناب مختار کے پاس بھیجا۔ جناب مختار نے اس کو قتل کرکے اس کے نجس جسم کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا اور مختار ثقفی کے غلام حارثہ بن مضرب نے اس کے سر اور چہرے کو پیروں سے کچلا۔ (27) پھر جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس جناب مختار نے عبیداللہ بن زیاد اور شمر بن ذی الجوشن کے سر مدینہ بھجوائے تو ان سروں کو دیکھ کر امامؑ سجدے میں گر گئے اور فرمایا: الحمد لله الذی لم یمتنی حتی أرانی فجعل یأکل وینظر الیهما۔ یعنی: "شکر ہے اللہ کا جس نے مجھے دنیا سے اس وقت تک نہ اُٹھایا جب تک ان کے سر نہ دکھا دیئے۔" (28)

اس طرح شمر بن ذی الجوشن نے اپنے کیے ہوئے مظالم کی سزا دنیا میں بھی پائی جبکہ آخرت کی سزا اس سے زیادہ سخت ہوگی۔ شمر کا کردار ان لوگوں کے لئے باعث عبرت ہے کہ جو یہ سوچ کر ظلم کرتے ہیں کہ

ان کو اس کے بدلے راحت و چین نصیب ہوگا، لیکن اللہ کی پکڑ زیادہ مضبوط ہے۔ تاریخ میں ایسے لوگ جو معاشرے میں ظلم و ستم روا رکھنا جائز سمجھتے ہیں اور اس زعم میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، ان کے لیے شمر جیسے لوگوں کی زندگی باعث عبرت ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ طبری، تاریخ الطبری، مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات - بیروت - لبنان، قوبلت ہذہ الطبعۃ علی النسخۃ المطبوعۃ بمطبعۃ "بریل" بمدینۃ لندن فی سنۃ ۱۸۷۹م - ج ۴- ص ۱۹ - ۲۰

2۔ ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ۱۳۸۶ - ۱۹۶۶ م، دار صادر - دار بیروت - ج ۴- ص ۵۵

3۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق: حسین الغفاری، مطبعۃ العلمیۃ - قم - ص ۱۰۱ - ۱۰۲

4۔ ایضاً، ص ۱۰۱

5۔ ایضاً، ص ۱۰۴

6۔ ابن طاووس، السید، اللہوف فی قتلی الطفوف، الأولی، ۱۴۱۷، مہر، آنوار الہدی - قم - ایران - ص ۵۴

7۔ مرتضی العسکری، السید، معالم المدرستین، ۱۴۱۰ - ۱۹۹۰م، مؤسسۃ النعمان للطباعۃ والنشر والتوزیع - بیروت - لبنان - ج ۳- ص ۸۷

8۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسین (ع)، لجنۃ الحدیث فی معہد باقر العلوم (ع)، الثالثۃ، ۱۴۱۶ - ۱۹۹۵م، دار المعروف للطباعۃ والنشر - ص ۴۷۵

9۔ دینوری، الأخبار الطوال، تحقیق: عبد المنعم عامر / مراجعۃ: الدکتور جمال الدین الشیال، الأولی، ۱۹۶۰، دار احیاء الکتب العربی، الطبعۃ الأولی ۱۹۶۰۔ القاہرۃ - ص ۲۵۶

10۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق: حسین الغفاری، مطبعۃ العلمیۃ - قم - ص ۱۱۶

11۔ عبد اللہ البحرانی، الشیخ، العوالم، الامام الحسین (ع)، مدرسۃ الامام المہدی (ع)، الأولی المحققۃ، ۱۴۰۷-۱۳۶۵ش، أمیر - قم - ص ۲۵۱

12۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق: حسین الغفاری، مطبعۃ العلمیۃ - قم - ص ۱۱۹ - ۱۲۰

13۔ سعید أیوب، معالم الفتن، الأولی، ۱۴۱۶، مجمع احیاء الثقافۃ الاسلامیۃ، التوزیع: انتشارات سعید بن جبیر - قم - ج ۲- ص ۲۸۶

14۔ أحمد حسین یعقوب، کربلاء، الثورۃ والمأساۃ، الأولی، ۱۴۱۸ - ۱۹۹۷م، الغدیر للطباعۃ والنشر والتوزیع - بیروت - لبنان - ص ۳۱۸ - ۳۱۹

15۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق: حسین الغفاری، مطبعۃ العلمیۃ - قم - ص ۱۵۰

16۔ المجلسی، علامۃ، بحار الأنوار، الثانیۃ المصححۃ، ۱۴۰۳ - ۱۹۸۳م، مؤسسۃ الوفاء - بیروت - لبنان - ج ۴۵- ص ۱۷

17۔ الحلی، ابن نما، مثیر الأحزان، ۱۳۶۹ - ۱۹۵۰م، المطبعۃ الحیدریۃ - النجف الأشرف - ص ۴۸

18۔ أبو مخنف الأزدی، مقتل الحسین (ع)، تعلیق: حسین الغفاری، مطبعۃ العلمیۃ - قم - ص ۱۹۰

19۔ایضاً، ص ۲۰۰

20۔المفید، شیخ، الارشاد، مؤسسۃ آل البیت علیہم السلام لتحقیق التراث، الثانیۃ، ۱۴۱۴ - ۱۹۹۳م، دار المفید للطباعۃ والنشر والتوزیع - بیروت - لبنان - ج ۲ - ص ۱۱۲

21۔ المجلسی، علامۃ، بحار الأنوار، الثانیۃ المصححۃ، ۱۴۰۳ - ۱۹۸۳م، مؤسسۃ الوفاء - بیروت - لبنان - ج ۴۵ - ص ۵۶

22۔ عبداللہ البحرانی، شیخ، العوالم، الامام الحسین (ع)، مدرسۃ الامام المہدی (ع)، الأولی المحققۃ، ۱۴۰۷ - ۱۳۶۵ش، أمیر - قم - ص ۳۰۴ - ۳۰۵

23۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر - بیروت - ج ۵ - ص ۲۱۲

24۔ ابن طاووس، سید، اللہوف فی قتلی الطفوف، الأولی، ۱۴۱۷، مہر، أنوار الہدی، قم - ایران - ص ۸۴

25۔ المجلسی، علامۃ، بحار الأنوار، الثانیۃ المصححۃ، ۱۴۰۳ - ۱۹۸۳م، مؤسسۃ الوفاء - بیروت - لبنان - ج ۴۵ - ص ۶۲

26۔ایضاً، ج ۴۵ - ص ۳۳۷

27۔ایضاً، ج ۴۵ - ص ۳۳۸

28۔ایضاً، ج ۴۵ - ص ۳۴۲۔

اُسوۂ حسنہ اور ہماری زندگی

پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل*

کلیدی کلمات: اُسوۂ حسنہ، اسلامی شریعت، خاتم الانبیاء، رحمۃ للعالمین، واقعات سیرت

خلاصہ:

انسان ایک غیر فانی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی مادی اور روحانی دونوں ضروریات کا بندوبست کر رکھا ہے۔ اسلام کے مطابق انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے انسانوں کو ایک نمونہ عمل (Role model) کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ نے تمام اقوام وملل کو اپنے انبیاء کی شکل میں ہادی عطا کئے، لیکن سابقہ انبیاء اور ان کی شریعتیں دائمی ضرویات پوری نہیں کرتیں اس لئے ایک آخری نبی اور شریعت عطا کی گئی۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوا تھا جبکہ مجھے تمام کالوں اور گوروں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ حدیث نبوی کے مطابق آپؐ پر سلسلہ نبوت تمام ہوا ہے۔ آپؐ کو خالق کائنات نے تمام انسانوں کے لئے نمونہ عمل اور اُسوہ حسنہ قرار دیا ہے اُسوہ حسنہ ایک مکمل نظام اور نمونۂ حیات ہے یہ دائمی چشمۂ ہدایت ہونے کی وجہ سے زمان ومکان سے بالاتر ہے۔ حدیث نبوی میں ان تمام حوادث وواقعات اور حالات کو شامل کیا جاتا ہے جو عہد رسالت میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ ہر مسلمان اپنے خالق کی رضا اُس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا، جب تک وہ اس کے آخری نبی کی مکمل اطاعت نہیں کرتا۔ اس مقالے میں یہ حقیقت پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ واقعات سیرت ایسی زندہ حقیقیت ہیں جن سے استفادہ کرکے انسانی زندگی کے مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ یہ واقعات ایسا عملی نمونہ ہیں، جن سے انسانی زندگی کے عصری اور مستقبل کے مشکلات کو کم کرنے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ نیز ان کے گہرے مطالعہ سے انسان کے فکری، سائنسی، فنی، روحانی اور ترقی کے موضوعات کو جلا بخشی جاسکتی ہے۔

*۔ سابق استاد بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

جسم وروح کے اتصال سے زندگی وجود میں آتی ہے۔ جب انسانی زندگی قائم ہوجاتی ہے۔ تو وہ سدا قائم رہتی ہے اور اسے کبھی فنا نہیں آتی۔ چنانچہ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ۔ یعنی: جس میں نہ مرے نہ جئے (1) کا یہی مقصد و منشاء ہے کہ انسانی زندگی دائمی ہے اور یہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف مراحل ہوتے ہیں اور یہ زندگی ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہوتی رہتی ہے اور جدید تجربات اور نئے حالات و کوائف سے گزرتی رہتی ہے۔ اسی طرح یہ امر بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات ہے، وہ رب العالمین ہے وہی ہدایت کا مصدر و منبع ہے اور وہی "إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ "یعنی : یقیناً یہ نہیں کہ تم جسے چاہو اپنی طرف سے ہدایت کردو جبکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے وہ خود ہدایت دیتا ہے (2) کا مستحق اور سزاوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ مالک کون ومکان جسم اور روح کے باہمی اتصال سے انسانی زندگی پیدا کرتا ہے تو وہ حدیث نبوی کی رو سے انسان کی غذا بھی مقرر کردیتا ہے اور اس کی ہدایت کا سامان بھی فراہم کردیتا ہے۔

چنانچہ ہمارا مشاہدہ کہ خالق کائنات نہ صرف جنین کو اس کی ماں کے ذریعے سے کھانے پینے کی تمام سہولتیں فراہم کرتا ہے اور اس کی دیکھ بھال اور نشوونما کرتا ہے۔ بلکہ ہر انسان کا مقررہ رزق بھی اسے زندگی بھر مہیا کرتا رہتا ہے بعینہٖ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی روح کی ہدایت تربیت، بالیدگی اور نشوونما کا اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ جس طرح مادی طور پر جنین کی مادی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ اسی طرح حقیقی منبع رشد وہدایت اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے روحانی رہنمائی کا بھی پورا بندوبست کر رکھا ہے۔

چنانچہ ہر پیدا ہونے والی انسانی روح نے "أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَىٰ" (3) یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت کا اقرار کر رکھا ہے۔ بلکہ حدیث نبوی ﷺ کی رو سے ہر بچہ اپنی فطرت سلیمہ یعنی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ (4) وہ نہ صرف موحد ہوتا ہے بلکہ روحانی طور پر مستحکم و مضبوط ہوتا ہے۔ مزید برآں جس طرح مادی غذا کے استعمال سے نومولود پروان چڑھتا ہے۔ اسی طرح اپنی پیدائش کے دن سے ہی وہ قرآن مجید اور سنت نبوی سے آشنا ہو کر روحانی بالیدگی اور تقویت بھی حاصل کرتا رہتا ہے۔

ہمیں اس حقیقت کا بھی ادراک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کی مادی ضروریات کی تکمیل کے لئے بے شمار غذائی اجناس اور متنوع غذائیں اس کائنات میں فراہم کر رکھی ہیں اور ہر انسان جنین کی سطح سے لے کر اس کائنات سے دوسری دنیا میں منتقل (Shift) ہونے تک ان سے کماحقہ استفادہ کرتا رہتا ہے اور غذا کے بغیر وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی روحانی حاجت براری کا بھی پورا پورا بندوبست کر رکھا ہے۔ چنانچہ ایزد تعالیٰ نہ صرف براہِ راست خود انسان کی روحانی رہنمائی، تربیت اور نشوونما کرتا ہے۔ بلکہ اسی علیم و خبیر اور قادر مطلق نے اس حیوان ناطق کی روحانی رہنمائی کے لئے نبوت ورسالت کا بھی مضبوط اور مستحکم سلسلہ انسانوں کو عطاء کیا ہے بلکہ انسان کی ہدایت، رہنمائی اور روحانی تقویت کے لئے کتب اور صحیفے بھی نازل فرمائے ہیں۔ تاکہ جس طرح انسان بھوک وپیاس محسوس کرکے ان کے تدارک کے لئے تگ ودو کرتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اپنی روحانی قوت میں کوئی کمی یا کمزوری محسوس کرے تو وہ ابدی ہدایت کے ان سرچشموں سے رہنمائی حاصل کرے اور ان کے روح پرور پیغام سے استفادہ کرکے اپنی روحانی پیاس بجھائے اور اپنی روحانی بالیدگی کا سامان بہم پہنچائے۔

دیگر نظام ہائے زندگی اور دیگر الہامی وغیر الہامی مذاہب کے برعکس اسلام دین ودنیا میں کوئی فرق یا تضاد روا رکھتا ہے۔ نہ وہ روحانیت اور مادیت کے مابین کوئی خط متارکہ (Line of Derkation) کھینچتا ہے نہ ہی ان دونوں میں افراط و تفریط کا قائل ہے اور نہ ہی اسلام روحانیت اور مادیت کو ایک دوسرے پر فوقیت یا ترجیح دیتا ہے۔ بلکہ وہ عدل وانصاف اور اعتدال کے ساتھ ان دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں دین ودنیا اور دین وریاست میں کوئی مغایرت یا جدائی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہوتے ہیں کیونکہ دین ایک نظام حیات ہونے کی حیثیت سے اسی دنیا میں اسی زمین پر نافذ ہوتا ہے۔ نیز ریاست ہی ایک ایسا دائرہ اور ایسا محل وقوع ہوتا ہے، جس میں دینی نظام برپا کیا جاتا ہے۔ اگر دین ہے، لیکن اس لئے جائے نفاذ نہ ہو تو انسان اس کے مفادات اور برکات سے محروم رہے گا نیز اگر روئے زمین ہو، ریاست بھی قائم ہو اور اس کے باشندے اپنے لئے نظام زندگی کے طور پر دین کی نعمت سے بہرہ ور نہ ہوں تو انسانی زندگی بے سود اور بے کیف

ہوگی۔ اسی لئے قرآن مجید نے " رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً" (5) یعنی "اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے جیسی دعا سکھا کر انسانوں کو یہ درس دیا ہے کہ انسان اپنی موجودہ زندگی میں دنیا سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ بلکہ اسی دنیا میں اس کے لئے عدل وانصاف پر مبنی پارسانہ زندگی (Life With Piety) گزارنے کے لئے دین ناگزیر ہے۔ جو انسانی زندگی کا لائحہ عمل (Manifists) بھی ہے اور آخرت کی کامرانی (Salyation) کی واحد کلید بھی ہے۔

انسانی زندگی کے کئی پہلو اور متنوع عناصر ہوتے ہیں۔ انسانی زندگی جنین سے شروع ہوتی ہے۔ وہ عموماً وہ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے مراحل سے گذر کر اپنی آخری منزل میں داخل ہوتی ہے۔ جو اس کا ابدی ٹھکانہ ہے۔ اسی طرح انسانی حیات، خوشیو غمی تندرستی وبیماری، سرد وگرم چکھنے، موافق اور نامساعد حالات کے پیش آنے، نیز وہ آزادی اور پابندیوں سے عبارت ہوتی ہے۔

مزید برآں کبھی انسانی خوشحال کی زندگی بسر کرتا ہے تو کبھی وہ تنگ دستی اور بدحالی کا شکار ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کو زندگی گذارنے کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے تو کبھی وہ پابند سلاسل ہو کر قید وبند کی صعوبتیں جھیل رہا ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اسے اس طرح کی صورت حال بھی دوچار ہونا پڑتا ہے کہ زمانہ اس کے خلاف کچھ اُلٹی ہی چال چل رہا ہوتا ہے اور تمام تر سہولتوں کی دستیابی اور مالی آسودگی کے باوجود انسانی زندگی رنج والم کی تصویر اور غم ودکھ کا مرقع بنی ہوتی ہے۔ داناؤں کا قول ہے کہ زندگی غموں کے مجموعے اور چند وقتی خوشیوں سے عبارت ہوتی ہے۔ ان بدلتے ہوئے رویوں اور زندگی کی بوقلمونیوں میں انسان کس طرح اپنی دنیوی زندگی بسر کرے۔ اچھے برے حالات میں کیا لائحہ عمل اختیار کرے؟ کس نظام پر بھروسہ کرے؟ اور کس شخصیت کو اپنا خضر راہ اور قائد ورہنما قرار دے؟ اس طرح کے لامتناہی سوالات کا جواب اور حل تلاش کرنے کے لئے اُسے کسی نہ کسی رہنما اور رہبر کی یقیناضرورت ہوتی ہے۔

جس طرح انسانی زندگی بہت سے مراحل اور متنوع عناصر سے عبارت ہوتی ہے۔ اسی طرح انسانی زیست کو اپنا وجود برقرار رکھنے اور اس میں متوازن روانی پیدا کرنے کے لئے بھی بہت سی ضروریات درپیش ہوتی ہیں۔ یہ ضرورتیں وقتی بھی ہوتی ہیں اور دیرپا بھی۔ یہ روحانی بھی ہوتی ہیں اور مادی

بھی۔ ان کا تعلق دینوی، اخروی زندگی یا بیک وقت ان دونوں سے بھی ہوتا ہے۔ ان انسانی ضرورتوں کا تعلق کبھی انسان کی اپنی ذات سے ہوتا ہے کبھی اپنے اپنائے جنس سے، کبھی اپنے خالق سے اور کبھی ایک ہی وقت میں یہ ضرورتیں ان سب انواع واقسام پر محیط ہوتی ہیں۔ اس طرح ان انسانی ضرورتوں کا دائرہ کار محدود بھی ہوتا ہے اور وسیع تر بھی۔ جو افراد، اداروں، ریاست، ریاستوں اور بین الاقوامی سطحوں تک پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ نیز انسانی ضرورتوں کی تکمیل اور مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے انسانوں کو ایک نمونہ عمل (Role model) کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس نے انسانی زندگی کا سرد و گرم چکھا ہو، انسانی ضرورتوں سے دوچار ہوا ہو اور انسانی حدود میں رہتے ہوئے ان ضرورتوں کی تکمیل کی ہو اور ان مشکلات پر قابو پایا ہو نیز اس نمونہ عمل کی اتباع کرکے اپنی دنیا اور آخرت سنواری ہو۔

خالق کائنات نے جس طرح انسان کی مادی ضرورتوں کی تکمیل کا اہتمام کیا اور اس کائنات کی ہر چیز کو انسان کے تابع کر دیا اور " هُوَ الَّذِی خَلَقَ لَكُم مَّا فِی الأَرْضِ جَمِیعاً" (6) یعنی: وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا، کہہ کر اس کائنات کی تمام اشیاء کو انسان کا خادم اور خدمت گذار بنا دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے "أَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الأَرْضِ" (7) یعنی: بے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کام لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کے ذریعے سے تمام آسمانی اور زمینی مخلوقات کو انسانی ہدایت، انسانی رہنمائی اور انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے وقف کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے معبوث کردہ انبیاء ورسل، اس کی نازل کردہ کتب اور صحیفے اس کی نورانی مخلوق فرشتے نیز آسمان پر موجود لوح و قلم انسانی خدمت کے چند آسمانی عناصر ہیں جو انسانی خدمت پر مامور ہیں۔

"وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" (8) یعنی ہر قوم کے لئے ہادی اور رہنما ہوتے ہیں کی رو سے خالق کائنات نے تمام اقوام وملل کو اپنے انبیاء اور رسولوں کی شکل میں ہادی اور رہنما عطا کئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے اس کائنات میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ جن میں سے 313 رسول بھی تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب اور صحیفے عطا کئے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنے رسولوں کو نئی شریعتیں بھی عطاء کیں تاہم یہ انبیاء، رسل، کتب اور صحیفے نہ صرف اپنی اپنی قوم میں مبعوث اور نازل ہوئے۔ بلکہ ان کی کتب، ان کے صحیفے اور ان کی شریعتیں بھی محدود افراد، محدود خطوں اور محدود اوقات کے لئے جاری ہوتی تھیں اور ان کے اپنے اپنے انبیاء ورسل کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ ہی وہ سب غیر موثر ہو جاتے تھے اور ان کی جگہ یہ پورا نظام نئے سرے سے نازل، استوار اور نافذ ہو جاتا تھا۔ اس لئے کسی ایسے نمونۂ عمل کی اشد ضرورت انسانوں کو درپیش رہی جو مکمل بھی ہو، محفوظ بھی ہو، انسانی ضروریات کی تکمیل بھی کرتا ہو اور انسانوں کے لئے زمان ومکان کی قیود سے بالاتر ہو کر قابل عمل بھی ہو۔ جبکہ سابقہ انبیاء ورسل اور ان کی کتب اور شریعتیں یہ عوامل وکوائف پورے کرنے سے قاصر رہی ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ " كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَأَسْوَدَ "(9) یعنی : ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوا تھا جبکہ مجھے تمام کالوں اور گوروں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اس حدیث میں چند حقائق بیان ہوئے ہیں۔

1) ہر نبی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا۔
2) جس طرح اس کائنات میں بہت سی اقوام آباد ہیں اسی طرح بہت سے انبیاء ورسل بھیجے گئے۔
3) ہر نبی اپنی قوم کے لئے ہوتا ہے، دوسری اقوام عالم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔
4) جب کوئی نبی یا رسول اس کائنات سے رخصت ہوتا تو اس کی کتاب وشریعت بھی ختم ہو کر منسوخ ہو جاتی تھی۔
5) اس کے بعد نیا رسول مبعوث اور نئی شریعت نافذ ہوتی تھی۔
6) جبکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام سرخ، سفید اور سیاہ انسانوں کی طرف بھیجے گئے۔
7) یہی وہ ہستی ہیں جنہیں خاتم الانبیاء ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہے اور ان کی نبوت، رسالت، شریعت اور کتاب قیامت تک نافذ رہے گی۔

جیسا کہ ایک اور حدیث نبوی ﷺ ہے: "اُرْسِلْتُ اِلی الخَلق کَافَۃ،وخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّون" (10)
ترجمہ: "کہ مجھے پوری مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر سلسلہ نبوت تمام ہوا۔"
اس ہستی کو خالق کائنات نے تمام انسانوں کے لئے نمونہ عمل اور اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایسا کوئی نظام معتبر، موثر اور نافذ العمل نہیں ہوتا، جس کا نمونہ انسانوں کو میسر نہ ہو۔ واضح رہے کہ احکام مرقوم (Abstract) شکل میں ہوتے ہیں۔ اور نمونہ عمل انہیں عملی تعبیر و تشریح عطا کرتا ہے۔ کیونکہ نظریات، احکام اور اوامر ونواہی اس وقت تک مجہول، نامعلوم اور غیر معروف ہوتے ہیں۔ جب تک انہیں عمل کی کسوٹی پر نہ پرکھا جائے۔ بلکہ وہ ایسے فکری ہیولے قرار پاتے ہیں جن کے ساتھ عمل کی قدرت شامل نہیں ہوتی اس لئے تمام دینی شرائع کے ساتھ انبیاء اور رسولوں کی شکل میں عملی نمونے میں انسانوں کو فراہم کئے جاتے رہے۔
جب بھی انسانوں کو نمونے عمل کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے انسانوں کی بھرپور رہنمائی اور مدد کی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایزد تعالیٰ نے 313 کتب اور صحیفے اس طرح نازل فرمائے کہ ان کی بدولت جدید شریعتیں نازل ہوئیں، انسانوں کو نئے احکام حاصل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمان برداری کے نئے تقاضے وجود میں آئے اور پورے ہوئے اسی لئے جدید ضرورتوں اور انسانوں کو درپیش اطاعت الٰہی کے نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے 313 رسولوں کے ساتھ ساتھ بہت بڑی تعداد میں انبیاء بھی مبعوث فرمائے گئے۔ تاکہ تمام انسانوں کو انبیاء کی صورت میں نمونہ عمل میسر آتا رہے۔
چنانچہ یہ سنت الیہ رہی ہے کہ اس کائنات میں ایک وقت میں ایک ہی رسول بھیجا گیا۔ جبکہ بیک وقت کئی کئی انبیاء اس کائنات میں مبعوث ہو کر فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے اور انسانوں کو نمونہ عمل اور حقیقی عملی رہنمائی فراہم کرتے رہے تاکہ منشاء ایزدی پورا ہوتا رہے۔
فرداً فرداً انبیائے کرام کی دعوت و تبلیغ سے انسانیت توحید کی خوگر اور پیروکار ہو کر اتحاد کی لڑی میں پروئی گئی۔ مشیتِ ایزدی نے یہ فیصلہ کیا کہ جس طرح انسانیت توحید پر یکجان اور ایک قالب ہو گئی ہے، اس طرح اسے ایک نبی اور ایک رسول پر بھی متحد کیا جائے۔ اس اتحاد کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ توحید تنہا انسانی نفوس پر وہ اثرات مرتب نہیں کرتی جو توحید ورسالت باہم مل کر اثر

مرتب کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" (11) یعنی "اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔" کے ذریعے سے یہ اعلانِ عام فرمایا کہ جس طرح چار دانگ میں توحید کا غلغلہ بلند ہوا ہے۔ اسی طرح رسالت کا عَلَم بھی سرا بلند ہوتا رہے گا۔ جس طرح توحید کی سربلندی زمانی و مکانی حدود سے بالاتر ہے یہ مرتبہ ذکر رسالتؐ کو بھی حاصل رہے گا۔

رسالت کیا ہے؟ یوں تو فنی طور پر "رسول" وہ برگزیدہ ہستی ہوتی ہے جسے "اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ" (12) یعنی "اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا محل کسے بنانا ہے۔" کے مطابق اللہ تعالیٰ خود رسول منتخب کرکے مبعوث کرتا ہے یہ رسول اللہ تعالیٰ کا منتخب کردہ جلیل القدر انسان ہوتا ہے جسے بیک وقت نبوت، رسالت، جدید شریعت اور نئی کتاب عطاء ہوتی ہے۔ اس کی شریعت اور اس کے لائے ہوئے پیغام وحی (Revealed Massage) کو یہ ارفع مقام حاصل ہوتا ہے کہ یہ پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ انبیاء و رسل تک پہنچتا ہے اور وہ اسے انسانوں میں عام کرتے ہیں۔ اس لئے ہر رسول کا ایک طرف ایزد تعالیٰ سے براہِ راست تعلق ہوتا ہے اور دوسری جانب وہ انسانوں سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ ان کی اصلاح کرتا ہے انہیں اپنے خالق حقیقی کے حضور سجدہ ریز کرتا ہے۔ نیز انہیں آخرت کے نجات کا سامان حاصل کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کی لائی ہوئی شریعت اور کتاب کی تعلیم و تبلیغ انبیاء کرام کے سپرد ہوتی ہے جو خود بھی اس شریعت کے پیروکار ہوتے ہیں اور وہ اسی کی تبلیغ کرتے ہیں۔

رسول درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فرستادہ وہ نمونہ عمل ہوتا ہے جو اپنی لائی ہوئی شریعت پر خود عمل پیرا ہوتا ہے اور وہ اپنے عمل کا نمونہ انسانوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ تاکہ اس نمونہ کو پرکھ کر اس کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا انسانوں کے لئے آسان ہو جائے۔ اس طرح انبیاء اور رسل انسانوں کے لئے نمونہ عمل قرار پاتے ہیں، جسے قرآن مجید "اسوہ حسنہ" جسے اعلیٰ الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ چنانچہ اس "اُسوۂ حسنہ" کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا" (13) یعنی: "بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ

(سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔"اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محتشم، نبی مکرم، رحمۃ للعالمین ﷺ اور شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ان انسانوں کے لئے ایک کامل نمونہ قرار دیا ہے جو روزِ قیامت، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت کے امیدوار ہیں اور کلمہ طیبہ کا بکثرت ورد کرتے اور اپنے خالق کی یاد میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہدایت۔ قرآن مجید۔ تمہارے پاس ہے۔ اس کی تعلیمات سے مسلمان بخوبی واقف ہیں۔ لیکن قرآنی احکام پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک ان کے پاس عملی نمونہ موجود نہ ہو۔اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے لئے عملی نمونہ (Role Model) کی نشان دہی بھی کئ گئ ہے۔

اس آیت کریمہ میں دو مرکبات انتہائی اہم اور توجہ طلب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یوں تو اللہ تعالیٰ نے 313 رسول مبعوث فرمائے اور ان سب کی اتباع اور پیروی اپنے اپنے وقت میں ان کے مخاطبین پر لازم تھی۔ تاہم اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں جو خاتم النبیین رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں، کیونکہ رسول اللہ کے مرکب کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ "مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ " (14) یعنی: "محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں ۔"چونکہ قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید سے بیان کرنا سب سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے "محمد رسول اللہ "کہہ کر نہ صرف اپنے آخری نبی کا ذاتی اسم مبارک ذکر کیا ہے۔ بلکہ اس امر کی بھی وضاحت کردی ہے کہ دینی ادب میں جس جگہ "رسول اللہ "کا مرکب اضافی استعمال ہوتا ہے وہاں صرف اور صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہی مراد ہوتی ہے۔ کوئی اور فرد، گروہ یا ادارہ مراد نہیں ہوتا۔

سورۃ الاحزاب کی اس آیت کا دوسرا اہم مرکب "أُسوۃ حسنة" ہے یوں تو یہ مرکب توصیفی چھوٹا سا ہےاور حسب قاعدہ صرف دو الفاظ پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ مرکب توصیفی اپنے اندر معانی، مطالب اور مفاہیم کا ایک سمندر سموئے ہوئے ہے۔ جس کی وسعتوں کی کوئی انتہاء نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین، محدثین، فقہا، سیرت نگاروں اور تاریخ دانوں نے اس مرکب توصیفی پر طویل بحثیں کی ہیں۔ نیز اہل لغت نے بھی اس مرکب اور خصوصاً لفظ "اُسوۃ" کے معانی و مطالب بیان کرنے کی قابل قدر کوششیں کی ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:۔

لفظ "اسوۃ" کو اُسْوَۃٌ اور اِسْوَۃٌ دونوں طریقوں سے پڑھا اور تلفظ کیا جاتا ہے۔ تاہم "اُسْوَۃٌ" زیادہ فصیح تصور کیا جاتا ہے۔ اسی لئے قران حکیم نے بھی یہ لفظ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ریکارڈ کیا ہے اور یہ اسی طرح پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ اس لفظ کا لغوی معنی اور مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ جوہری رقم طراز ہیں: " الأُسوۃ والإِسوۃ" لغتان ما هي يتاسى به الحزين يتعزى به" (15) یعنی : "اُسوۃ اور اِسوۃ اس لفظ کے دو تلفظ ہیں جس کا معنی قدوہ، پیشوا اور امام کے ہوتے ہیں۔ اور صاحب الجامع الاحکام القرآن لکھتے ہیں : الأسوة القدوة . والأسوة ما يتأسى به ; أي يتعزى به . فيقتدى به في جميع أفعاله ويتعزى به في جميع أحواله ; فلقد شج وجهه ، وكسرت رباعيته ، وقتل عمه حمزة ، وجاع بطنه ، ولم يلف إلا صابرا محتسبا ، وشاكرا راضيا" (16)

اسوہ کا معنی رہنما ہوتا ہے۔ نیز اس شخص کو اُسوہ قرار دیا جاتا ہے، جو حزیں قلوب کی تشفی کا باعث بنتا ہے نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوا، آپؐ کے دندان مبارک شہید کئے گئے، حضور کے چچا کو شہید کیا گیا۔ آپ نے بھوک برداشت کی، لیکن ان تمام نامساعد حالات میں آپ صبر کرتے اور اپنا احتساب کرتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو کر اس کا شکر بجالاتے رہے۔

اسی طرح لسان العرب میں مرقوم ہے: ''الا سوۃ والاسوۃ القدوۃ'' یعنی: اُسوہ اور اِسوہ کا معنی رہنما، امام ہے اس سے نمونہ اور مقتدیٰ مراد ہوتا ہے۔ (17) یعنی پیشوا، رہنما، امام، مقتدی، ہادی اور نمونہ۔ ان لغوی مفاہم کی روشنی میں اس آیت مبارک کا مفہوم، منشایہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ان انسانوں کے رہنما اور پیشوا ہیں، نیز ان کے لئے علی نمونہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کا بکثرت

ذکر کرتے اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ یوں تو یہ آیت کریمہ اپنے نزول کے لحاظ سے خاص ہے اور غزوہ احزاب کے تناظر اور پس منظر میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس کا منشاء اور منطوق عام ہے۔ اُسوۂ نبوی ﷺ میں ہر اس انسان کے لئے ہدایت کا مکمل سامان ب موجود ہے، جو توحید ربانی اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسی طرح اگرچہ یہ آیات مبارکہ غزوہ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی ہیں اور اس غزوہ کے مختلف واقعات اور امور میں سرکار دو عالم ﷺ کو نمونہ اور پیشوا گردانا گیا ہے۔ تاہم آپ کا مقتدیِ اور ہادی و مرشد ہونا اس قدر عام ہے کہ وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے اور انسانی زندگی کے تمام عناصر، پہلوؤں، زمانوں، مکانوں اور امور میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔

اس مقام پر ایک اور نکتہ کی وضاحت کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مذکورہ قرانی آیت مبارکہ میں ''اُسوۃ حسنہ'' کا فیضان صرف ان افراد تک محدود دکھائی دیتا ہے۔ جو آخرت پر ایمان رکھتے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتے ہیں۔ اس لئے ''اسوۃ حسنہ'' کا اطلاق انہی محدود افراد پر ہوتا ہے تمام انسان اس نعمتِ الٰہی سے مستفید نہیں ہو سکتے!

اس نظریہ کے ساتھ رحمت دو عالم ﷺ کے منصب رسالت کی ذمہ داریوں پر غور کریں تو ان دونوں میں تضاد (Contradictions) اور تصادم (Clash) دکھائی دیتا ہے کیونکہ خاتم الانبیاء والمرسلین کا رحمۃ للعالمین ہونا اس حقیقت کا عکاس ہے کہ آپؐ کی رحمت ہر خاص وعام کے لئے ہے۔ جس طرح آپؐ کی رحمت انسانوں کے لئے ہے اسی طرح آپؐ کی رحمت دیگر مخلوقات عالم کے لئے بھی ہے نیز آپؐ کی رحمت جیسے معلوم مقامات، زمانوں اور انسانوں کے لئے ہے۔ اسی طرح آپؐ کی رحمت نامعلوم مقامات، زمانوں اور انسانوں کے لئے بھی ہے۔ اس لئے آپؐ کی ذات، آپؐ کی تعلیمات، آپؐ کی رحمات وبرکات نیز آپؐ کی ہدایات کو انسانوں کے کسی ایک گروہ یا مخلوقات کے کسی ایک طبقے تک محدود کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔ نیز ایسی رائے قائم کرنا قرآنی تعلیمات کے بھی منافی) بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پوری انسانیت کا رسول قرار دیا ہے۔ ''قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا'' یعنی: اے رسول آپ بتا دیجئے کہ اے انسانو! میں آپ سب کی طرف اس کا رسول ہوں) (18) نیز ''اسوہ حسنہ'' کا تعلق نہ صرف اوامر ونواہی سے ہوتا ہے۔ بلکہ وہ

انسانی اعمال کی جزاء وسزا کا بھی آئینہ دار ہوتا ہے، کیونکہ قرآن حکیم یہ اعلان کرتا ہے "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ" (19) کہ آپؐ کی بعثت تمام انسانوں کے لئے ہے۔ آپؐ ہی خوش خبری سنانے والے، آپؐ ہی ڈرانے والے ہیں۔ نیز آپؐ کی اتباع اور پیروی ہی انسانی کامرانی اور ناکامی کی کلید ہے۔

مندرجہ بالا دلائل سے یہ امر عیاں ہوتا ہے کہ سورۃالاحزاب میں جس "اسوہ حسنہ" کا بیان موجود ہے وہ انسانوں اور مسلمانوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ جس کی نہ صرف اتباع اور پیروی ان پر لازم ہے، بلکہ اس کا جاننا، اس کا سمجھنا اور اس کے احکام، تعبیرات، روح اور تقاضوں پر عمل کرنا بھی از بس ضروری ہے۔ اس لئے یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ "اسوہ حسنہ" کیا ہے؟ اس کی وسعت (Scope) کیا ہے؟ اور کیا اس کی حدود و قیود (Limitations) بیان یا متعین کی جاسکتی ہیں؟ ان تمام سوالوں کا تسلی جواب تحریر کئے بغیر یہ تحریر یقیناً ادھوری، نامکمل اور بے سود رہے گی۔

"اسوہ حسنہ" ایک مکمل نظام اور نمونۂ حیات ہے۔ یہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے یہ سب انسانوں کے لئے یکساں مفید اور قابل عمل ہے۔ یہ دائمی چشمۂ ہدایت ہونے کی وجہ سے زمان ومکان کی حدبندیوں سے بالاتر ہے۔ یہ دنیا وآخرت کے مادی اور روحانی تمام میدانوں میں رہنمائی کا مصدر ومنبع ہے۔ اسوہ حسنہ کے تمام عناصر، تمام اعمال وافعال اور تمام معلومات خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کی ذاتِ گرامی سے ماخوذ ہوتی ہیں۔ اسوہ حسنہ ہیں سر وہ عمل، قول، خُلق اور تمام شمائل وفضائل شامل ہوتے ہیں، جن کی نسبت آپؐ سے قائم ہو، جن کا ورود آپؐ سے ہوا ہو یا جس چیز کا تعلق کسی طرح بھی آپؐ کی ع ذات عالی سے ہو۔

اس لئے اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ "اُسوۂ حسنہ" کے مصادر کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اُسوۂحسنہ کی مزید وسعت اور عمدہ وضاحت ہمارے سامنے آسکے۔ چنانچہ اُسوۂ حسنہ کے مآخذ میں یہ چیزیں شامل ہوتی ہیں: قرآن مجید، احادیث نبویہ، آپؐ کے اخلاق وشمائل، سیرت نبویؐ، آپؐ کی وہ روایات جو صحیح اسناد کے ساتھ اصحاب سے مروی ہیں۔ نیز کتب سیرت وتاریخ میں منقول صحیح روایات آپؐ کے ساتھ

منسوب اشیاء، آپ کی خوراک، آپ کا جہاد، آپؐ کی استعمال کی اشیاء، آپؐ کے وصال کے بعد خواب میں رہنمائی فراہم کرنے والی صحیح روایات۔

اُسوۂ حسنہ کے مصادر میں ان واقعات (Events) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جو عہد رسالت میں وقوع پذیر ہوئے ہیں، کیونکہ ان واقعات اور حالات و کوائف کے حوالے سے بہت سے قرآنی آیات نازل ہوئیں اور یہ واقعات اسباب نزول کا اہم حصہ قرار پائے ہیں۔ چنانچہ آج بھی ماہرین قران ان اسباب نزول کو خصوصی درجہ عطا کرتے ہیں اور ان کی روشنی میں جدید احکام تلاش اور استخراج کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں(20) کیونکہ قرآنی آیات اگرچہ اپنے اسباب نزول سے وابستہ ہوتی ہیں، تاہم ان کے احکام اور اوامر ونواہی اس قدر عام ہوتے ہیں کہ وہ ہر جگہ اور ہر زمانہ کے لئے مفید اور قابل عمل ہوتے ہیں، بلکہ حالات وواقعات کی مماثلت، تبدیلی اور جدید امور کے وقوع پذیر ہونے سے ان آیات کے احکام مزید وسیع، موثر اور فائدہ مند قرار پاتے ہیں۔ اسی لئے دینی ادب میں ان تفاسیر کو اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے۔ جو قرآنی آیات کاشان نزول، اس میں موجود احکام نیز ان احکام کی ابدیت، ابدی افادیت نیز جدید اور بدلتے ہوئے انسانی معاشروں میں ان کے قابل عمل ہونے پر روشنی ڈالتی ہیں۔

اس حقیقیت سے سبھی مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ جس طرح قرآن حکیم اسلامی شریعت کا پہلا بنیادی ماخذ ہے اسی طرح سنت نبوی بھی اسلامی تعلیمات کا دوسرا بڑا اور اصلی مصدر ہے اور سنت مطہرہ میں رسول اللہ ﷺ کے سوانحی کوائف کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ جبکہ ظاہر ہے کہ کسی بھی بلند مرتبہ شخصیت کا سوانحی خاکہ ان حالات و کوائف اور واقعات سے عبارت ہوتا ہے جو اس شخصیت کے عہد میں وقوع پذیر ہوئے ہوں اور اس شخصیت کا ان واقعات سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق قائم ہو یہی وجہ ہے کہ حیات رسول ﷺ کے واقعات کو اسلامی شریعت میں انتہائی اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے کیونکہ یہ واقعات ایک جانب سیرت نگاری کا بنیاد ماخذ ہیں تو دوسری طرف یہی واقعات سنت مطہرہ کا حصہ اور اُسوۂ حسنہ کا مغز قرار پاتے ہیں۔

جس طرح قرآنی آیت سے احکام کا استنباط کیا جاتا ہے اور قرآن مجید کی آیات احکام پر مستقل تصانیف بھی موجود ہیں۔ اسی طرح احادیث احکام بھی مسلمان اہل فکر ودانش کی توجہ اور دلچسپی کا میدان رہی ہیں اور اس میدان میں انہوں نے علمی طور پر طبع آزمائی کی ہے۔ یہ حقیقت بھی سبھی انسانوں پر عیاں ہے کہ حدیث نبوی میں ان تمام حوادث وواقعات اور حالات و کوائف کو شامل کیا جاتا ہے جو عہد رسالت میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ چاہے ان واقعات کا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ براہِ راست حصہ تھے یا ایسے واقعات آپؐ کی شرکت کے بغیر ہی وقوع پزیر ہوئے ہیں۔

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۲۱ کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات مسلمانوں کے لئے "اسوہ حسنہ" ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اسوہ حسنہ میں رحمۃ للعالمین ﷺ کی حیات مبارکہ، آپؐ کے اقوال وافعال۔ آپؐ کی پسندیدہ اور مرغوب اشیاء آپ کے منظور کردہ امور، آپ کے عہد مبارک کے تمام حوادث واقعات، آپ کے اخلاق کریمہ، آپ کے فضائل وشمائل نیز آپ کی عادات وخصائل سبھی کچھ شامل ہوتا ہے جبکہ یہ امور ان واقعات اور حالات و کوائف سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں جو عصر نبوت میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ اس لئے عہد رسالت کے واقعات کو اسلامی شریعت میں خاص مقام حاصل ہے مفسرین محدثین، متکلمین، فقہاء، عربی زبان وادب کے ماہرین، مورخین، سیاست دان، ماہرین معاشیات، بین الاقوامی تعلقات کے مفکرین، اطباء، حکماء نیز سیرت نگار انہی حوادث واقعات سے استفادہ کرکے اپنے اپنے میدان میں رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ اور عظمت وشان واضح کرتے ہیں۔ اس لئے اسلامی تاریخ وتمدن میں ان واقعات کو اصلی مصدر معلومات کے طور پر بروئے کار لایا جاتا ہے اور ان سے نتائج اخذ کئے جاتے ہیں۔

یہ امر بھی واضح ہے کہ جس طرح پورے قرآن مجید میں پانچ سو سے چھ سو تک آیات احکام ہیں اور ان سے مستنبط شدہ احکام پورے دین اسلام کا احاطہ کرتے ہیں۔ اسی طرح احادیث نبوی میں بھی ایک بڑا ذخیرہ احادیث احکام کا ہے۔ جن سے حلّت وحرمت، جائز وناجائز، اسلامی اور غیر اسلامی امور کی نشاندہی ہوتی ہے۔ چونکہ اُسوۂ حسنہ درحقیقت قرآن مجید کی عملی تفسیر وتعبیر ہے، اس لئے حدیث نبوی میں عملی احکام کا وسیع تر ذخیرہ موجود ہے۔ جو نہ صرف اسلامی شریعت کے بنیادی ستون ہیں بلکہ

وہ حالات وزمانہ کی تبدیلی کے وقت بھی مسلمانوں کو مکمل رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ نیز عہد نبوی ﷺ کے واقعات، ان واقعات کی جزئیات، ان واقعات کے حوالے رسالت مآب ﷺ کا اسوہ حسنہ نیز کسی بھی واقعہ کے حوالے سے سید المرسلین ﷺ کا عمل، قول، ردّ عمل، ہدایت، نصیحت، امر و نہی اور رہنمائی سبھی کچھ مسلمانوں کو رہنما اصول فراہم کرتا اور ان کے مستقبل کے مسائل ومشکلات کے لئے قندیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی روشنی میں وہ اپنے مستقبل کی مشکلات کا حل تلاش کر سکتے ہیں اور وہ ایسا کرتے رہیں گے۔

عرب وعجم کے دانشوروں اور مفکرین نے اُسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کے متنوع پہلو متعارف کرائے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف سیرت طیبہ کے سوانحی، اخلاقی، معجزاتی، شمائلی اور احکامی پہلو اجاگر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی بلکہ انہوں نے حیات طیبہ، سیرت مبارکہ اور اُسوۂ حسنہ پر اٹھائے جانے والے متنوع اعتراضات اور الزامات پر بھی تشفی بخش جوابات بھی تحریر کئے ہیں تاکہ سیرت طیبہ کا حقیقی تصور اور تشخص اُجاگر ہو۔ تاہم اُسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کا واقعاتی پہلو ابھی تک تشنہ ہے۔ اگرچہ سیرت کا واقعاتی پہلو بھی اسی طرح اہم ہے جس طرح اُسوۂ حسنہ کے دیگر پہلو سود مند ثابت ہوتے ہیں۔

جب ہم سیرت طیبہ کے واقعاتی پہلوؤں کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس وقت ہم وہ تمام واقعات، حوادث اور حالات و کوائف مراد لیتے ہیں۔ جو سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی حیات طیبہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ ان واقعات کا تعلق قبل از بعثت نبوی ﷺ کے زمانہ سے ہو یا بعد از رسالت کے دور سے ہو۔ علاوہ ازیں ایسے واقعات مکہ مکرمہ میں وجود میں آئے ہوں یا مدینہ منورہ میں یا کسی اور مقام پر وقوع پذیر ہوئے ہوں، کیونکہ ایسے واقعات نہ صرف اسلامی شریعت میں یکساں اہمیت کے حامل ہیں بلکہ ان کی تمام جزئیات بھی محفوظ کی گئی ہیں۔ نیز ان تمام واقعات اور ان کی تمام تفاصیل سے شرعی احکام بھی حاصل کئے جاتے رہے ہیں اور ان کی اتباع اور پیروی بھی کی جاتی ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ ﷺ کی اطاعت، اتباع اور پیروی مسلمانوں پر لازم ہے آپ کی متعین کردہ راہ ہی صراط مستقیم ہے۔ آپؐ کی تعلیمات پر عمل کرنا ہی مسلمان کا شیوہ ہے۔ آپؐ کے بتائے ہوئے اصول و قواعد ہی مسلمانوں کو دینوی کامیابی اور اخروی فلاح و نجات سے ہم کنار کرتے

ہیں۔ قران حکیم کے متعدد اومر اور ترغیبات مسلمان کو اس امر کا پابند بناتی ہیں کہ وہ اپنے خالق کی رضا اور خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا، جب تک وہ اس کے آخری نبی اور رسول ﷺ کی مکمل طور پر اطاعت نہیں کرتا۔ چنانچہ "قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي" (21) یعنی: "(اے حبیب!) آپ فرمادیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو "اور "مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّهَ" (22) ترجمہ: "جس نے رسولؐ کا حکم مانا اس نے یقیناً اللہ کا حکم مانا" نیز" وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا" (23) ترجمہ: "اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہو" ایسے زبانی احکام ہیں۔ جن کی تعمیل ہر مسلمان پر لازم ہے ،بلکہ ان احکام پر عمل کئے بغیر کوئی مسلمان اپنے خالق کی رضا حاصل نہیں کر سکتا جو اس کی زندگی کا اولین مقصد ہے۔ نیز خود صاحب لولاک ﷺ نے بھی یہ ارشاد فرمایا :لایؤمن احد کم حتی یؤمن ماجئت بہ من الھدیٰ" (24) نیز آپؐ نے انسانوں کو یہ تعلیم بھی دی۔ "إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" (25)مزید یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ" وَمَن يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا یعنی: (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا) "ان تمام دلائل وبراہین کی روشنی میں کوئی بھی بشر اسی وقت کامل مسلمان بن سکتا ہے۔ جب صاحب شریعت ﷺ کی مکمل اطاعت، اتباع اور پیروی کرے۔

اسوہ حسنہ ہو یا سیرت طیبہ ان کا خمیر واقعات ہی سے اٹھایا جاتا ہے۔ کبھی تو واقعات بذات خود حوالہ بنتے ہیں، جیسے واقعہ شق الصدر اور واقعہ معراج کبھی واقعات کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ واقعاتی عمل خود دہراتے ہیں، جیسے اعرابی کے وضو درست نہ کرنے پر نبی رحمت ﷺ نے اسے خود وضو کرکے دکھایا، کبھی واقعہ کے نتیجہ میں جامع الکلم ﷺ کوئی ارشاد فرماتے ہیں، جیسے :''صلو کما رایتمونی اصلی(26) یعنی : "ایسے نماز ادا کرو جیسے تم مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو" اور" خذوواعنی مناسکم"(27) یعنی : "مجھ سے اپنے لئے حج کے مناسک سیکھو۔" یہ ارشادات

نبوی ﷺ اس وقت ارشاد فرمائے گئے۔ جب بعض مسلمانوں نے نماز کی ادائیگی اور وضو کرنے میں کوتاہی کی اور وہ شریعت اسلامی کی تعلیمات کے مطابق یہ اعمال سرانجام نہیں دے رہے تھے۔ بعض اوقات حیات نبوی ﷺ اور عصر رسالت میں ایسے واقعات بھی وقوع پذیر ہوئے، جن کی تائید یا حقیقت کے بارے میں قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ جیسے سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات ''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ'' (28) یعنی: ''اے ایمان والو! نبی کی آواز سے اپنی آوازیں زیادہ بلند نہ کرو۔'' ، یا سورۂ نساء کی مشہور آیت مبارکہ ''فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ یُحَكِّمُوكَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ'' (29) یعنی: ''اے حبیب! تمہارے ربّ کی قسم وہ مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک اپنے آپس کے جھگڑوں میں تمہیں حکم نہ بنائیں۔'' مزید برآں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی واقعہ کے حوالہ سے معاشرے میں کوئی صورت جنم لیتی ہے، جس کی اصلاح ضروری ہوتی ہے، جیسے سورۂ نور کی آیت نمبر ۲۲ ہے۔ جس میں ان اصحاب کو تنبیہ کی گئی ہے جو واقعہ فدک کے نتیجے میں بعض نیک کاموں سے وست کش ہوگئے تھے۔ ''وَلَا یَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن یُؤْتُوا أُولِی الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِینَ وَالْمُهَاجِرِینَ فِی سَبِیلِ اللَّهِ'' (30) یعنی: ''اور تم میں سے (دینی) بزرگی والے اور (دنیوی) کشائش والے (اب) اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ (اس بہتان کے جرم میں شریک) رشتہ داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی امداد نہ) دیں گے۔'' یہ تمام انواع واقسام کے واقعات، اسلامی شریعت میں حجت شمار کئے جاتے ہیں۔ نہ صرف تمام حوادث نبوی اور واقعات عہد رسول ﷺ سے استفادہ کرکے اسلامی شریعت کے اصول ومبادی اور قواعد واحکام کا استنباط کیا جاتا ہے، بلکہ انہیں اُمت مسلمہ کی مشکلات کا حل تلاش کرنے کے لئے بھی بروئے کار لایا جاتا ہے۔

یوں تو تمام واقعات سیرت، اسلامی شریعت کا مصدر ومنبع قرار پاتے ہیں اور اسی طرح وہ سبھی حوادث انسانی زندگی بسر کرنے کے لئے دائمی رہنمائی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ تاہم اپنی نوعیت، کیفیت کمیت اور نُدرت کی وجہ سے ایسے واقعات زیادہ اہم ہیں۔ کیونکہ ان سے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی اور رہنمائی ملتی ہے۔ اگرچہ اُسوۂ حسنہ سے متعلق ان واقعات میں جزوی اختلاف، تاریخی تضاد اور باہمی عدم موافقت بھی پائی جاتی ہے اور ان واقعات میں ہم آہنگی اور موافقت پیدا کرنے کی انسانی

کاوشیں تاحال بارآور ثابت نہیں ہو سکیں، تاہم ان نزاعات، اختلافات اور تضادات کے باوجود نہ حوادث سیرت کی صحت سے کوئی انکار کرتا ہے نہ ہی اسلامی شریعت میں ان کی اہمیت پر کوئی کلام ہے اور نہ ہی ان واقعات کے شرعی مقام و مرتبہ سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب واقعات سیرت، زمینی حقائق اور واقعاتی حقیقت ہیں۔ اس لئے ان کی روح، ان کے پیغام اور ان کے وسیلہ ہدایت ہونے کی وجہ سے ان سے انسانی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہمیشہ استفادہ کیا جاتا رہے گا۔

ذیل میں چند واقعات اُسوۂ حسنہ اور حوادث سیرت کی نشان دہی کی جاتی ہے جن کا تفصیلی تجزیاتی اور تحلیلی مطالعہ کرنے اور ان کی جزئیات کی جدید تشریح و تعبیر پیش کرنے سے انسانی زندگی کے متنوع اور متعدد مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ یہ واقعات اپنے وقوع پذیر ہونے کے لحاظ سے زمانی ترتیب (CHRONOLOGICAL ORDER) سے مرتب کئے گئے ہیں۔

ولادت باسعادت، واقعہ حلف الفضول، خانہ کعبہ کی تعمیر، صادق وامین ہونا، ازدواج مبارک، اہل مکہ کی ریشہ دوانیاں اور نبوی استقلال، ہجرت مدینہ، مؤاخات کا نظام، بیعت کی حقیقت، مسجد نبوی کی تعمیر، شق الصدر، معراج النبی، میثاق مدینہ، غزوات وسرایا، تبلیغ اسلام کی تدابیر، خطبۃ حجۃ الوداع، تبلیغ الشاہد الغائب، وصال النبی ﷺ، غیر مسلموں سے تعلقات اور پیغام کی ابدیت۔ (31)

یہ واقعات سیرت انسانی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں، جن کی مکمل فہرست تو اس جگہ پیش نہیں کی جاسکتی تاہم بعض امور کی اس لئے نشان دہی کی جارہی ہے کہ اس اہم اور انسانی موضوع پر کام کرنے والے دانشوروں اور محققین کے لئے تحقیق کی نئی راہیں کھل سکیں۔

(۱) اُسوۂ حسنہ کی دینی اہمیت، (۲) اُسوۂ حسنہ کی آئینی اور دستوری ضرورت، (۳) اُسوۂ حسنہ کی ریاستی فضیلت، (۴) اُسوۂ حسنہ اور انتظامی امور، (۵) اُسوۂ حسنہ کی علمی، سائنسی اور فنی رہنمائی، (۶) اُسوۂ حسنہ کی شخصیتی، اجتماعی اور ریاستی ضرورت (۷) اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں ثقافتی اور تہذیبی مقام، (۸) اسلامی اقتصادیات میں اُسوۂ حسنہ کی تعلیم، (۹) بین الاقوامی اور بین الریاستی تعلقات میں اُسوۂ حسنہ کی ضرورت اور رہنمائی (۱۰) انسانی زندگی میں انقلاب برپا کرنے میں اُسوۂ حسنہ کا حصہ، (۱۱) حقوق انسانی اُسوۂ حسنہ کے تناظر میں (۱۲) امن عالم اور اُسوۂ حسنہ (۱۳) اقلیتوں کے لائحہ عمل

اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں (۱۴) اُسوۂ حسنہ اور تاریخی حقائق (۱۵) اُسوۂ حسنہ انسانیت کی معراج (۱۶) نامعلوم خطوں کے لئے اُسوۂ حسنہ کی رہنمائی (۱۷) اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں صنعتی ترقی، (۱۸) انسانیت کے نام اُسوۂ حسنہ کا پیغام (32)۔

یہ نمونے کے طور پر پیش کردہ چند موضوعات ہیں۔ جن میں معتدبہ اضافہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ جس طرح انسانی زندگی کے موضوعات لامحدود ہوتے ہیں اور ان کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی، اسی طرح اُسوۂ حسنہ میں بے پناہ وسعت، انقلاب آفرین پیغامات اور انسانی فلاح وبہبود کے لئے شفا بخش تعلیمات موجود ہیں جو ابدی بھی ہیں، مفید بھی ہیں، قابل عمل بھی ہیں اور انسان کی مادی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل اور دنیا اور آخرت کے امور کا احاطہ بھی کرتی ہیں۔

جب اُسوۂ حسنہ اور ہماری زندگی کا مطالعہ صرف انسانی نقطہ نظر سے کیا جائے تو اس کا نہج کچھ یوں ہوگا۔

1. حیات رسول ﷺ کے چیدہ چیدہ واقعات منتخب کئے جائیں جو اپنے شعبہ کی نمائندگی کرتے ہوں اور ان میں انسانیت کے لئے رہنمائی اور دروس موجود ہوں۔

2. ہر واقعہ کو اس کی تمام جزئیات اور روایات کے تنوع کے ساتھ اس طرح بیان کیا جائے کہ اس کے تمام اجزاء نکھر کر سامنے آجائیں اور اس واقعہ کا کوئی حصہ مخفی نہ رہے۔

3. زیر مطالعہ واقعہ کے حوالے سے انسان کے عصری مسائل اور موجودہ مشکلات کی اس طرح نشان دہی کی جائے کہ زیر بحث موضوع پر عہد رسالت سے لیکر عصر حاضر تک کے انسان کو جن مسائل کا سامنا ہو رہا ہے، وہ سب مسائل کھل کر واضح ہو جائیں کیونکہ سابقہ پندرہ صدیوں میں علوم وفنون نے بے پناہ ترقی کی ہے اس ترقی کے حوالے سے مطالعات سیرت مفقود رہے ہیں۔

4. عصر حاضر کو سائنس اور فنی ترقی کا دور قرار دیا جاتا ہے۔ اس عہد کی فکری اور فنی ترقی بظاہر اسلامی تعلیمات سے متصادم اور متضاد معلوم ہوتی ہے۔ اس مسئلہ پر اُسوۂ حسنہ کی فراہم کردہ روشنی سے استفادہ کیا جائے تاکہ عصری ایجادات کو انسانی فلاح وبہبود کے لئے بروئے کار لایا جاسکے۔

5. عصری ترقی فنی، سائنسی اور علمی ترقی کی معراج یا اوج کمال نہیں ہے یہ سلسلہ مستقل میں بھی اپنی پوری قوت سے جاری رہے گا۔ اسلام چونکہ دین انسانیت ہے اور وحی کے پیغام ''لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ '' (33) کی رو سے اسے تمام ادیان پر غالب آنا ہے۔ اس لئے اُسوۂ حسنہ سے مستقبل کے انسان کے لئے روشنی تلاش کی جانی چاہیے۔

6. چونکہ اُسوۂ حسنہ مصدر رشد وہدایت ہے، یہ ہدایت مسلمانوں کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ یہ ہدایت پوری انسانیت کا ورثہ ہے۔ اس لئے واقعات سیرت سے اس بارے میں بھی استفادہ کیا جائے کہ وہ کس حد تک انسانیت کے لئے مفعت بخش سود مند اور قابلِ عمل ہیں۔

7. اس کائنات میں انسان کو جو مسائل اور مشکلات درپیش ہیں وہ سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی، اخلاقی اور تمدنی شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں، کیونکہ ہر انسان کو اپنی زندگی میں ان سب شعبوں کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ نیز اُسوۂ حسنہ کا دائرہ کار بھی انسانی زندگی کے تمام زاویوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس لئے واقعات سیرت اور ان کی جزئیات سے ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے۔

8. اس وقت انسان مختلف سیاروں اور ستاروں پر کمند ڈالنے کا عزم مصمم کئے ہوئے ہے اور اسے بعض کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں اور وہ مزید کامرانیوں کے حصول کے لئے تگ ودو کر رہا ہے ۔جبکہ بعض دینی حلقے ایسا ہونے کو محال قرار دے رہے ہیں۔ لیکن واقعات سیرت میں واقعہ معراج اس امر کا عکاس ہے کہ انسان زمین کے علاوہ دیگر سیاروں اور ستاروں پر کمند ڈال سکتا ہے۔آیہ مجیدہ ''أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (34) یعنی: ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے ان تمام چیزوں کو مسخّر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں

اور جو زمین میں ہیں ۔" اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ انسان ایک دن دیگر سیاروں کو بھی اپنے کام میں لائے گا۔

اس لئے واقعات سیرت کا حقیقی مطالعہ سائنسی ایجادات، فنی اکتشافات اور جدید فلکی معلومات کے سمجھنے میں ممد ومعاون ثابت ہو سکتا ہے۔

اس تحلیلی اور توسیعی مطالعہ سے کئی جدید حقائق منکشف ہو سکتے ہیں کہ اُسوۂ حسنہ کے واقعات کوئی وقتی حادثہ یا ساکت جامد سانحات نہیں ہیں کہ وہ اپنے وقت میں وقوع پذیر ہو کر ہوا میں تحلیل ہو گئے ہیں اور ان کے انسان زندگی پر کوئی اثرات مرتب نہیں ہوتے بلکہ اس کے برعکس واقعات سیرت ایک ایسی تابندہ حقیقت اور ایک ایسا زندہ منبع اور مصدر ہیں جس سے ہمیشہ استفادہ کرکے انسانی مسائل ومشکلات کا حل تلاش کیا جاتا رہے گا۔ نیز واقعات سیرت ایک ایسی سچائی ہیں جن سے اُسوۂ حسنہ کا خمیر اٹھایا جاتا ہے جو انسانی ترقی اور ایجادات کا نہ صرف قابل اعتبار ذریعہ ہیں بلکہ وہ انسان کو جدید عالم تلاش کرنے کی دعوت بھی دیتے ہیں۔

واقعات سیرت کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ جس طرح قرآن حکیم نے انسانی تخلیق کے مقاصد میں تسخیر کائنات کو مقدم قرار دیا ہے تاکہ خالق ومخلوق کے تعلقات حقیقی بنیادوں پر استوار ہوں، اسی طرح اُسوۂ حسنہ بھی انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرنے اور کون ومکان کو اس کے تابع بنانے کے لئے یہی سائنسی منہاج (scientific method) اپنانے کی انسان کو تعلیم دیتا ہے۔

حوادث سیرت کے تفصیلی تجزیہ سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوگی کہ ان واقعات کا کس قدر مواد حقیقی اور اصلی ہے۔ جو عہد رسالت میں وقوع پذیر ہوئے ہیں اور ان واقعات کا کونسا مواد الحاقی ہے جسے بعد کے ادوار میں ان واقعات کا حصہ بنادیا گیا ہے۔ ایسے کرتے ہوئے ہم نہ صرف حقیقی سیرت طیبہ کو فروغ دیں گے ،بلکہ واقعات سیرت کی صحت، ان کی روحانی قوت اور عملی صورت کو بھی کماحقہ واضح کر سکیں گے جو ہمارا پہلا مقصد اور مطالعہ سیرت کی معراج ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے یہ حقیقت پیش کرنے کی کوشش کی کہ واقعات سیرت ایسی زندہ حقیقیت ہیں۔ جن سے استفادہ کرکے انسانی زندگی کے مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ یہ واقعات ایسا

عملی نمونہ ہیں، جن پر سدا عمل ہی نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ ان سے انسانی زندگی کے عصری اور مستقبل کے مسائل ومشکلات کو کم کرنے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ نیز ان کے گہرے مطالعہ سے انسان کے فکری، سائنسی، فنی، روحانی اور ترقی کے موضوعات کو جلا بخشی جاسکتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اُسوہ حسنہ کے متعلق ایسے مطالعات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

*****

حوالہ جات

1۔قرآن مجید۔طہ: ۴۷

2۔قصص: ۵۶

3۔الاعراف: ۱۷۲

4۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ فأبواہ یھودانہ أو یمجسانہ أو ینصرنہ مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

5۔بقرہ: ۲۰۱

6۔بقرہ: ۲۹

7۔لقمان: ۲۰

8۔الرعد: ۷

9۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۵۲۱

10۔ابن حیان، صحیح ابن حیان حدیث نمبر ۲۳۱۳

11۔الم نشرح: ۴

12۔الانعام: ۱۲۴

13۔الاحزاب: ۲۱

14۔فتح:۲۹

15۔الجوہری، صحاح تحت المادہ:

16۔القرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن تحت الآیہ

17۔منظور افریقی لسان العرب تحت المادہ۔

18 ۔اعراف:۱۵۸

19۔سباء:۲۸

20۔قرآن مجید کی سورہ یوسف کی آخری آیت۔لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (بے شک ان کے واقعات سے اہل فکر ودانش کی آنکھیں کھلتی ہیں) کی رو سے انبیاء علیہم کے قصوں یہ واقعات سے اہل علم عبرت حاصل کرنے اور ان سے استفادہ کرکے اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔

21۔آل عمران:۳۱

22۔نساء:۸۰

23۔حشر: ۷

24۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری حدیث نمبر ۱۸۳۴۔۱۸۳۵

25۔ بخاری، حدیث ۶۸۴۹۔کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب: قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: (بُعِثتُ بجوامع الکلم)

26۔یہ حدیث واقعاتی اہمیت کی دلیل ہے۔ صحیح بخاری

27۔سنن کبریٰ اضبحت۔اس حدیث میں بھی عہد نبوی کے واقعات پر عمل کرنے کا حکم ہے۔

28۔حجرات:۲

29۔نساء:۶۵

30۔نور:۴۲

31۔یہ سب واقعات عہد نبوی میں وقوع پذیر ہوئے اور سیرت طیبہ کے سوانحی ادب کی تمام کتب میں مذکور ہیں۔

32۔چند موضوعات بغور نمونہ تحریر کئے گئے ہیں تاہم یہ فہرست بہت طویل ہے ان موضوعات پر اہل علم کو توجہ دلوانا مقصود ہے۔

33۔سورۂ صف:۹

34۔لقمان:۲۰۔

کتاب شناسی

الغدیر فی الکتاب و السنۃ و الادب

علامہ عبدالحسین امینی (۱۳۲۰ھ۔۱۳۹۰ھ)

سید رمیز الحسن موسوی

عربی زبان میں لکھی گئی کتاب ''الغدیر فی الکتاب و السنۃ و الادب'' چودھویں صدی ہجری کے معروف شیعہ متکلم وعالم اور محقق شیخ عبدالحسین امینی نجفی (متوفی ۱۳۹۰ھ) کی تصنیف و تحقیق ہے۔ اس کتاب کی ۱۱ جلدیں ہیں، جس میں واقعہ غدیر کی حقانیت اور عقیدۂ امامت وولایت کے اثبات میں قرآن وسنت اور عربی ادب سے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ یہ اپنے موضوع میں بے مثال کتاب سمجھی جاتی ہے اور مذہب اہل بیت اطہارؑ پر امامت وولایت کے سلسلے میں کیے جانے والے شبہات کا بہترین جواب ہے۔

علامہ امینی حدیث غدیر کو پیغمبر اکرم ﷺ سے منقول احادیث میں سب سے یقینی اور متواترترین حدیث قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ اس حدیث کی سند کو اہل سنت منابع سے صحابہ و تابعین سے لے کر چودویں صدی کے علماء تک ذکر کرتے ہیں۔ یہ کتاب ہمیشہ علمائے اسلام کی توجہ کا مرکز رہی ہے اور تمام علماء اور محققین اس کتاب کو معتبر سمجھتے ہیں اوراپنی تحقیقات میں اس کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ علامہ امینی نے اس کتاب کی تالیف کی خاطر مختلف ممالک کی لائبریریوں من جملہ ہندوستان، مصر اور شام وغیرہ کا سفر کیاہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے ایک لاکھ سے زائد کتابوں کی طرف رجوع کیاہے اور دس ہزار سے زیادہ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔الغدیر کی تالیف پر ۴۰ سال سے زیادہ کا عرصہ لگا ہے۔اس وقت تک الغدیر کے بارے میں کئی کتابیں اور تحقیقی مقالے لکھے جاچکے ہیں۔

مؤلف کا تعارف

علامہ عبدالحسین امینی نجفی ۱۳۲۰ھ میں شہر تبریز میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شیخ احمد امینی (متوفی ۱۳۷۰ھ) سے حاصل کی، پھر تبریز شہر کے مدرسہ ''طالبیہ ''میں رسمی تعلیم کے لئے

داخل ہوئے۔ اُنہوں نے دینی علوم کے مقدمات اور سطحیات کے مراحل اسی مدرسہ میں طے کئے۔
تبریز میں جن علماء کے سامنے علامہ امینی نے زانوئے تلمذ تہ کیا اُن میں مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:
۱۔آیۃ اللہ سید محمد بن عبد الکریم موسوی (متوفی ۱۳۶۳ھ)؛ یہ تبریز میں مرجع تقلید تھے۔
۲۔آیۃ اللہ سید مرتضی بن احمد بن محمد حسینی خسرو شاہی (متوفی ۱۳۷۶ھ)۔
۳۔آیۃ اللہ شیخ حسین بن عبد علی توتونچی (متوفی ۱۳۶۰ھ)
۴۔ علامہ شیخ میرزا علی اصغر ملکی۔

حصول علم کے لئے نجف اشرف کا پہلا سفر

تبریز میں ابتدائی تعلیم اور دینی علوم کے مقدمات حاصل کرنے کے بعد علامہ امینی عالم جوانی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے نجف اشرف کے حوزہ علمیہ کے طرف روانہ ہوگئے۔ نجف اشرف میں علامہ امینیؒ نے فقہ، اصول، حدیث اور دوسرے علوم اسلامی میں جن اساتذہ سے کسب فیض کیا اُن میں نمایاں شخصیات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:
۱۔آیۃ اللہ سید محمد بن محمد باقر حسینی فیروزآبادی (متوفی ۱۳۵۴ھ)
۲۔آیۃ اللہ سید ابوتراب بن ابوالقاسم خوانساری (متوفی ۱۳۴۶ھ)
۳۔آیۃ اللہ میرزا علی بن عبد الحسین ایروانی (متوفی ۱۳۵۴ھ)
۴۔آیۃ اللہ میرزاابوالحسن بن عبد الحسین مشکینی (متوفی ۱۳۵۷ھ)

تبریز کی جانب واپسی

علامہ امینی نجف میں ایک طویل مدت تک دینی دروس میں شرکت کرنے، طلاب علوم دینی سے مباحثہ کرنے اور علوم و معارفِ شریعت سے مکمل طور پر مستفیض ہونے کے بعد اپنے وطن تبریز واپس آئے اور وہاں ایک عرصے تک وعظ و تبلیغ اور تدریس میں مشغول رہے، اسی زمانے میں آپ نے سورۂ حمد کی تفسیر مکمل کی اور اس تفسیر کی تدریس کی۔

نجف اشرف کی جانب دوسرا سفر

تبریز میں مختصر قیام کے بعد، مزید علوم ومعارف حاصل کرنے کے شوق میں اور نجف اشرف سے معنوی عشق کی بناپر، وہ دوبارہ اس مقدس شہر کی جانب لوٹ آئے جو علم ودانش کا گہوارہ تھا، اس کے بعد اُنھوں نے نجف اشرف کو اپنا دائمی مسکن بنالیااور یہاں تحقیق وتالیف کے کام میں مشغول ہوگئے۔

علامہ امینی کے مشائخ روایت اور اجازہ اجتہاد

نجف اشرف میں واپس آنے کے بعد آپ نے دوبارہ حوزۂ علمیہ نجف کے دروس خارج میں شرکت کی اور بزرگ علماء سے علم حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے تاکہ درجۂ اجتہاد پر فائز ہوسکیں، چنانچہ اُن کے علمی مقام ومرتبے پر فائز ہونے کے بعد بہت سے جید علماء اور فقہا نے ان کو فقہ میں اجتہاد اور حدیث میں روایت کرنے کے اجازے مرحمت فرمائے، جن میں بعض یہ ہیں:

۱۔آیۃاللہ سید میرزا علی حسینی شیرازی (متوفی ۱۳۵۵ھ)

۲۔آیۃاللہ شیخ میرزا حسین نائینی نجفی (متوفی ۱۳۵۵ ھ)

۳۔آیۃاللہ شیخ عبدالکریم بن ملا محمد جعفر یزدی حائری (متوفی ۱۳۵۵ ھ)

۴۔آیۃاللہ سید ابوالحسن موسوی اصفہانی (متوفی ۱۳۶۵ ھ)

۵۔آیۃاللہ شیخ محمد حسین بن محمد حسن اصفہانی نجفی معروف بہ کمپانی (متوفی ۱۳۶۱ھ)

۶۔آیۃاللہ شیخ محمد حسین بن علی آل کاشف الغطاء (متوفی ۱۳۷۳ھ)

۷۔آیت اللہ شیخ آقا محسن بزرگ تہرانی (متوفی ۱۳۸۹ھ)

۸۔آیت اللہ علامہ شیخ میرزا یحییٰ بن اسداللہ خوئی (۱۳۶۴ھ)

۹۔آیۃاللہ شیخ علی اصغر ملکی تبریزی

علم وتحقیق کے راستے میں انتھک جدوجہد

بلاشک وشبہ علامہ امینیؒ کا علمی مقام تمام علمائے اسلام کے نزدیک مسلّم ہے اور وہ اپنے دور کے محقق یگانہ سمجھے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ تحصیل علم اور علمی مباحث کے بے پناہ مشتاق تھے، اس راہ میں کسی قسم کی سعی وکوشش سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ وہ دقیق مطالب کو سمجھنے اور دوسروں پر واضح کرنے

کے بہت زیادہ ماہر تھے۔ جس کی تائید اُن کی علمی تصانیف و تحقیقات سے ہوتی ہے۔ مطالعے کے اس قدر شوقین تھے کہ انہوں نے کتاب الغدیر کی تدوین و ترتیب کے وقت نجف اشرف کے اکثر کتب خانوں کی کتابوں اور علماء کی تحریروں کا مطالعے کیا اور اس کے علاوہ دنیائے اسلام کے بڑے بڑے کتابخانوں تک رسائی حاصل کی اور دن رات کے مطالعات کے بعد اپنی عظیم الشان تحقیق عالم اسلام کے سامنے پیش کی۔ اس مقصد کے لئے اُنہوں نے کربلا، بغداد، کاظمین، سامرا، ایران، ہندوستان، شام اور ترکی کا سفر کیا۔

اپنے کام سے اُنہیں اس قدر لگاؤ تھا کہ مسلسل کئی گھنٹے گذر جاتے تھے اور وہ اپنے کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے اور اپنے روزانہ کا کھانا بھی تناول نہیں کرتے تھے، ہاں! جب دستر خوان پر بیٹھے ہوئے ان کے اہل و عیال کئی مرتبہ آواز دیتے تھے تب آ کر کھانا تناول فرماتے۔ وہ کتابوں میں اتنے مستغرق رہتے کہ ان کے لئے یہ بات اہم نہیں ہوتی کہ کھانا ٹھنڈا ہو گیا ہے یا جو کھانا کھا رہے ہیں وہ کل کا ہے، بلکہ ان کے لئے یہ بھی اہم نہیں ہوتا تھا کہ کیا کھا رہے ہیں اور کیا پی رہے ہیں یہاں تک کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی روایات اور واقعات کے سلسلے میں غور و فکر کے سمندر میں غوطہ زن رہتے تھے۔ وہ خطی اور قلمی نسخوں سے منقول مطالب پر اعتماد نہیں کرتے تھے بلکہ ان علمی مآخذ کو خود دیکھنا ضروری سمجھتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ شک و تردید، باطل اور اہل تشکیک کے تمام دعوؤں کا جواب دیا جاسکے۔

وفات

علامہ امینی کی وفات ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ بروز جمعہ تہران میں ہوئی۔ اُنہوں نے پچاس سال مسلسل تحقیق اور علمی جستجو میں گذارے اور مکتب اہل بیت اطہارؑ کا علمی دفاع کرتے رہے۔ وہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے حقیقی پیروکار اور عاشق تھے جس کی وجہ سے وہ پوری زندگی امام علی علیہ السلام کے دینی مقام و مرتبے کا دفاع کرتے رہے اور آخر کار اُن کی وصیت کے مطابق اُن کا جنازہ نجف اشرف منتقل کیا گیا اور وصیت کے مطابق اپنی ہی تاسیس کردہ لائبریری کہ جو نجف اشرف میں ''کتابخانہ امیر المومنینؑ'' کے نام سے مشہور ہے، سپرد خاک کر دیئے گئے۔

علامہ امینی کی تحقیقات و تالیفات

علامہ امینی اپنے زمانے کے بہت سارے رائج علوم جیسے کلام، فقہ، اصول، تفسیر، فلسفہ، صرف و نحو اور دوسرے ادبی علوم پر عبور رکھتے تھے۔ اسی علمی تبحر اور فنی مہارت کی وجہ سے نے مکتب اہل بیت کے دفاع میں بہت ہی نفیس اور تحقیقی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ یہاں اُن کی تالیفات کی مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے جس سے مختلف اسلامی علوم پر اُن کے علمی تسلط کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۔ **تفسیر فاتحہ الکتاب**: یہ کتاب علامہ کی پہلی تالیف ہے اور تحقیق کے میدان میں ان کا پہلا قدم ہے۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ سورۂ حمد کی تفسیر اور دوسرا حصے میں اس سورہ کی آیات پر مشتمل ان کی تفسیر میں واضح اور اہم ترین مطالب، توحید، قضاو قدر، جبر و تفویض جیسے مسائل مذکور ہیں، یہ تمام مطالب رسول خداﷺ اور اہل بیت کرام علیہم السلام کی روایتوں سے مستفاد ہیں، علامہ امینی نے اس تفسیر میں چند مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے: صفات یعنی صفات ذاتی و صفات فعلی، علم اجمالی و تفصیلی، مشیت ازلی و محدثہ، ارادۂ تکوینی و تشریعی اور بھی دوسرے کلام اور فلسفہ کے پیچیدہ مسائل۔ جن میں سے بعض کا مکمل اور مناسب جواب دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵۹ھ میں تہران سے شائع ہوئی۔

۲۔ **شہداء الفضیلۃ**: یہ جدت پر مبنی ایک تاریخی کتاب ہے، جس میں چوتھی صدی سے لے کر عہد حاضر تک کے اسلام کے شہید علماء کے حالات زندگی مذکور ہیں، علامہ نے ایک سو تیس ان شہیدوں کے نام گنائے ہیں جنہوں نے حمایت دین اور دفاع اسلام کی خاطر اپنی جان قربان کردی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں نجف اشرف میں شائع ہوئی۔

۳۔ **سِیرَتُنَا وسُنَّتَنا ،سیرۃُ نَبِیّنَا وسُنَّتَہُ**: یہ کتاب علامہ امینی کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو انہوں نے شام میں ۱۳۸۴ھ کو بیان کئے تھے۔ اس میں ان سوالوں کا مکمل اور جامع جواب ہے جو اہل بیتؑ کی محبت کے سلسلے میں شیعوں کے غلو آمیز رویہ اور امام حسینؑ کی عزاداری کے متعلق ان سے کئے گئے تھے۔ علامہ نے ان تہمتوں کا جواب دیا ہے مثلاً یہ کہ شیعہ کربلا کی مٹی کو سجدہ گاہ قرار دیتے ہیں، انہوں نے اس کا جواب دیا ہے کہ شیعہ کربلا کی تربت پر سجدہ کو واجب نہیں سمجھتے، بلکہ

جائز جانتے ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح تمام زمین پر سجدہ کو جائز سمجھتے ہیں، نئی بات صرف یہ ہے کہ شیعہ حضرات امام حسینؑ کی تربت پر سجدہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ رسول خداؐ کی بیٹی کے فرزند سے محبت کریں اور یہ اعلان کریں کہ شیعہ امام حسینؑ کی سیرت کے مطابق زندگی گذارتے ہیں۔ یہ کتاب نجف اشرف میں ۱۳۶۲ھ میں اور تہران میں ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوئی۔

۴۔ تصحیح کامل الزیارات

یہ شیخ الطائفۃ ابو القاسم جعفر بن محمد بن قولویہ (متوفی ۳۶۷ھ) کی کتاب ہے، اس کی سند صحیح اور روایتیں متواتر ہیں، جنہیں موثق علماء نے نقل کیا ہے، مختلف طرق سے ائمہ طاہرینؑ کی طرف نسبت دی گئی ہے، اس کے راوی چھ سو سے زائد ہیں جو سب کے سب موثق ہیں۔ علامہ امینی نے اس کتاب کی تحقیق کی ہے اور اس کی تصحیح میں کتاب میں مذکور قابل اعتماد تمام مآخذ (وسائل الشیعہ، مستدرک الشیعہ، بحار الانوار اور دوسری معتبر رجالی کتابوں) کی طرف رجوع کیا ہے۔

۵۔ ادب الزائر

امام حسین علیہ السلام کے زائر کے لئے جو اعمال ضروری ہیں، ان اعمال پر مشتمل یہ مختصر رسالہ ہے، اس میں امام حسین علیہ السلام کے حرم میں دعا کے آداب کو بیان کیا گیا ہے، اس میں دعائے علقمہ کی شرح بھی موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۳۶۲ھ میں نجف اشرف سے شائع ہوئی ہے۔

۶۔ تعالیق فی اصول الفقہ علی کتاب الرسائل، تالیف شیخ انصاری: یہ خطی کتاب ہے۔

۷۔ المقاصد العلیۃ فی المطالب السنیۃ: یہ قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر پر مشتمل ہے یہ بھی خطی کتاب ہے۔

۸۔ ریاض الانس: دو جلدوں میں خطی نسخہ ہے۔ جلد اول ۷۰۰ صفحات اور جلد دوم ۱۰۱۲ صفحات پر مشتمل ہے جس میں کتب تفسیر وحدیث، تاریخ اور کلام سے بعض مطالب کو کشکول کی شکل میں جمع کیا گیا ہے۔

۹۔ رجال آذربایجان: خطی ہے۔ یہ کتاب بھی علامہ امینی کی دوسری کتابوں کی طرح عربی زبان میں ہے اور خطہ آذربائیجان کے ۲۳۴ علماء کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

۱۰۔ ثمرات الاسفار: خطی ہے۔ یہ بھی ہندوستان اور سوریہ کے سفر کی یادداشتوں پر مشتمل ہے۔

۱۱۔ العترۃ الطاھرۃ فی الکتاب العزیز: یہ کتاب اُن آیات کی تفسیر پر مشتمل ہے جو اہل بیت اطہار علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ بھی خطی نسخے کی شکل میں موجود ہے۔

۱۲۔ موسوعۃ الغدیر: جو علامہ کی نصف صدی کی تلاش و کوشش کا ثمرہ ہے۔ جس کا تفصیلی تعارف ہی ہمارے مقالے کا موضوع ہے۔

''الغدیر فی الکتاب و السنۃ و الادب''

یہ کتاب علامہ امینیؒ کی سالہا سال کی علمی و تحقیقی زحمتوں کا نتیجہ ہے اور علامہ کی اہل بیتؑ عصمت وطہارت سے عقیدت و محبت کی علامت ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں آپ نے نجف اشرف کے تمام کتب خانے چھان مارے اور ایران، ہندوستان، شام، ترکی اور دیگر ممالک کے سفر کیے۔ ان ممالک کے اہم کتب خانوں کا عرق ریزی سے مطالعہ کیا اور جو کچھ بھی واقعہ غدیر اور ولایت کے موضوع سے متعلق مواد ملا اسے اس میں جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب در حقیقت عقیدہ ولایت اور شیعہ عقائد کا دائرۃ المعارف ہے اور اعلیٰ ادبی شاہکار ہے، یہ کتاب علمی و ادبی لحاظ سے ایک بلند پایہ کتاب سمجھی جاتی ہے، بیس جلدوں میں یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے اور ابھی تک صرف گیارہ جلدیں طبع ہوئی ہیں۔ تقریباً (۵۵) سال پہلے کتاب ''الغدیر'' لکھی گئی تھی اور جو شخص بھی شیعہ علم وادب کی تاریخ سے معمولی سی بھی واقفیت رکھتا ہے وہ کتاب الغدیر کی عظمت کا معترف ہے۔

الغدیر کی تالیف کا محرک

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (1) یعنی اللہ کی رسی کو سب مل کر تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو۔ ہی الغدیر جیسی کتاب کا حقیقی محرک تھا۔ علامہ امینیؒ کے نزدیک مسلمانوں کی عظمت اور اسلام کی سربلندی کا راز اسی ''حبل اللہ'' کے ساتھ تمسک میں ہی مضمر ہے۔ جیسا کہ شیعہ علماء کے علاوہ بعض علمائے اہل سنت نے بھی ''حبل اللہ'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حبل اللہ سے مراد ائمہ اہل بیتؑ خصوصاً علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت ہے۔ (2) علامہ امینیؒ کے نزدیک مسلمانوں کو اُسی اتحاد واتفاق کی طرف لوٹنا چاہیے جو خود پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان قائم تھا اور وہ سب پرچم اسلام کے سائے میں متفق و متحد تھے۔ زمانہ رسول ﷺ کے اتحاد واتفاق تک ہم فقط

اس زمانے کے حقیقی حالات وواقعات سے آگاہی حاصل کرکے ہی پہنچ سکتے ہیں جو حکمرانوں کی سیاسی مصلحتوں اور مفادات کے بوجھ تلے چھپ چکے ہیں۔ الغدیر میں علامہ امینی درحقیقت زمانہ رسول ﷺ کے مسلمان معاشرے کی شناخت کرانا چاہتے ہیں کہ جب سب مسلمان ایک پرچم تلے جمع تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت وولایت کا پرچم تھا۔ چنانچہ رسول ﷺ کے اس دنیا سے پردہ کرجانے کے بعد نبوت کا سلسلہ تو ختم ہوگیا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی ولایت وامامت کا سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔ جناب ختمی مرتبت ﷺ نے غدیر میں ولایت وامامت کے اسی سلسلے کے دوام کا اعلان کیا تھا اور پوری اُمت کو اس سلسلے کے سائے میں زندگی گزارنے کی تاکید فرمائی تھی۔ مسلمانوں کے حقیقی اتحاد واتفاق کا حصول اُسی وقت ممکن ہے جب زمانہ رسول ﷺ کے معاشرے کو زندہ کیا جائے۔ علامہ امینیؒ نے اسی مقصد ونیت کے ساتھ الغدیر کی تدوین کی تھی اور اُن کا سب سے بڑا محرک یہی تھا۔ جیسا کہ وہ اپنے کتابخانے کی طرف سے شائع ہونے والے مجلے میں لکھتے ہیں:

''اسلامی وحدت اُمت کے درمیان حقائق کے اظہار سے ہی ممکن ہے نہ کہ استعمار کی طرف سے سیاسی اتحاد کے ذریعے جو وہ اپنے کارندوں کے ذریعے قائم کرنا چاہتے ہیں اور جب اپنا مقصد پورا کرلیتے ہیں تو اس اتحاد کو ختم کردیتے ہیں''۔(3)

الغدیر کی مختلف جلدوں کے مضامین پر ایک نظر

جلد اول: اس جلد میں علامہ امینیؒ نے جن عناوین کے تحت بحث کی ہے اُن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ سب سے پہلے حدیث غدیر کو نقل کرنے کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ کے ۱۱۰ ایسے نامور صحابہ کرام کا نام ذکر کیا ہے جنہوں نے اس حدث کو نقل کیا ہے مصنف نے ان میں سے ہر صحابی کے تفصیلی حالات کتب اہل سنت سے پیش کئے ہیں۔(4)

۲۔ صحابہ کرام کے نام کے بعد تابعین میں سے بھی ۸۴ ایسے افراد کا نام لیتے ہیں، جنہوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اسی کے ضمن میں اہل سنت کے ان علماء کا نام بھی لیتے ہیں جنہوں نے اپنی رجال کی کتابوں میں ان کا نام لیا ہے۔ (5)

۳۔تابعین کے بعد اس حدیث کو نقل کرنے والے علماء میں دوسرے صدی ہجری قمری سے لے کر چودہویں صدی تک کے ۳۶۰ علماء کا نام ذکر کرتے ہیں۔ (6)
۴۔اس کے بعد علامہ امینیؒ کتاب کی دوسری فصل میں ایسے مصنفین کا نام لیتے ہیں جنہوں نے حدیث غدیر پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔(7)
۵۔ کتاب کی تیسری فصل میں حدیث غدیر کے ذریعے دوسروں پر حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے احتجاج اور حجت و دلیل لانے کی بحث کی گئی ہے۔(8)
۶۔ اس کے بعد ''الغدیر فی الکتاب العزیز'' کے عنوان سے حدیث غدیر کے بارے میں قرآن کی آیات کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں ولایت و امامت امام علی علیہ السلام پر دلالت کرنے والی آیات سے استدلال کیا گیا ہے۔(9)
۷۔ اس کے بعد عید غدیر اور خلیفہ اول، دوم اور دوسرے صحابہ کا امام علی علیہ السلام کو بعنوان جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبارک باد پیش کرنے کے واقعات اور اہل بیت علیہم السلام کے ہاں اس عید کی شان و منزلت پر بحث کی گئی ہے۔اس کے بعد عید غدیر کے بارے میں بعض اہل سنت دانشمندوں کی کلمات کو ذکر کرنے کی ساتھ حدیث غدیر کی سند سے بحث کی گئی ہے۔(10)
کتاب کے آخری حصہ کو اس حدیث کے معنی اور اس کے مفہوم کے ساتھ مختص کیا ہے۔اس مقصد کیلئے مصنف نے بعض اہل سنت دانشمندوں کی طرف سے پیش ہونے والی اعتراضات کو بیان کرکے مختلف قرائن و شواہد کی بنا پر اس حدیث کی دلالت کو شیعوں کی مدعا پر واضح اور آشکار طور پر بیان کیا ہے۔

جلد دوم: اس جلد میں علامہ نے جن عناوین کے تحت مطالب پیش کئے ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے:
ا۔ الغدیر کی دوسری جلد میں واقعۂ غدیر سے متعلق اشعار کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ علامہ امینیؒ نے سب سے پہلے قرآن و سنت کی رو سے شعر اور شاعری کی شان و منزلت پر بحث کی ہے۔
۲۔ اس کے بعد پہلی صدی ہجری کے ان شاعروں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے غدیر کے حوالے سے شعر کہے ہیں۔اس باب میں امیرالمؤمنین علیہ السلام، حسان بن ثابت، قیس بن سعد

بن عبادہ، عمرو بن عاص اور محمد بن عبداللہ حمیری وغیرہ کو مضبوط تاریخی حوالوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔(11)

۳۔اس کے بعد دوسری صدی ہجری کے اُن شاعروں کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے غدیر کے بارے میں اشعار لکھے یا کہے ہیں، ان میں کمیت، سید حمیری، عبدی کوفی وغیرہ کا نام سر فہرست ہے۔

۴۔ پھر تیسری صدی ہجری کے شاعروں میں ابوتمام طائی اور دعبل خزاعی کا نام لیتے ہیں۔(12)

جلد سوم: تیسری جلد کے اہم عناوین یہ ہیں:

ا۔اس جلد کے آغاز میں تیسری صدی ہجری کے شاعروں کے نام کے بقیہ حصے کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے بعد موقع کی مناسبت سے اسلام کی بارے میں بعض مستشرقین کے آثار پر نقد و نظر کیا گیا ہے۔(13)

۲۔ اس کے بعد ابن رومی اور افوہ حمانی کے تذکرے کے ساتھ تیسری صدی ہجری کے شاعروں کے نام کو جاری رکھتے ہیں۔ آگے چل کر بعض اہل سنت علماء کی اعتراضات کو مد نظر رکھتے ہوئے زید شہید کے بارے میں شیعہ نقطہ نظر پر گفتگو کرتے ہیں۔(14)

۳۔اس کے بعد علامہ امینی اس جلد میں بحث کو جاری رکھتے ہوئے بعض اہل سنت علماء کی کتابوں پر نقد و نظر کرتے ہیں اور اُن کی طرف سے شیعوں پر لگائے جانے والی بعض تہمتوں کو اُن کی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ مستند طور پر بیان کرتے ہوئے اہل بیتؑ کے فضائل، قرآن، تحریف قرآن اور متعہ جیسے امور پر مفصل بحث کرتے ہیں اس بحث میں جو مشہور کتابیں علامہ امینیؒ کے نقد و نظر سے گذرتی ہیں اُن میں ''العقد الفرید''، ''الانتصار''، ''الفرق بین الفرق''، ''الفصل لابن حزم''، ''الملل والنحل شہرستانی''،ابن تیمیہ کی'' منہاج السنۃ''ابن کثیر دمشقی کی ''البدایۃ والنہایۃ''، شیخ محمد الحضری کی'' المحاضرات''محمد رشید رضا کی ''السنۃ والشیعۃ''عبد اللہ علی القصیمی کی ''الصراع بین الاسلام والوثنیۃ''احمد امین مصری کی کتابیں ''فجر الاسلام ، ضحیٰ الاسلام اور ظہر الاسلام ''محمد ثابت مصری کی الجولۃ فی ربوع الشرق الادنی'' ایک مستشرق کی کتاب ''عقیدۃ الشیعۃ'' موسیٰ جاراللہ کی ''الوشیعۃ فی نقد عقائد الشیعۃ'' شامل ہیں۔(15)

۴۔اس کے بعد اسی جلد کے آخری حصے میں چوتھی صدی ہجری کے شاعروں کا نام ذکر کئے جاتے ہیں جنہوں نے غدیر کو موضوع سخن بنایاہے۔جن میں ابن طباطبا اصفہانی، ابن علویہ اصفہانی، مفجّع، ابوالقاسم صنوبری، قاضی تنوخی، ابوالقاسم زاہی، ابوفراس حمدانی کا نام سر فہرست ہیں۔(16)

جلد چہارم

الغدیر کی چوتھی جلد میں بھی چوتھی صدی ہجری کے شاعروں کے نام کے ساتھ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے شاعروں کاتذکرہ بھی ملتاہے۔ان میں ابوالفتح کشاجم، صاحب بن عباد، شریف رضی، شریف مرتضی، ابوالعلاء معرّیاور خطیب خوارزمی جیسے نامور شعرا کا نام دیکھنے میں آتا ہے۔(17)

جلد پنجم

پانچویں جلد میں پانچویں صدی ہجری کے بقیہ شاعروں کے نام کے ساتھ ساتھ حدیث رد الشّمس، نماز ہزار رکعت، اسلام میں محدث کی اصطلاح، ائمہ شیعہ کا علم غیب، جنازوں کا مشاہد مشرفہ میں لے جانا، زیارت اور جعل حدیث جیسے عناوین بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔مصنف نے ان تمام مباحث کو اہل سنت کی کتابوں سے مدلل انداز میں ذکر کیاہے اس کے ساتھ ساتھ بعض اہل سنت علماء کی طرف سے لگائے جانے والی بعض تہمتوں کا بھی جواب دیاہے۔(18)

جلد ششم

الغدیر کی یہ جلد آٹھویں صدی ہجری کے شعراء پر مشتمل ہے، جن میں امام شیبانی شافعی، شمس الدین مالکی اور علاء الدین حلی قابل ذکر ہیں۔اس کے علاوہ اس جلد میں خلیفہ ثانی کا علم اور مختلف قضاوتوں میں ان کے اشتباہات کو خود اہل سنت منابع کی روشنی میں تفصیل سے ذکر کیاگیاہے۔اس کے بعد انہی مطالب کے ضمن میں خلیفہ دوم کا دو متعوں (متعہ حج اور عورت کے ساتھ متعہ) کو حرام قرار دینے کے واقعے کو تفصیل سے پیش کیاہے۔

جلد ہفتم

الغدیر کی اس جلدکاآغاز نویں صدی ہجری کے شاعروں کے ناموں سے ہوتا ہے۔اس کے بعد خلیفہ اول کے فضائل کے بارے میں موجود مبالغوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔اسی ضمن میں خلیفہ

اول کے دین کے حوالے سے علم و آگاہی پر بحث کرتے ہوئے فدک کے بارے میں تفصیل سے بحث کی جاتی ہے۔اس جلد کے آخر میں ایمان ابوطالبؑ کے بارے میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے اپنے مدعا پر مختلف ادلہ ذکر کی ہیں جن میں اشعار، دوسروں کی گفتگو، ابوطالبؑ کے کارناموں اور ان کے بارے میں معصومینؑ کی احادیث کو پیش کیا گیا ہے۔

جلد ہشتم

اس جلد کے شروع میں ایمان ابوطالبؑ ہی کی بحث کے جاری رکھتے ہوئے، اس حوالے سے بعض شبہات کا قرآن کی روشنی میں جواب دیا جاتا ہے۔آگے چل کر ایمان ابوطالبؑ کی بحث کو حدیث ضحضاح کے ساتھ جاری رکھتے ہیں۔(19)

اس جلد کے بقیہ مباحث میں علامہ امینیؒ خلیفہ اول کے فضائل کے حوالے سے موجود بعض دیگر مبالغوں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ خلیفہ ثانی کے بارے میں موجود مبالغوں پر بھی بحث کرتے ہیں۔ اس کی بعد حضرت عثمان کے بارے میں موجود مبالغوں پر بحث کے دوران اس کے علم و دانش اور اس کے زمانے میں بیت المال میں سے اپنے اقرباء اور رشتہ داروں کو دئے جانے والے بذل و بخششوں پر بحث کرتے ہوئے آخر کار ابوذر کی ربذہ کی طرف جلاوطنی پر بحث کرتے ہیں۔(20)

جلد نہم

نویں جلد میں حضرت عثمان کے فضائل پر بحث کو جاری رکھتے ہوئے ان کے زمانے میں ابن مسعود اور عمار یاسر، ابوذر غفاری اور کوفہ کے بعض بزرگوں کی شام کی طرف جلاوطنی پر بحث کرتے ہیں۔اس کے بعد بعض صحابہ پیغمبر ﷺ کے خلیفہ سوم کے بارے میں نظریات اور آخر کار اُن کے قتل کی بحث کے ساتھ اس جلد کا اختتام ہوتا ہے۔

جلد دہم

الغدیر کی دسویں جلد کے آغاز میں خلفائے ثلاثہ کی فضائل پر مشتمل مباحث کو جاری رکھا جاتا ہے اور پھر ابن عمر و اور اس کے تاریخی کردار کے ضمن میں اس کی طرف سے یزید کی بیعت کرنے

پر نقد و نظر کیا جاتا ہے۔ امیر شام کے بارے میں موجود مبالغوں اور سیاسی اشتباہات، بدعتوں، جنایات اور دیگر کارناموں منجملہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی ساتھ جنگ اور حکمیت جیسے مطالب بھی اس جلد کے اہم عناوین ہیں۔

جلد یازدہم

اس جلد کا آغاز بھی امیر شام کے امام حسن مجتبی علیہ السلام کے ساتھ سلوک سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اس میں امیر شام کا شیعیان امیر المؤمنینؑ کے ساتھ برتاؤ اور حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کے اوپر انجام دینے والی ظلم و ستم کے بارے میں بھی بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد امیر شام کی جھوٹے فضائل پر تنقید کرنے کے علاوہ بعض دوسرے افراد کے بارے میں موجود خود ساختہ غلو آمیز داستانوں کو بھی ذکر کیا گیاہے۔ اسی جلد میں غدیر کے بارے میں شعر کہنے والے نویں صدی سے لے کر بارہویں صدی ہجری تک کے شاعروں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اسی جلد کے آخر میں مصنف نے بارہویں جلد کی تیاری کی بھی بات کی ہے جو غدیر کے دوسرے شعراء کے اسامی پر مشتمل ہوگی۔ (21) لیکن علامہ امینیؒ کی وفات کی وجہ سے یہ جلد ادھوری رہ جاتی ہے۔

الغدیر کے متعلق دانشوروں کی آراء اور تعریفی کلمات

اس کتاب کی اہمیت اور عظمت کے متعلق دنیائے اسلام کے بہت سے اہل قلم، دانشوروں اور علمائے کرام نے اپنی آراء کا اظہار کیا ہے جن میں سے پیشتر اس کتاب کی مختلف جلدوں کے شروع میں تقریظات اور تعریفی کلمات کی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ عالم اسلام کی جن شخصیات نے کتاب ''الغدیر'' پر اپنی آراء ذکر کی ہیں اُن کے نام یہ ہیں:

۱۔ محمد عبد الغنی حسن۔ قاہرہ　　۲۔ شیخ محمد سعید دحدوع۔ حلب
۳۔ عبد الفتاح عبد المقصود۔ اسکندریہ　　۴۔ سید حسن الامین۔ بیروت
۵۔ شیخ آغا بزرگ تہرانی۔ نجف　　۶۔ ڈاکٹر توفیق الفلیکی۔ بغداد
۷۔ سید عبد الحسین شرف الدین۔ صور (لبنان)　　۸۔ شیخ محمد تیسیر المخزومی۔ دمشق
۹۔ ڈاکٹر عبد الرحمان الکیالی۔ حلب　　۱۰۔ علاء الدین خروفہ۔ جامع ازہر

۱۱۔ڈاکٹر پولس سلامہ۔بیروت　　۱۲۔ڈاکٹر محمد غلاب۔الازہر یونی ورسٹی

محققین اور متقدین، الغدیر کو مختلف اسلامی علوم جیسے تاریخ، کلام، حدیث، درایہ، رجال، تفسیر، تاریخ نزول، تاریخ ادبیات غدیر، نقد، تصحیح، کتابشناسی وغیرہ پر مشتمل ایک انسائکلوپیڈیا قرار دیتے ہیں جو اپنی مخصوص و منظّم ترتیب، بہترین اور دیدہ زیب آفسٹ، حکیمانہ منطق، شاعرانہ نثر، تاریخی مآخذ، محکم اور حماسی بیان، بے پناہ شوق اور جذبہ اور مدلل مطالب پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہے۔(22)

اس کتاب میں ایسے عمدہ مسائل پیش ہوئے ہیں کہ ایک مورخ اسلام اور اسلام شناس کے لئے ان مسائل سے آگاہی کے بغیر اس کا کام کامل تصور نہیں کیا جاتا۔مثلا اگر کوئی ماہر "علم الحدیث" اس علم کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہو لیکن الغدیر کی پانچویں جلد میں (سلسلۃ الکذابین والوضاعین) کا مطالعہ نہ کیا ہو یا ملل و نحل کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتا ہو لیکن الغدیر کی تیسری جلد کا مطالعہ نہ کیا ہو یا تشیع کی مبانی اور مبادی سے بحث کرنا چاہتا ہو لیکن الغدیر کی پہلی، دوسری اور ساتویں جلد کا مطالعہ نہ کیا ہو تو بغیر کسی شک کے اس کا کام ادھورہ رہ جائے گا اور کامل نہیں ہوگا۔(23)

کتاب الغدیر کی اشاعت اور تراجم

علامہ امینیؒ نے الغدیر کو گیارہ جلدوں میں تألیف کیا ہے لیکن اُنہیں اجل نے باقی جلدیں مکمل کرنے کی مہلت نہیں دی۔ الغدیر کی یہ گیارہ جلدیں اب تک یہ کئی بار چھپ چکی ہیں۔ اس وقت اس کتاب کے دو ایڈیشن موجود ہیں:

۱۔الغدیر کی قدیم اشاعت تہران سے، دارالکتب الاسلامیہ نے ۱۳۷۲ھ میں شائع کی ہے اور پھر بیروت سے دارالکتاب العربی نے ۱۳۸۷ھ میں اسی اشاعت کو کئی بار آفسٹ طباعت کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۲۔الغدیر کی ایک اور اشاعت ''مرکز الغدیر للدراسات الاسلامیۃ'' کی تحقیق کے ساتھ پہلی بار ۱۴۱۶ھ میں شائع ہوئی ہے۔ اس ایڈیشن میں کئی تحقیقی کام ہوئے ہیں جن میں ٹائپینگ، توضیحات اور حوالہ جات شامل ہیں۔

ترجمہ:

الغدیر کا فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے جبکہ عربی، اردو اور ترکی استانبولی میں اس کی تلخیص بھی ہوئی ہے۔ اردو ترجمہ اور تلخیص مولانا سید علی اختر رضوی شعور گوپال پوری مرحوم کے قلم کے ساتھ شائع ہوا ہے جو اردو زبان طبقے کی ایک بڑی خدمت ہے۔ یہ ترجمہ و تلخیص لاہور سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا ہے۔ فارسی میں بھی اس کتاب کا ترجمہ ۲۲ جلدوں میں شائع ہوچکا ہے۔

الغدیر پر علمی کام

اسی طرح الغدیر کے بعض مباحث جیسے متعہ اور حضرت علی علیہ السلام کا حدیث غدیر کے ساتھ اپنی حقانیت پر احتجاج وغیرہ جداگانہ بھی شائع ہوچکے ہیں۔ اسی طرح "سیری در الغدیر" مؤلف محمد ہادی امینی اور "فی رحاب الغدیر" مؤلف علی اصغر مروج خراسانی الغدیر کے منتخب مباحث پر مشتمل ہیں۔ علامہ محمد رضا حکیمی نے کتاب "الغدیر" کا یاد نامہ بھی شائع کیا ہے جو "حماسہ غدیر" کے نام سے فارسی میں شائع ہوا ہے جو کتاب الغدیر اور علامہ امینیؒ کے علمی مقام و منزلت کے بارے میں بہت سے دانشوروں کے مقالات پر مشتمل ہے۔

*****

حوالہ جات

1۔ آل عمران: ۱۰۳

2۔ حاکم حسکانی، شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۱۶۸ حدیث نمبر ۱۷۷، شیخ مومن شبلنجی، نور الابصار۔ ص 226، رشفۃ الہادی۔ ابی بکر بن شہاب الدین شافعی، ص 10، ط۔ مصر۔ ینابیع المودۃ۔ جلد 1، ص 356۔ باب 39۔

3۔ اس مطلب کی مزید وضاحت کے لئے دیکھئے شہید مطہریؒ کی تحریر "الغدیر و وحدت اسلامی"۔

4۔ الغدیر، ج ۱، ص ۱۴ تا ۶۱

5۔ الغدیر، ج ۱، ص ۶۳ تا ۷۲

6۔ الغدیر، ج ۱، ص ۱۵۱

7۔الغدیر، ج۱، ص ۱۵۲تا ۱۵۸
8۔الغدیر، ج۱، ص۱۵۹تا ۲۱۳
9۔الغدیر، ج۱، ص ۲۱۴تا ۲۶۶
10۔الغدیر، ج۱ ۲۶۷تا ۴۶۷
11۔الغدیر ج ۲، ص ۲تا ۱۷۹
12۔الغدیر، ج ۲، ص۱۸۰تا ۳۸۶
13۔الغدیر، ج ۳، ص ۴تا ۲۸
14۔الغدیر، ج ۳، ص۲۹تا ۷۶
15۔الغدیر ج ۳، ص۷۷ ت ۳۳۸
16۔الغدیر، ج ۳، ص ۳۴۹تا ۴۱۶
17۔الغدیر، ج ۴، ص ۳تا ۴۱۱
18۔ دیکھئے الغدیر جلد ۵
19۔الغدیر، ج ۸، ص ۳تا ۲۹
20۔الغدیر، ج ۸، ص ۲۹تا آخر
21۔الغدیر ج ۱۱، ص ۳۹۵
22۔ حکیمی محمد رضا، حماسہ غدیر، ص ۱۸۵
23۔ حکیمی محمد رضا، حماسہ غدیر، ص ۱۸۶، ۱۸۵

PRINCIPLES AND RULES OF DIALOGUE AMONGST ISLAMIC SECTS

By: ***Sekinder Ali Beheshti****

Key Words: *Muslim Sects, Quran and the Sunnah, Brotherhood, Unity among Muslims, Principles of dialogue.*

Abstract

In addition to being a complete religion, Islam presents solutions to all human problems. The determination of the principles and rules of human sociality is one of the major problems of human beings. Islam considers dialogue among humans as the basic principel of human sociality. For dialogue there are certain principles and rules both in the case of agreement and disagreement. These principles have been termed as 'the concept of brotherhood', 'good assumption of other sects', 'concentration on mutual problems', 'broad-mindedness on ideological differences', 'respect for the ideas and thoughts of others', 'familiarity with the life of the Prophet's Household, his companions and other religious figures'. For us, the reason behind disunity and hostility amongst Muslim sects is to not understand each other's sects from their basic sources. The major reason for the sectarian biasness in Muslim societies is, therefore, sectarian ignorance. This paper is about those problems and their solutions which argues that following conditions are essential for the beginning of a purposeful dialogue: to understand other sects from their reliable sources, the publication of books on mutually-agreed Islamic beliefs, ideas and jurisprudential issues, the establishment of socio-religious contacts between Ulama and religious students, organization of academic activities between universities and madaris, the publication of journals and periodicals on mutual issues with a broader thinking, mutual respect for sectarian sensitivities.

** . Research scholar Shah Abdul Latif University Khairpur.*

A RESEARCHBASED STUDY OF THE LIFE OF THE PROPHET (PBUH)
(IN THE LIGHT OF NAHJ AL-BALAGAH)

By: ***Dr. Jawad Haider Hashimi****

Key words*: The Holly Prophet (PBUH), Hazrat Ali (AS), the Lifestyle of the Prophet, the proclamation, the finality of the prophethood, the best model (Uswa Hasna), preaching.*

Abstract:

There are two ways for the people of the post-Prophethood era to get acquainted with the personality and life of the Holy Prophet (PBUH) viz. Quran and the Household of the Prophet (PBUH) and the sayings of his companions. Imam Ali (AS) is the most prominent personality of the Prophet's Household who remained with him always. Imam Ali (AS) witnessed the first divine revelation on the Prophet (PBUH) and, after his demise, he descended him in his grave. The Prophet (PBUH) nurtured Imam Ali (AS) with love and care as he took him to his home in his childhood. Only Imam Ali (AS), therefore, can introduce the Prophet (PBUH) to us in a best and comprehensive way. In Nahj al-Balagah the Imam has sketched the life of the Prophet (PBUH), from his genealogy and characteristics to his sociality, his mission and his endeavourers in guiding people towards light, in a best manner.

**. Assistant Professor, Islamic Studies Dep. KU; Karachi.*

THE CHARACTERISTICS OF SHIITES (According to Ahl al-Bait)

By: ***Syed-ul-Hassan Mosavi*** *

Key words: *Shiaology, twelver Shiites, Following of the Ahl al-Bait, The infallible Imams, Imam Jafar Sadiq (AS), Islamic Revolution*, Imam Khomeini

Abstract

The followers of Ahl al-Bait constitue a major sect in the Muslim community. In the post-revolutionary era, the identification of authentic Shiism became significant not only for the enemies of Islam, but also for the followers of others religions and sects and for the Shias themseleves. The identification of authentic Shiism is also important in Pakistan, as it is a way to train the untrained majority of people within Shiism as well as to convey its accurate message to other Muslim sects. Some people, due to the misperception of Shiism, consider all those who love and revere Ahl al-Bait as Shiites and perceive their deeds as that of true Shia. This trend of thinking is totally against the global Shiite movement which has held the flag of Islam and is seen as representing the religion of Islam. In this paper, the characteristics of Shiites have been listed in accordance to the views of the infallible Imams. These characteristics offer a context within which the authentic Shiism and its present movement can be understood.

**. The Editor Quarterly "Noor-e-Marfat"; Research Scholar, Islamabad.*

THE BASIC PRINCIPLES OF COMPREHENSION OF QURANIC WORDS
(AND THEIR ROLE IN THE EXEGESIS OF THE QURAN; IN THE VIEW OF ALLAMA TABATABAI)

By: ***Amir Raza Ashrafi,*** [*]
Trans: ***Syed Hasnain Abbas Gardezi*** [†]

Key words: ***Key words:*** *Mufrada't-e-Quran, The basic principles of comprehending the Mufrada't, The change in the meanings of the words, the inclusion of non-Arabic words in Arabis (Ajanabi Alfa'z), Tafsir al-Mizan, Allama Tabatabai.*

Abstract

The way of understanding the words of the Quran in the process of exegesis is rested on rules and regulation; there are certain principles on the basis of which the meanings of words can be discerned. In this paper an attempt has been to extract those principles by analyzing the text of his Tafsir al-Mizan. According to the Allama these principles include: first, the characteristics of the Masadeeq (the intended/implied meaning) of words are different from their literal meanings. In this way it becomes possible to apply a word on different and various Masadeeq. Second, the words that are associated with the characteristics of God and the world-hereafter are largely used for metaphysical and sublime masadeeq. Here, the common masadeeq and meanings of words must not divert the attention of the exegesist from those sublime meanings and masadeeq. Third, with the passage of time the meanings of some words have been changed

**. Assistant Professor; Faculty of Tafseer & Quranic Sciences; Imam Khomani Research Institute; Qum, Iran.*
†. Chief Editor Quarterly Noor-e-Marfat; Islamabad.

in a manner that their meanings are different from their original Arabic usage. The criterion of understanding those words properly is their usage during the era of revelation. Fourth, in the Quran some words have been given specific meanings which must be kept in consideration in the process of exegesis. Fifth, many non-Arabic words have got new meanings after entering in the vocabulary of Arabic (alfaz-e-Moar'raba). To identify the meanings of such words their usage in Arabic language and literature must be kept in view.

THE ROLE OF SHIMR BIN ZILJOSHAN IN THE TRAGEDY OF KARBALA

By: ***Dr. Abbas Haider Zaidi****

Key words: *Imam Hussain (AS), The Incident of Karbala, Shimr bin Ziljushan, Umayyads, Yazid bin Muawiyah, Kofa, Umar bin Saad, ibn-e-Ziyad*

Abstract

Shimr is a character in the tragedy of Karbala whose cruelty and barbarism hurt the Ahl al-Bait very much. During the reign of Imam Ali (AS) Shimr was perceived as a supporter and Shia of the Imam. He was on the side of Imam Ali in the Battler of Camel (jaml), but he forsook him later and joined Muawiyah. He, thence, became a puppet of the Umayyad dynasty and a leader of Kufa. He was among those who testified against Hujr bin Adi which resulted in the martyrdom of Hujr. He played a major role in the defeat of Muslim bin Aqeel in Kufa. When Umar bin Saad wrote a letter from Karbala to ibn-e-Ziyad, suggesting him not to declare war against the Imam, Shimr convinced Ibn-e-Ziyad that the Imam would not pledge allegiance and that war was unavoidable. He acquired a 'letter of immunity' for Hazrat Abbas and his brothers from ibn-e-Ziyad as he was a relative of them from their mother. Hazrat Abbas rejected the offer of immunity with hatred. Shimr was in a rush to start war with Imam Hussain (AS) even in the night of Ashura. He played a major role in the martyrdom of the Imam and, then, in making the noble ladies as prisoners for which he is included among the most cruel characters of Karbala.

** .PHD, Pakistan Study Centre, University of Karachi*

USWA-E-HASANA AND OUR LIVES

By: ***Dr. Muhammad Tofail****

Key words: *Uswa-e-Hasana (The excellent model), The Islamic Shari'a, The Finality of Prophethood, Mercy to the Worlds, The events of Sirah.*

Abstract

Allah Almighty has provided human beings with both material and spiritual requirements. According to Islam, a role model is indispensible for the fulfillment of human needs. Allah has, therefore, bestowed upon every nation guides (Hadi) as prophets. As the previous prophets and their religions were unable to fulfill the eternal needs of human beings, a final prophet with a religion was given to human beings. The Holy Prophet, therefore, said, "Every prophet was sent to his own nation, while I have been sent for all blacks and whites". According to the prophetic sayings the chain of prophethood ended in the person of the Holy Prophet (PBUH). The Holy Prophet (PBUH) has been called as an excellent role model for all human beings by Allah. Uswa-e-Hasna is a complete system and a model of life. Given that it is the eternal source of guidance, it is beyond the limits of time and space. The prophetic sayings (hadith) include all the events and happenings of the era of the prophet. No Muslim can please God without rendering complete obedience to the Prophet (PBUH). In this paper an attempt has been made to show that the events of Sirah form a living reality which, if followed, can solve the problems of human life. These events constitute a practical model that can be used to minimize the difficulties of the present and the coming era. The study of these events can open new ideological, scientific, technical and spiritual horizons for human beings.

* *. Professor (Rtd.) at International Islamic University; Islamabad.*

Declaration No: 7334 **ISSN** 2221-1659

Quarterly Research Journal

NOOR-E-MARFAT

Vol # 8
Issue: 3
July - Sep
2017
According to
Shawwal - Zul'Hijjah
1438

Chief Editor
S.Hasnain Abbas Gardezi

Editor
S. Rameez-ul-Hassan Mosvi

EDITORIAL BOARD

- Dr. Sh. M. Hasnain
- Dr. S. Rashid Abbas
- Dr. Ali Raza Tahir
- Dr. Sukaina Hussain
- Dr. Roshan Ali
- Dr. Karam Hussain Wadhoo

ADVISORY BOARD

- Molana Dr. Sajid Ali Subhani
- Molana Ali Murtaza Zaidi
- Molana Aqeel Haider Zaidi
- Molana Samar Ali Naqvi
- Dr. S. Nisaar Ali Hamdani
- Dr. Muhammad Riaz

Registration

Pakistan: 500 PKR
Middle East: 070 $
USA, Canada, Europe: 150 $

Composing Babar Abbas

Printer Pictorial Press (Islamabad)

صحیفہ کاملہ میں معرفت خدا

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى مَا عَرَّفَنَا مِنْ نَفْسِهِ، وَ أَلْهَمَنَا مِنْ شُكْرِهِ، وَ فَتَحَ لَنَا مِنْ أَبْوَابِ الْعِلْمِ بِرُبُوبِيَّتِهِ، وَ دَلَّنَا عَلَيْهِ مِنَ الْإِخْلَاصِ لَهُ فِي تَوْحِيدِهِ، وَ جَنَّبَنَا مِنَ الْإِلْحَادِ وَ الشَّكِّ فِي أَمْرِهِ۔ حَمْداً نُعَمَّرُ بِهِ فِيمَنْ حَمِدَهُ مِنْ خَلْقِهِ، وَ نَسْبِقُ بِهِ مَنْ سَبَقَ إِلَى رِضَاهُ وَ عَفْوِهِ۔ حَمْداً يُضِيءُ لَنَا بِهِ ظُلُمَاتِ الْبَرْزَخِ، وَ يُسَهِّلُ عَلَيْنَا بِهِ سَبِيلَ الْمَبْعَثِ، وَ يُشَرِّفُ بِهِ مَنَازِلَنَا عِنْدَ مَوَاقِفِ الْأَشْهَادِ، يَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُونَ، يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئاً وَ لَا هُمْ يُنْصَرُونَ۔

یعنی: تمام تعریف اللہ کے لئے ہے کہ اس نے اپنی ذات کو ہمیں پہنچوایا اور حمد و شکر کا طریقہ سمجھایا اور اپنی پروردگاری پر علم و اطلاع کے دروازے ہمارے لیے کھول دیئے اور توحید میں تنزیہ واخلاص کی طرف ہماری رہنمائی کی اور اپنے معاملہ میں شرک و کجروی سے ہمیں بچایا۔ ایسی حمد جس کے ذریعہ ہم اس کی مخلوقات میں سے حمد گزاروں میں زندگی بسر کریں اور اس کی خوشنودی و بخشش کی طرف بڑھنے والوں سے سبقت لے جائیں۔ ایسی حمد جس کی بدولت ہمارے لیے برزخ کی تاریکیاں چھٹ جائیں اور جو ہمارے لئے قیامت کی راہوں کو آسان کر دے اور حشر کے مجمع عام میں ہماری قدر و منزلت کو بلند کر دے، جس دن ہر ایک کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہ ہوگا۔ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

(صحیفہ کاملہ دعا نمبر ا سے اقتباس)

QUARTERLY

SOCIAL / RELIGIOUS RESEARCH JOURNAL

NOOR-E-MARFAT

دیگر نظام ہائے زندگی اور دیگر الہامی وغیر الہامی مذاہب کے برعکس، اسلام دین و دنیا میں کوئی فرق یا تضاد روا رکھتا ہے، نہ روحانیت اور مادیّت کے مابین کوئی خط متارکہ کھینچتا ہے؛ نہ ہی ان دونوں میں افراط وتفریط کا قائل ہے اور نہ ہی روحانیّت اور مادیّت کو ایک دوسرے پر فوقیت یا ترجیح دیتا ہے۔ بلکہ وہ عدل وانصاف اور اعتدال کے ساتھ، اِن دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں دین و دنیا اور دین اور ریاست میں کوئی مغایرت یا جدائی نہیں، بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ کیونکہ دین ایک نظامِ حیات ہونے کی حیثیت سے اسی دنیا میں اسی زمین پر نافذ ہوتا ہے۔ نیز ریاست ہی ایک ایسا دائرہ اور ایسا محل وقوع ہوتا ہے جس میں دینی نظام برپا کیا جاتا ہے۔ اگر دین ہو، لیکن اس لئے جائے نفاذ نہ ہو تو انسان اس کے مفادات اور برکات سے محروم رہے گا۔ نیز اگر روئے زمین ہو، ریاست بھی قائم ہو اور اس کے باشندے اپنے لئے نظام زندگی کے طور پر دین کی نعمت سے بہرہ ور نہ ہوں تو انسانی زندگی بے سود اور بے کیف رہ جائے گی۔

Ph:051-2231937 www.nmt.org.pk|www.nht.org.pk

DECLARATION NO: 7334 ISSN2221-1659